ملکی وبین الاقوامی حالات اور سلگتے موضوعات پر ادارتی شذرات کا مجموعہ

تالیف

حضرت مولانا سعید احمد جلالپوری شہید

جلد اوّل

حدیث دِل

(ملکی و بین الاقوامی حالات اور سلگتے موضوعات پر ادارتی شذرات کا مجموعہ)

(جلد اَوّل)

مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ

ناشر: مکتبہ لدھیانوی، کراچی

نام کتاب: حدیث دِل (جلد اَوّل)
مصنف: مولانا سعید احمد جلال پوری شہیدؒ
ناشر: مکتبہ لدھیانوی، کراچی
سن اشاعت: اکتوبر ۲۰۰۶ء
صفحات: ۵۱۲

پیش لفظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

کسی زمانے میں کتابیں کم تھیں، مگر پڑھنے والے زیادہ تھے، اس کے برعکس آج کتابیں اور اسبابِ علم زیادہ ہیں، مگر ان کو پڑھنے اور سمجھنے والے نہیں، یہی وجہ ہے کہ آئے دن بازار میں اچھی اچھی اور خوب سے خوبصورت کتب تو آرہی ہیں، مگر ان کے قدردان نہیں۔

بلاشبہ یہ زوالِ علم اور قربِ قیامت کی علامت ہے کہ کسی دور میں اکابر و اساطینِ علم کی کتب کی طباعت و اشاعت کا انتظام مشکل تھا، اور آج میرے جیسے ہر ایرے غیرے کی تحریریں طبع ہو رہی ہیں۔ جسے دوحرف لکھنا آ گیا یا اس نے قلم پکڑنا سیکھ لیا، وہ مصنف کہلایا، قطع نظر اس کے کہ اس کی ان آڑھی ترچھی لکیروں سے کوئی ہدایت پائے یا گمراہ ہو، بہرحال کوئی نہ کوئی طباعتی ادارہ اس کو شائع کرکے اپنا کام چلاتا ہے اور ہر روز ایک نئے مصنف کا اضافہ ہوجاتا ہے۔ بازار اور کتب خانوں کا جائزہ لیجئے! تو صورتِ حال اس سے مختلف نظر نہیں آئے گی۔

میرے خیال میں اس کا بڑا سبب مادر پدر آزاد معاشرہ، حیا باختہ رسائل و جرائد اور زرد صحافت ہے، اس لئے کہ بہت سے ایسے حضرات، جو کسی زمانے میں اخبارات و مجلّات میں مضمون نگاری کو ثقاہت کے خلاف جانتے تھے، وہ بھی دِین دُشمنی

کی تحریکوں اور دریدہ دہن صحافیوں اور اَربابِ اقتدار کی خارا شگاف زبان و بیان اور تحریر وتقریر سے تنگ آکر لکھنے پر مجبور ہوگئے، اس لئے کہ ایسے موقع پر خاموش رہنا یا تو کتمان ہوگا یا مداہنت!

بلاشبہ دورِ حاضر کے اخبارات و رسائل میں شائع ہونے والے لادِین وملحد لکھاریوں کے مضامین کے مقابلے میں کلمۂ حق کہنے اور لکھنے والوں کی تعداد اگرچہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، تاہم جو لوگ یہ کام کر رہے ہیں وہ لائقِ قدر اور باعثِ غنیمت ہیں۔

ہمارے خیال میں یہ لوگ مسلمانوں کی تاریخ کی تصحیح کر رہے ہیں، کیونکہ کل جب مستقبل کا مؤرخ تاریخ مرتب کرے گا تو وہ یہ لکھنے پر مجبور ہوگا کہ فلاں دور میں اس معاملے میں فلاں دُشمنوں نے یہ قدم اُٹھایا، تو اس کے مقابلے میں مسلمانوں کے طبقے سے یہ آواز اُٹھائی گئی۔ جس سے اِن شاء اللہ مستقبل کی مسلمان نسل کو گمراہ نہیں کیا جاسکے گا۔

ہم کیا؟ اور ہماری تحریریں کیا؟ مگر بایں ہمہ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہماری یہ اُلٹی سیدھی لکیریں بھی اسی تاریخی تسلسل کا ایک حصہ ہیں، مثلاً: حکومت کی مدارس دُشمنی، مدارس کی تحویل، علماء کے قتلِ عام، اسلامی دفعات کے تحفظ کے سلسلے میں ہمارے اکابر نے کیا موقف اور لائحہ عمل اختیار کیا تھا؟ اور وقت کے جابروں نے جب اَحکامِ اسلام کو اپنے استہزا اور تمسخر کے نشانے پر لیا تو ہمارے اکابر کا کیا طرزِ عمل رہا؟ اور کس نے اس موقع پر کیا کہا، لکھا اور بیان کیا؟

پیشِ نظر ''حدیثِ دِل'' میں اسی ''فغانِ درویش'' کا تذکرہ ہے، جن میں سے اکثر و بیشتر مضامین ماہنامہ ''بینات'' کراچی، ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' کراچی میں اداریے کی حیثیت سے شائع ہو چکے ہیں، اور کچھ ایسے بھی ہیں جو قومی اخبارات میں اشاعت پذیر ہوئے ہیں۔

ہمارے احباب اور رُفقاء کی خواہش پر انہیں ابواب وار تقسیم کر کے ’’حدیثِ دِل‘‘ کے نام سے کتابی شکل دی گئی ہے، چنانچہ اس کی دونوں جلدوں کے مضامین کی ترتیب حسبِ ذیل ہے:

جلد اوّل:......شعائرِ اسلام، علمائے کرام کا قتلِ عام اور دینی مدارس، وغیرہ۔

جلد دوم:...... اصلاحِ معاشرہ، اربابِ اقتدار، تجدد پسندی و روشن خیالی، رَدِّ قادیانیت اور حالاتِ حاضرہ، وغیرہ۔

خدا کرے کہ یہ مجموعہ راقم کی نجاتِ آخرت اور مسلمانوں کی راہ نمائی کا ذریعہ بن جائے، آمین!

جن رُفقاء کی مدد سے یہ مجموعہ تیار ہوا، وہ شکریہ کے مستحق ہیں۔ خصوصاً عزیز مولانا محمد اعجاز سلّمہٗ ربہ، عزیز مولوی فخرالزمان سلّمہٗ ربہ، عزیز الحاج عبداللطیف طاہر سلّمہٗ ربہ، عزیز سیّد محمد اطہر عظیم سلّمہٗ ربہ، عزیز مولوی کامران سلّمہٗ ربہ، عزیز مولوی محمد فواد سلّمہٗ ربہ، کے علاوہ عزیز عامر صدیقی اور عزیز محمد فیصل عرفان شکریے کے مستحق ہیں کہ جنھوں نے اس کی کمپوزنگ، تصحیح اور ترتیب میں خوب خوب محنت فرمائی، اور یہ سارا کام اس وقت ہوا جبکہ راقم الحروف ایک حادثے میں زخمی ہوکر مسلسل چار ماہ تک بستر پر رہا اور چلنے پھرنے سے بھی معذور تھا۔

اے اللہ! ان تحریروں میں اگر کوئی خوبی ہے تو اس کو اُجاگر فرما، اور اگر ان میں کوئی نقص اور کمی کوتاہی ہے تو اس کو معاف فرما اور ہمیں اس سے مطلع فرما کر اس کی تصحیح کی توفیق عطا فرما، اور اس مجموعے کو آنے والی نسلوں کے لئے مفید و مثمر بنا، آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیّدنا محمد و آلہٖ و اصحابہ اجمعین

سعید احمد جلال پوری

۱۴۲۷/۹/۴ھ

شبِ جمعرات ڈھائی بجے بسترِ علالت پر

فہرست

شعائرِ اسلام

علمائے کرام کا قتلِ عام

دِینی مدارس

شعائرِ اسلام

ریش تراشی اور قبولیتِ حج!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

حکومتِ پاکستان کی طرف سے جاری کردہ یہ اعلان پڑھ کر ازحد خوشی ہوئی کہ حکومت نے ...بسلسلہ پروگرام حج برائے ۱۴۰۴ھ - ۱۹۸۴ء...عوام اور اہلِ فہم حضرات سے تجاویز طلب کی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ حکومت کی وسعتِ ظرفی ہے اور اس سے اُمید کی جانی چاہئے کہ حکومت اس سلسلے کی آنے والی ہر تجویز پر ٹھنڈے دِل سے غور وفکر کے بعد اس سے اچھے نتائج اخذ کرنے کی کوشش کرے گی۔ اور یہی وہ داعیہ ہے جس کی بناء پر ہم بھی اپنی چند تجاویز پیش کرنا چاہتے ہیں۔ اُمید ہے کہ نبی رحمۃ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس پر بھی ضرور عمل درآمد کرایا جائے گا۔

''حج'' ایک مقدس فریضہ ہے، جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائیں اس کے لئے اس سے بڑھ کر اور کیا سعادت ہوسکتی ہے؟ مگر آج کل دِین سے غفلت اور بے اعتنائی کے باعث عموماً اُمورِ دِینیہ کو طاقِ نسیان کے حوالے کردیا جاتا ہے، اور اگر کسی کو اس کی توفیق بھی ہوتی ہے تو محض لااُبالی پن اور لاپروائی سے ہر ایک نیکی اور عبادت کو رواجاً کیا جاتا ہے، اور اس کی رُوح حاصل کرنے کی قطعی کوشش نہیں کی جاتی۔ بلکہ ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کے مصداق ایک نیکی کرنے پر دوچار گناہوں کا ارتکاب کرکے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بجائے اس کے غضب کے مستحق بن جاتے ہیں۔

حج کا مقصد یہ ہے کہ انسان بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوکر دیوانہ وار اپنے سابقہ گناہوں کی مغفرت چاہے اور آئندہ کے لئے وعدہ کرے کہ میں تیری نافرمانی نہ کروں گا مگر افسوس! کہ حاجی حیران وسرگرداں اور کفن بر دوش ننگے سر بیت اللہ کے چکر کاٹتے ہوئے زبان سے تو یہی کہے جارہا ہوتا ہے کہ: ''اے اللہ! میری توبہ! میں آئندہ تیری نافرمانی نہ کروں گا۔'' لیکن عمل سے وہ اپنے اس قول کی تکذیب کرتا ہے اور اپنی شکل تک کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بالکل خلاف بنائے پھرتا ہے۔ کیا ایسی صورت میں اس کے اس زبانی دعوے کی حیثیت کسی ڈرامے اور ڈھونگ سے بڑھ کر کچھ ہوسکتی ہے؟ کیا یہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اس ڈرامائی انداز سے اس کے جملہ گناہوں کو معاف فرمادیں؟ یا اس پر اُلٹا غضبناک ہوجائیں؟ پھر جب یہاں سے چل کر مدینہ منوّرہ کی حاضری ہوتی ہے تو وہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام تو محبت سے پڑھے جاتے ہیں مگر عمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہوتا ہے۔ آپ ہی بتلایئے! جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس حاجی کے صلوٰۃ وسلام پیش کئے جائیں گے ...جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں کی شکل بنارکھی ہو...اُسے کس قدر قبولیت سے نوازا جائے گا...؟

سب سے تکلیف دہ اَمر یہ ہے کہ جب کسی حاجی سے اس سلسلے کی بات کی جائے کہ خیر سے آپ حج پر جارہے ہیں، اب تو آپ کو چہرے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (داڑھی) چھوڑ دینی چاہئے اور اس گناہ سے توبہ کرلینی چاہئے، تو اس پر اکثر حضرات بے تکلفی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ: ''داڑھی کی کوئی خاص اہمیت نہیں، اگر اس کی کوئی اہمیت ہوتی تو سعودی عرب کے لوگ اُسے کیونکر منڈاتے یا کتراتے؟'' نعوذ باللہ! ثم نعوذ باللہ!

جبکہ شریعتِ اسلامیہ میں داڑھی کی بہت بڑی اہمیت ہے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہؓ، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ، محدثینؒ اور فقہائے کرامؒ کی تصریحات موجود ہیں

کہ داڑھی منڈانا یا ایک مشت سے کم کرانا ناجائز اور حرام ہے، داڑھی کترانے والا جب تک اس فعل سے توبہ نہ کرلے، بے شک فاسق و فاجر ہے۔ نیز جو شخص ایک مشت سے داڑھی کم کراتا ہو اس کے پیچھے نماز مکروہِ تحریمی ہے، داڑھی ایک مشت رکھنے پر چاروں مذاہب کا اتفاق ہے۔ شامی، عالمگیری اور فقہ کی دُوسری کتابوں میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ نیز تواریخ میں ہے کہ جب کسریٰ شاہِ ایران نے حضور علیہ السلام کا مکتوب مبارک پھاڑ کر اپنے ماتحت گورنرِ یمن ''بازان'' کو لکھا کہ دو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجو، وہ جاکر آپؐ کو میرے پاس بھیج دیں۔ ''بازان'' کے جب دو آدمی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور ان دونوں کی داڑھیاں مونڈی ہوئی اور مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں ...گویا ان دونوں کی داڑھیاں فیشن کے مطابق صاف اور بڑی بڑی مونچھیں تھیں...تو حضور علیہ السلام کو ان کی یہ مکروہ شکل اس قدر ناپسند آئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم پر ہلاکت ہو! تم کو کس نے ایسی مکروہ شکل بنانے کا حکم دیا ہے؟'' انہوں نے کہا: ہمارے رَبّ کسریٰ نے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''لیکن میرے رَبّ نے تو مجھے داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹوانے کا حکم دیا ہے۔''

(تاریخ الخمیس ج:۶ ص:۱۵، طبری ج:۳ ص:۱۹، ابنِ کثیر ج:۴ ص:۲۷۰، سیرۃ حلبی ج:۲ ص:۲۴۷ مطبوعہ مصر)

غور کیجئے! وہ دونوں مہمان تھے، کافر تھے، ہمارے مذہب کے پابند ہی نہ تھے، مگر چونکہ ان کی یہ شکل فطرتِ سلیمہ کے خلاف تھی اور شیطانِ لعین کے حکم کے مطابق تھی، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ مکروہ اور بُری شکل دیکھنا گوارا نہ ہوسکی، اُن سے منہ موڑ لیا اور ان کو بددُعائیہ جملہ فرمایا کہ: ''تم پر ہلاکت ہو!'' ساتھ ہی یہ بھی تصریح فرمادی کہ میرے رَبّ نے تو مجھے پوری داڑھی رکھنے اور مونچھیں کٹانے کا حکم فرمایا ہے، گویا جو داڑھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور جس کا اس نے حکم دیا ہے، اس کی مقدار وہ ہے جو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھ کر بتلائی کہ سینۂ

مبارک بھر دیتی تھی۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبّ اُمتیوں کو غور کرنا چاہئے کہ جو لوگ ان مجوسیوں کی اتباع کرکے روزانہ داڑھیاں منڈاتے ہیں یا پھر اِحرام کھولتے ہی داڑھی منڈانا شروع کردیتے ہیں اور ان کے یہ اعمال روزانہ فرشتوں کے ذریعے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، حضور علیہ السلام کو ان کی اس قبیح حرکت سے کتنا دُکھ ہوتا ہوگا؟ اگر خدانخواستہ میدانِ قیامت میں حضور علیہ السلام کے اُمتی ایسی مکروہ شکل وصورت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش ہوں اور اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے منہ موڑ لیں تو ان کے لئے کس قدر ہلاکت، شرمندگی اور خسارے کی بات ہوگی...؟

یہ بہت ہی افسوسناک بات ہے کہ حجاجِ کرام کی اکثریت داڑھی منڈانے یا کترانے کے کبیرہ گناہ میں مبتلا رہتی ہے، جبکہ علماء نے تصریح فرمائی ہے کہ جو شخص حج کے دوران بھی کبیرہ گناہوں سے توبہ نہ کرے، اس کا حج مبرور (مقبول) نہیں۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے کہ سرکاری طور پر مندرجہ ذیل اقدامات کئے جائیں:

۱:... عازمینِ حج کو دیگر اَحکام کی تعلیم کے ساتھ ساتھ داڑھی کی اہمیت یاد دِلائی جائے اور بتلایا جائے کہ داڑھی منڈانا یا کترانا گناہِ کبیرہ ہے۔

۲:... اس مسئلے پر کتابچے چھپ چکے ہیں، عازمینِ حج میں ان کی تقسیم کا اہتمام کیا جائے۔

۳:... اس اَمر کا اعلان کیا جائے کہ داڑھی والوں کی درخواستوں کو داڑھی منڈوں اور داڑھی کتروں کی درخواستوں پر ترجیح دی جائے گی۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۲ ش:۳۳، ۲۲ تا ۲۸ربیع الثانی ۱۴۰۴ھ)

مغرب پرست خواتین کا افسوسناک رویہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''ویمن ایکشن فورم کی سربراہی میں دُوسری خواتین تنظیموں کی ممبر خواتین نے قصاص و دیت کے مجوّزہ قانون، نیز قانونِ شہادت آرڈی نینس کی منظوری کے خلاف آج شام ایک خاموش جلوس نکالا۔ جلوس سے قبل ۳۰ کے قریب ان خواتین نے وائی ایم سی اے کے اندر اپنا ایک اجتماع منعقد کیا جس میں قصاص و دیت کے مجوّزہ قانون کے خلاف تقاریر کی گئیں۔ بعد میں یہ خواتین پلے کارڈز اور مختلف بینرز کے ساتھ عبداللہ ہارون روڈ سے ہوتی ہوئی گورنر ہاؤس گئیں، اور وہاں کچھ دیر تک مظاہرہ کرتی رہیں اور ٹریفک کو بند کردیا۔ متعلقہ ڈی ایس پی اور ایس ڈی ایم کی طرف سے درخواست کے بعد ان خواتین نے ٹریفک گزرنے کی اجازت دے دی۔ بعد میں یہ خواتین پُرامن طور پر منتشر ہوکر وائی ایم سی اے کے اندر آگئیں اور ایک قرارداد کے ذریعے قصاص و دیت کے مجوّزہ قانون، نیز قانونِ شہادت کی منظوری کی مذمت کی گئی۔ جلوس میں ممتاز سندھی خاتون رہنما

حمیدہ کھوڑو کے علاوہ رشید پٹیل، کئی خاتون صحافیوں اور دُوسری خواتین نے شرکت کی، ان خواتین نے آئندہ پیر کے دن اپوا کے صدر دفاتر میں ایک احتجاجی جلسے کے انعقاد کا اعلان کیا ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۹/اگست ۱۹۸۴ء)

پاکستان ... جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ... جس کے وجود میں آئے ۳۷ سال کا طویل ترین عرصہ ہوچکا ہے، مگر ابھی تک اس میں نفاذِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکا۔ بدقسمتی سے جب کبھی اس سلسلے کی کوشش کی گئی تو ہمیشہ مغرب پرست اور نام نہاد مسلمانوں کا ایک گروہ اپنے مفادات کی خاطر اس کی راہ میں آڑے آگیا۔ صدر جنرل محمد ضیاء الحق ایک عرصے سے ملک میں نفاذِ اسلام کے لئے کوشاں ہیں، مگر نفاذِ اسلام کا مسئلہ اسلام دُشمن عناصر کی سرگرمیوں کی بھینٹ چڑھا ہوا ہے۔ جس کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے کہ نظامِ عدل کے قیام کے خلاف ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۴ء تک کے مختصر عرصے میں دو بار خواتین کے مظاہرے ہوچکے ہیں، گویا نظامِ عدل کے بنیادی ارکان ... قانونِ شہادت اور قصاص و دیت ... کا معاملہ دُوسری بار اس لئے کھٹائی میں پڑ رہا ہے کہ رُسوائے زمانہ چند خواتین ''حقوقِ نسواں'' کے عنوان سے اسلامی آئین کی مخالفت میں صدر صاحب بلکہ خدا و رسول سے برسرپیکار ہیں۔ ان پاکستانی خواتین کی طرف سے قرآن وسنت کی کھلی مخالفت اور منصوص اَحکام کے چیلنج جیسے حیاء سوز کردار سے اسلامیانِ پاکستان اور مسلمانوں کی گردنیں مارے شرم کے جھک چکی ہیں، مگر نام نہاد خواتین اپنے اس فعل پر نادم ہونے کے بجائے پیش، پیش ہیں، بلکہ اس کے خلاف میوزیکل فاؤنٹینس چورنگی پر سراپا احتجاج اور گورنر ہاؤس کا گھیراؤ کرکے اپنی قوّت کا مظاہرہ کرتی نظر آتی ہیں۔ پھر یہ ان کا پہلا کارنامہ نہیں بلکہ اس سے قبل ۲۷/جولائی ۱۹۸۴ء کو بھی ان ہی کی نمائندہ ... مجلسِ شوریٰ کی خواتین ارکان ... نے مجلسِ شوریٰ سے اس وقت واک آؤٹ کیا تھا جب مجلسِ شوریٰ نے قانونِ

دیت و قصاص کی منظوری دے دی تھی۔ ہمیں ان بے دین، رُسوائے زمانہ اور مٹھی بھر حیاباختہ خواتین کے مظاہرے پر کوئی تعجب نہیں، بلکہ اس اَمر پر تشویش ہے کہ ایک طرف تو حکومت اسلامی آئین کے نفاذ کی دعویدار ہے، مگر دُوسری طرف اسلامی آئین ...جو ایک کامل ومکمل دستور اور ضابطۂ حیات ہے... کے نفاذ کی منظوری کے سلسلے میں ایسے افراد کو شامل کیا جاتا ہے جو نہ صرف یہ کہ اس سے کماحقہ واقف نہیں، بلکہ قلبی اور ذہنی طور پر اس سے متفق بھی نہیں۔ لہٰذا جو لوگ خود اسلام کے مطابق زندگی نہیں گزارنا چاہتے، ان سے نفاذِ اسلام کی کوششوں میں پیش رفت کی توقع رکھنا یا ان کو اس کمیٹی کی رکنیت دینا حماقت نہیں...؟

ہمیں بجا طور پر اس کا اعتراف ہے کہ جنابِ صدر جنرل محمد ضیاء الحق نفاذِ اسلام کے سلسلے میں مخلص ہیں، مگر موجودہ صورتِ حال سے نہ صرف یہ کہ نفاذِ اسلام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ طرزِ عمل اسلامیانِ پاکستان اور آئینِ اسلام کی بدنامی کا باعث ہے۔ پھر اگر کوئی مسئلہ ایسا ہوتا کہ جس میں اختلافِ رائے کی گنجائش ہوتی اور اختلاف کیا جاتا تو کسی حد تک بات معقول تھی، مگر یہاں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واضح فیصلے اور قرآنی نصوص کہ: ''مرد کے مقابلے میں عورت کی حیثیت نصف ہے'' سے بغاوت کا علم بلند کیا جارہا ہے، نیز ایک مسلمان کے لئے تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کافی ہونا چاہئے کہ:

> ''کسی مسلمان مرد اور عورت کو اس بات کا حق نہیں
> کہ جب ان کے بارے میں اللہ اور رسول کا کوئی فیصلہ آجائے
> تو وہ اس میں پس و پیش کریں۔ پس جو کوئی اللہ اور اس کے
> رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی گمراہی
> میں ہے۔''

یعنی اس فیصلے کے بعد بظاہر ایک مسلمان کو کتنی ہی تکالیف کا سامنا کیوں نہ

ہو، اسے اس کے خلاف لب کشائی نہیں کرنی چاہئے۔

لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ مجلسِ شوریٰ سے ایسی خواتین ارکان کو نہ صرف نکال باہر کیا جائے بلکہ انہیں اسلامی آئین سے بغاوت اور شعائرِ اسلام کی توہین کی پاداش میں ایسی کڑی اور سخت سزا دی جائے کہ آئندہ کسی کو اس قسم کی جرأت نہ ہوسکے۔ نہ یہ کہ اس کے برعکس ان کے مطالبات پر غور کرنے کی صورت میں نفاذِ اسلام کا مسئلہ مزید تعطل کا شکار ہوجائے۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۱۲، ۴ تا ۱۰رذوالحجہ ۱۴۰۴ھ)

نفاذِ اسلام میں تساہل کے نقصانات!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

''صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے قانونِ شہادت ۱۹۸۴ء کے نام سے ایک حکم جاری کیا ہے، تاکہ پاکستان میں قرآن وسنت کے مطابق قانونِ شہادت نافذ کیا جائے۔ یہ حکم کابینہ کی منظوری کے بعد اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلسِ شوریٰ کی سفارشات، صوبائی حکومتوں کے تبصروں اور وفاقی شرعی عدالت کے چیف جسٹس اور دو عالم ججوں پر مشتمل کمیٹی کے خیالات پاکستان کے قانونی کمیشن کی رپورٹوں کے بعد جاری کیا گیا۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۹؍اکتوبر۱۹۸۴ء)

قانونِ شہادت کی نظامِ عدل میں وہی حیثیت ہے جو انسانی جسم میں ریڑھ کی ہڈی کی، کیونکہ اسی کی بناء پر دیوانی اور فوجداری مقدمات کا فیصلہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر کسی نظامِ عدل کا قانونِ شہادت کمزور ہو تو انصاف کے تقاضے یا تو سرے سے پورے نہیں ہوتے یا اس میں اس قدر پیچیدگی پیدا ہوجاتی ہے کہ فریقین کا کچومر نکل جاتا ہے، اور حصولِ انصاف کے لئے اس قدر بھاری اخراجات اُٹھانے پڑتے ہیں جن کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس بات کا تجزیہ کرنا کہ صدارتی حکم کے ذریعہ نافذ ہونے

والا قانونِ شہادت کہاں تک کامل ومکمل اور فقہِ اسلامی کا آئینہ دار ہے؟ ہمارا موضوع نہیں۔ البتہ سرِدست ہم اس کا جائزہ لینا چاہیں گے کہ اسلامی قانون ہی ایک ایسا قانون ہے جس کو بحیثیت دین و مذہب بارگاہِ الٰہی سے نہ صرف پسندیدگی کا شرف حاصل ہے بلکہ قیامت تک کے انسانوں کی فلاح کو اسی سے وابستہ رکھا گیا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جو معاشی، معاشرتی اور عصری تمام تقاضوں کو اَحسن طریق پر پورا کرتا ہے۔ نیز اس کا بھی جائزہ لیا جائے گا کہ نفاذِ اسلام میں تأخیر یا سستی کے عمل سے قوم و ملک اور خود اسلام پر کیا اثرات مرتب ہوسکتے ہیں؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے آخری رسول ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ نبوّت ختم کردیا گیا، جیسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت ہمہ گیر ہے، ویسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا لایا ہوا دِین بھی تمام اَدیانِ سماویہ سے کامل ومکمل ہے، جو زندگی کے تمام پہلوؤں اور ہر ہر مسئلے کا حل پیش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے رہتی دُنیا تک کے تمام انسانوں کی صلاح و فلاح کے لئے منتخب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَام۔'' (آل عمران:۱۹)

ترجمہ:... ''بے شک دِین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس سے کہیں زیادہ وضاحت سے مزید ارشاد ہوتا ہے:

''اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔'' (المائدۃ:۳)

ترجمہ:... ''آج میں پورا کرچکا تمہارے لئے دِین تمہارا اور پورا کیا تم پر میں نے احسان اپنا اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دِین۔'' (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دِین کو ''رَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا'' سے تعبیر فرمانے کی غرض اور حکمت پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ یہ ایسا دِین ہے جو زندگی کے تمام تقاضوں کو اَحسن طور پر پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، چاہے وہ عبادات و معاملات کے قبیل سے ہوں یا معاشی و معاشرتی شعبے سے متعلق ہوں، غرض ان کا تعلق مقنّنہ سے ہو یا عدلیہ سے، اسلام میں اس کا حل موجود ہے، کیونکہ اسلام ایک ایسا دِین ہے جو فرد سے لے کر قوم و ملک اور معاشرہ تک کے لئے یکساں طور پر واضح اور راہ نما اُصول متعین کرتا ہے۔

گویا کوئی قوم، ملک اور معاشرہ اس وقت تک صحیح معنی میں چین وسکون کی زندگی نہیں بسر کرسکتا جب تک کہ اسلامی نظامِ زندگی کو اپنے ماحول اور دائرۂ کار میں رائج نہ کرلے۔ یہی وہ فکر ہے جس کی خاطر مسلمانانِ ہند نے حصولِ پاکستان کے لئے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کئے تھے، لیکن افسوس کہ پاکستان بن جانے کے بعد اربابِ اقتدار کی آنکھیں ''جلوۂ دانشِ فرنگ'' سے ایسی خیرہ ہوئیں کہ انہوں نے نفاذِ اسلام کو فرسودگی اور رجعت پسندی کا نام دے کر طاقِ نسیان کے حوالے کردیا۔ خدا خدا کرکے وہ صبر آزما دور ختم ہوا اور ۱۲؍ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ کی صبح جنرل محمد ضیاء الحق کے اسلامی حدود کے اعلان سے نفاذِ اسلام کی کشتی ساحلِ مراد پر آتے دِکھائی دینے لگی تھی، مگر اے کاش! کہ اتنا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی عملی طور پر اس میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوسکی، بلکہ اُسے مزید پیچیدگیوں میں اُلجھادیا گیا۔ اس سے بھی زیادہ تشویشناک امر یہ ہے کہ اس سست روی سے جہاں مسلمانوں میں بے چینی پھیل رہی ہے، وہاں اسلام دُشمن عناصر کے ایک ٹولہ کو قرآن و سنت کے منصوص قوانین میں ترمیم و تنسیخ کا موقع فراہم کیا جارہا ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ان نامسعود مساعی کے لئے یوں کہہ سکیں گے کہ اگر اس میں واقعی ترمیم و تنسیخ کی کوئی گنجائش نہ تھی تو اس کو اوّلِ وہلہ میں نافذ کرنے کے بجائے عصری تقاضوں سے ہم آہنگ کرنے کے علاوہ

کابینہ کی منظوری، اسلامی نظریاتی کونسل اور مجلسِ شوریٰ کی سفارشات، صوبائی حکومتوں کے تبصروں، وفاقی شرعی عدالت کے ججوں کے خیالات اور قانونی کمیشن کی رپورٹوں کی کیا ضرورت تھی؟ اسی لئے ہم جنابِ صدر سے گزارش کریں گے کہ جب اسلامی قانون اپنی جگہ ایک کامل و مکمل دستورِ حیات ہے، اسے ''تبصروں، رپورٹوں'' کے رحم و کرم پر چھوڑنے کے بجائے یکبارگی نافذ کردیا جائے۔ ہمارے خیال میں اگر جنابِ صدر اقتدار سنبھالتے ہی نفاذِ اسلام کا اعلان کردیتے تو جہاں معاندین اپنے ناپاک عزائم میں ناکام ہوجاتے، وہاں اس بحث و مباحثہ اور رَدّ و کد کی ضرورت بھی پیش نہ آتی، اور نہ ہی مسلمانوں کے دِلوں میں حکومت کے خلاف، اسلام کی شکل وصورت مسخ کرنے کے خدشات پیدا ہوتے۔

آخر میں ہم پھر یہی گزارش کریں گے کہ انتخابات کے انعقاد سے پہلے پہلے نفاذِ اسلام کا اعلان کردیا جائے تو یقیناً تلافیٔ مافات ہوجائے گی۔

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۳ ش:۲۱، ۱۳ تا ۱۹؍صفر ۱۴۰۵ھ)

بت شکن طالبان
کی
ملّی جرأت کو سلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

''کابل (نیوز ایجنسیاں) عالمی برادری کے احتجاج کے باوجود بڑھا کے ۲ مجسّمے اَسّی سے نوّے فیصد تباہ کردیئے گئے ہیں، اور یہ کام مکمل ہونے کے قریب ہے۔ طالبان کے ترجمان نے اے ایف پی کو بتایا کہ پاکستان کے وزیر داخلہ معین الدین حیدر بھی مجسّموں کی مسماری رُکوانے میں ناکام ہوگئے ہیں، مُلاَّ عمر سے ہونے والی ملاقات میں انہیں جواب دے دیا گیا کہ یہ ہمارا اندرونی مذہبی مسئلہ ہے، جس میں تأخیر برداشت نہیں کرسکتے۔ بی بی سی کے مطابق پاکستان نے وفد قندھار بھیجنے میں تأخیر کی، افغان وزیر خارجہ وکیل احمد متوکل اسلام آباد میں اقوامِ متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان سے ملاقات میں مجسّموں کے مسئلے پر طالبان کے موقف کا دفاع کریں گے۔ بھارتی میگزین ''آوٹ لک'' کو انٹرویو دیتے ہوئے متوکل نے مجسّموں کی تباہی اور بابری مسجد کی شہادت کے موازنے کو مسترد کرتے ہوئے کہا

کہ انہوں نے ایسا کچھ نہیں کیا جیسے ہندو انتہاپسند بابری مسجد کی جگہ مندر بنانے کی تیاری کر رہے ہیں، انہوں نے کہا کہ ہم نے کسی چرچ، مقبرے یا گوردوارے کو تباہ نہیں کیا، افغانستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو مذہبی آزادی حاصل ہے، طالبان حکومت کے سربراہ مُلاَّ عمر نے پاکستان کے دس رُکنی عوامی وفد سے ملاقات میں کہا کہ فتحِ مکہ پر خانۂ کعبہ میں موجود بت توڑے گئے، ہم بتوں کو توڑ کر اسلامی تاریخ زندہ کر رہے ہیں، دُنیا کی کوئی طاقت ہمیں اسلامی اَحکامات پر عمل سے نہیں روک سکتی ......''

(روزنامہ ''خبریں'' کراچی ۱۱/مارچ ۲۰۰۱ء)

مسلمان کو بت فروش نہیں، بت شکن ہونا چاہئے، اسے بت شکنی میراثِ نبوّت میں ملی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمتِ مسلمہ کو اسی کی تعلیم دی ہے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دِینی و مذہبی اقدار کے فروغ و احیاء کو مسلمانوں کا اثاثہ اور تاریخی ورثہ قرار دیا ہے، نہ کہ بتوں کی حفاظت و صیانت کو، اسلام بغیر کسی مداہنت کے: ''جَـآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ'' کا درس دیتا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر کسی وقتی مصلحت کے بیت اللہ میں موجود ۳۶۰ بتوں کو خود بنفسِ نفیس پیوندِ خاک کرکے بیت اللہ کو آثارِ جاہلیت سے پاک کیا، اور اُمت کو اس کی تعلیم دی کہ اگر کبھی کوئی ایسا موقع آئے تو بتوں کی حفاظت کی بجائے انہیں توڑنا ہی میری سنت اور اسلامی طرزِ عمل ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس واضح طرزِ عمل اور دوٹوک فیصلے کے بعد، طالبان کے اس خالص اسلامی اقدام پر کم از کم کسی مسلمان کو کوئی اعتراض و اِشکال نہیں ہونا چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ممالک کے تمام علماء نے بیک آواز طالبان کے اس جرأت مندانہ اقدام کو سراہا اور اسے خالص شرعی اقدام قرار دیا ہے، مگر ناس ہو وقتی

مصلحت کے شکار نام نہاد مسلمان لیڈروں اور حکمرانوں کی بزدلی کا کہ اس موقع پر وہ مسلمانوں کے بجائے دُنیائے کفر کے مفادات اور ان کی ثقافت کی پاسبانی کے لئے ان کے وکیلِ صفائی کا کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں۔ دُنیائے کفر کی جانب سے طالبان کے اس خالص دِینی اقدام کی مخالفت پر ہمیں کوئی تعجب تھا اور نہ ہے، اگر افسوس ہے تو ان مسلمان لیڈروں کے بیانات پر، جو اپنے بیرونی آقاؤں کی آواز میں آواز ملا کر طالبان کو ان آثارِ کفر کو نہ مٹانے اور انہیں برقرار رکھنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں، حد تو یہ ہے کہ ہمارے قومی راہ نما اخباری بیانات، ذرائع ابلاغ پر اکتفاء کرنے کے بجائے اس سلسلے میں طالبان کے پاس باقاعدہ وفود بھیج کر اپنے آپ کو اُمتِ مسلمہ کے بجائے ملتِ کفر کا ہم نوا باور کرانے کی مذموم کوشش کر رہے ہیں۔

بہرحال طالبان کا یہ اقدام قابلِ تحسین ہے، کہ انہوں نے اس نازک موڑ پر جرأت و ہمت کا مظاہرہ کرکے صحیح معنی میں اپنے آپ کو فاتح سومنات محمود غزنویؒ کا جانشین اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیروکار اور سچا، پکا مسلمان ثابت کیا ہے، ہم طالبان کی اس جرأت و ہمت اور ملّی غیرت کو سلامِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور دُعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کا حامی و ناصر ہو۔

یہ بات مسلمان زعماء کے لئے کسی لمحہ فکریہ سے کم نہیں کہ آج سے چند سال قبل جب ہندوؤں نے مسلمانوں کی تعمیر کردہ قدیم ترین بابری مسجد کو شہید کیا تو ہندوؤں کے اس غیراخلاقی اقدام پر کسی رُوس، امریکہ یا اقوامِ متحدہ نے کوئی آواز اُٹھائی تھی؟ اسی طرح افغان عوام کے خلاف محض اسلامی نظام کے نفاذ کے ''جرم'' کی پاداش میں اقتصادی پابندیوں کے موقع پر کسی کے کان پر جوں رینگی تھی؟ اور اس سے قبل لیبیا اور عراق کے مسلمانوں کے خلاف معاشی بائیکاٹ پر کسی کی پیشانی پر کوئی شکن آئی تھی...؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو ہمیں بھی کم از کم ان کی ہم نوائی سے باز رہنا چاہئے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی محرم ۱۴۲۲ھ مطابق اپریل ۲۰۰۱ء)

غضبِ الٰہی کو دعوت نہ دیجئے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

مسلمان ہمیشہ سے مساجد کے محافظ و معمار رہے ہیں، ان کے دِلوں میں مساجد کی وہی عظمت ہے جو مخلوق کے دِلوں میں خالق کے گھر کی ہونی چاہئے۔ بلاشبہ مسلمان مسجدوں کو عزّت و عظمت اور تقدس کا وہی مقام دیتے ہیں جو مسجدِ حرام، مسجدِ نبوی اور مسجدِ اقصیٰ کو حاصل ہے، اس لئے مسلمانوں کا یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ وہ اپنی جان، مال، آل اولاد اور عزّت و ناموس سے زیادہ مساجد و مدارس اور شعائرِ اسلام کی تعمیر و ترقی اور تحفظ کی طرف توجہ دیتے رہے ہیں۔ چنانچہ فلسطین کا قضیہ کس سے اوجھل ہے کہ وہاں ایک عرصے سے مسلمان صرف اس لئے اپنی جانیں نچھاور کر رہے ہیں کہ مسجدِ اقصیٰ ....بیت المقدس...کو یہودیوں کے ناپاک تسلط و قبضے سے واگزار کرایا جائے۔

اسی طرح ابھی چند سال پہلے کا قصہ ہے کہ ہندوستان کے متعصب ہندوؤں نے اجودھیا کی قدیم ترین بابری مسجد کو رام جنم بھومی قرار دے کر اسے ڈھانے کا ناپاک قدم اُٹھایا تو پوری اُمتِ مسلمہ سراپا احتجاج بن گئی اور ہندوستان کے سینکڑوں مسلمان اس مسجد کے تقدس و تحفظ کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے واصل بحق ہوگئے۔

مگر افسوس کہ اب پاکستان کے نام نہاد مسلمان اور اسلام کے دعوے دار، شہری ترقی، سڑکوں اور پارکوں کے نام پر اللہ کے گھروں کی تخریب و بربادی کا علم لے

کر میدان میں کود پڑے ہیں۔

مسجد خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، پاکستان کی ہو یا ہندوستان کی، فلسطین کی ہو یا چین کی، اس کو عزّت وعظمت اور تقدس کا وہی مقام حاصل ہے جو مکہ مکرّمہ یا مدینہ منوّرہ کی کسی مسجد کو حاصل ہے، جس طرح ان مقاماتِ مقدسہ کی تخریب و بربادی ناجائز اور حرام ہے، ٹھیک اسی طرح دُنیا بھر میں قائم مساجد کی توہین وتخریب بھی ناجائز وحرام ہے۔

مگر اے کاش! کہ اب قدریں تبدیل ہو رہی ہیں اور توہین وتکریم کے پیمانے بدل رہے ہیں، کہ کل تک جو لوگ قبلۂ اوّل بیت المقدس پر یہودی تسلط اور ہندوستان میں بابری مسجد کے انہدام کے خلاف احتجاج کر رہے تھے، آج وہی پاکستان میں، چالیس پچاس سال سے قائم ۵۶ مساجد کو محض دُنیاوی مقاصد کے لئے ڈھانے اور مسمار کرنے پر کمر بستہ نظر آتے ہیں۔

کیا کوئی ان بزرجمہروں سے پوچھ سکتا ہے کہ: اگر بابری مسجد اور بیت المقدس کو ڈھانے والے مجرم ہیں تو پاکستان کی ان بیسیوں مساجد کو ڈھانے والے کیونکر مجرم نہیں؟ اسی طرح اگر ان مساجد کو ویران کرنے والے غضبِ الٰہی کے مستحق ہیں تو قلعۂ اسلام کی ۵۶ مساجد کو تاراج کرنے والے کیسے رحمتِ الٰہی کے مستحق قرار پائیں گے؟ حیرت وتعجب ہے ان لوگوں کی فکر وسوچ پر، کہ اگر خدانخواستہ کوئی ہندو اور یہودی اسلامی شعائر کی توہین وتنقیص کا مرتکب ہو تو وہ قابلِ نفرت ہے، اور چشم بدُور اگر وہی ناپاک حرکت کوئی نام نہاد محافظِ اسلام سرانجام دے تو اسے سندِ جواز مل جائے؟ یہ کون سا دِین و مذہب اور کہاں کی شریعت ہے...؟

اس اجمال کی تفصیل اور تمہید کا مدعا یہ ہے کہ موجودہ حکومت نے کراچی کی تعمیر وترقی کی خاطر جہاں دُوسرے منصوبوں کا پروگرام بنایا ہے وہاں دو منصوبوں پر بطور خاص توجہ دی جارہی ہے، ان میں سے ایک ہے لیاری ایکسپریس وے، اور دُوسرا

ہے پُرانی سبزی منڈی کی جگہ پارک کی تعمیر کا معاملہ۔

ہمارے خیال میں کوئی مسلمان، شہری ترقی، سڑکوں کی تعمیر و مرمت اور پارکوں وغیرہ کی تزئین و آرائش سے اختلاف نہیں کرے گا، لیکن اگر کوئی حکومت شہریوں سے یہ مطالبہ کرے کہ: ’’رہائشی علاقے خالی کردیئے جائیں تاکہ ان کو ڈھاکر وہاں ان کے لئے پارک تعمیر کئے جائیں‘‘، ہمارے خیال میں جس طرح کوئی شہری، حکومت کی اس احمقانہ تجویز سے اتفاق نہیں کرے گا، ٹھیک اسی طرح مسلمانوں کے لئے حکومت کی یہ تجویز بھی ناقابلِ برداشت ہے کہ مساجد کو ڈھاکر ان کی جگہ سڑکیں اور پارک تعمیر کئے جائیں۔

لیکن افسوس کہ ہماری شہری حکومت اس فکر وسوچ کے تحت لیاری ایکسپریس وے کے لئے مکانات کی منتقلی کے علاوہ اللہ کے گھروں کو مسمار کرکے ان کی جگہ سڑکوں کی تعمیر کے ’’نیک کام‘‘ کی خواہاں ہے، اسی طرح پُرانی سبزی منڈی کی جگہ پارک تعمیر کرنے کے خوشنما عنوان سے وہاں قائم پچاس سالہ دو مساجد کو منہدم کرنے پر تلی ہوئی ہے۔

جہاں تک مسجدوں کی عظمت وحیثیت کا تعلق ہے، شرعی اعتبار سے جہاں ایک بار مسجد بن جائے وہ جگہ ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، اور تحت الثریٰ سے ثریا تک وہ جگہ مسجد کا حکم رکھتی ہے، اس کا کوئی حصہ کسی دُوسرے مقصد کے لئے استعمال کرنا ناجائز اور حرام ہوجاتا ہے، اس سلسلے کی بے شمار تصریحات فقہ وفتاویٰ کی کتابوں میں موجود ہیں اور علمائے اُمت نے ہمیشہ اس سلسلے میں اُمت کی راہ نمائی فرمائی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد نئی بستیاں اور شہر آباد ہوئے تو لوگوں نے اپنی دِینی ضرورت کے تحت بے شمار مسجدیں قائم کیں اور مدارس بنائے، نیک دِل حکمرانوں نے ان کے قیام کی اجازت دی، ٹرسٹ بنائے گئے اور انہیں سوسائٹیوں میں رجسٹرڈ کیا گیا، مگر انگریز کی معنوی اولاد اور ابرہہ کے جانشینوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو ان مقدس

رُوحانی مراکز کے سلسلے میں ذہنی کرب و اذیت میں مبتلا رکھا، اور وقتاً فوقتاً ان مساجد کے خلاف معاندانہ خیالات کا اظہار کیا، کبھی کہا گیا کہ سرکاری زمینوں میں بلااجازت بنائی گئی مسجد، شرعاً مسجد نہیں، کبھی کہا گیا کہ ضرورت کے تحت حکومت مسجد کو ڈھاسکتی ہے، وغیرہ وغیرہ، لیکن الحمدللہ علمائے اُمت اور علمائے دیوبند نے ہمیشہ بیوروکریسی کے ان ناپاک ہتھکنڈوں کو ناکام بنایا، چنانچہ ۱۳۸۲ھ میں اس سلسلے کا سب سے پہلا فتویٰ علامہ بنوری ٹاؤن سے حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے رقم فرمایا، جس پر وقت کے اکابر اساطینِ اُمت نے تائیدی دستخط ثبت فرمائے اور وہ فتویٰ بعد میں ''بینات'' ذوالحجہ ۱۹۸۳ء کے شمارے میں مساجد کی شرعی حیثیت کے نام سے شائع ہوا۔

اس کے بعد ۱۴۰۳ھ میں اسی طرح کا ایک سرکاری بیان شائع ہوا کہ جو مساجد سرکاری اراضی میں حکومت کی اجازت کے بغیر بنائی گئی ہیں وہ شرعاً مسجد نہیں، اور سرکاری طور پر ان کو مسمار کرنے کا حکم جاری کردیا گیا ہے۔ یہ سرکاری ''فتویٰ'' دراصل اس وقت کے ایک نام نہاد جج کی طرف سے تھا، جو خیر سے منکرِ حدیث بھی تھے، اس کا تعاقب کرتے ہوئے مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ نے ایک زوردار فتویٰ میں اس کی بھرپور تردید کی، جو بعد میں ''بینات'' جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ میں شائع ہوا، اسی فتویٰ کی پاداش میں حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے خلاف توہینِ عدالت کا مقدمہ قائم کیا گیا اور عدالت نے اپنے تئیں ان کو معافی مانگنے پر مجبور کرنا چاہا، مگر انہوں نے واشگاف الفاظ میں عدالت میں یہ اعلان کیا کہ: ''میں علمائے دیوبند کا نمک خوار ہوں، میں نے شرعی مسئلہ لکھا ہے اور اسے حق و سچ سمجھ کر لکھا ہے، مجھے اس پر قطعاً کوئی شرمندگی نہیں، عدالت میرے خلاف جو کاروائی کرنا چاہتی ہے اسے اختیار ہے، میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں۔'' چنانچہ عوامی دباؤ اور مسلمانوں کی بیداری سے مجبور ہوکر حکومت کو ذِلت و رُسوائی کا سامنا کرتے ہوئے اپنا مقدمہ واپس لینا پڑا۔

اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مساجد کے تحفظ و تقدس، ان کی اہمیت وعظمت اور شرعی حیثیت کے بارے میں حضرتِ اقدس مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی قدس سرہٗ نے اپنے ہر دو فتاویٰ میں جس شاندار اور خوبصورت انداز سے اپنے موقف کو مدلل فرمایا تھا، ترتیب وار ان ہر دو فتاویٰ کے مختصر اقتباسات نقل کردیئے جائیں، چنانچہ آپؒ نے قرآن وسنت کے دلائل کے استقصاء کے بعد پوری بحث کو سمیٹتے ہوئے درج ذیل نتائج اخذ فرمائے:

''اس تمہید کے بعد اس مسجد کے متعلق عرض ہے جس کے متعلق سوال کیا جارہا ہے، شرعاً یہ مسجد ہوچکی ہے، اس کو نہ اب توڑا جاسکتا ہے اور نہ دُوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے، دِینی اُمور میں عدالتی قانون کو شرعی قانون کے مقابلے میں کوئی برتری حاصل نہیں ہے، اس کا مسجد ہونا چند وجوہ سے ظاہر ہے:

الف:... جب ڈاک خانہ والوں نے مسجد کے لئے ایک علیحدہ جگہ مقرّر کردی اور نماز پڑھنے کی اجازت دے دی تو یہ مسجد ہوگئی، جیسا کہ بحر الرائق میں ہے:

''اشار باطلاق قوله ويأذن للناس فى الصلاة انه لا يشترط ان يقول اذنت فيه بالصلاة جماعة أبدًا بل الاطلاق كاف. (بحرالرائق ج:۵ ص:۲۶۹) **بنى فى فنائه فى الرستاق دكانًا لأجل الصلاة يصلون فيه بجماعة كل وقت فله حكم المسجد.** (بحرالرائق ج:۵ ص:۲۷۰) **وقد رأينا ببخارى وغيرها فى دور وسكك فى ازقة غير نافذة من غير شك الائمة والعوام فى كونها مساجد فعلٰى هٰذا المساجد التى فى المدارس بجرجانية**

خوارزم مساجد لأنهم لا يمنعون الناس من الصلاة فيها واذا أغلقت يكون فيها جماعة من أهلها. (بحرالرائق ج:۵ ص:۲۶۹) **جعل وسط داره مسجدًا واذن للناس في الدخول والصلاة فيه ان شرط معه الطريق صار مسجدًا في قولهم.** (بحرالرائق ج:۵ ص:۲۷۰)."

ب:... جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے اگر مناسب سمجھیں تو شارعِ عام پر مسجد تعمیر کرسکتے ہیں، بشرطیکہ آمد و رفت میں کوئی خاص رُکاوٹ نہ ہو، اور ایسی صورت میں حکومت کو اجازت دینا بھی ضروری ہے، اہلِ محلّہ اور ڈاک خانہ والوں نے اپنے شرعی حق کو استعمال کیا ہے، لہٰذا ان کا فعل دُرست اور ان کی تعمیر کردہ مسجد، مسجد ہے۔

ج:... ڈاک خانے کے ایک ذمہ دار کا اجازت دے دینا اور نقشہ کا منظور ہوجانا سب اِذن میں داخل ہے۔

د:... دس سال سے حکومت کے سامنے نمازیں پڑھی جارہی ہیں اور ممانعت نہیں کی جارہی ہے۔

ہ:... مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوجانے کے بعد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے غصب کرکے زمین حاصل کرلی اور اس پر مسجد تعمیر کرلی تو غاصب سے کہا جائے گا کہ مالک کو ضمان ادا کردے، البتہ مسجد کو توڑا نہیں جائے گا۔ فتاویٰ حمادیہ میں ہے:

"**فيفرض الكلام فيما لو بنى على الساحة مسجدًا فالله تعالٰى ذم من سعى في خرابها فلا يجوز هدمه.**" (ص:۳۵۲)

علاوہ ازیں یہاں جس مسجد کے متعلق استفتاء کیا جارہا ہے اس پر قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک برابر نمازیں پڑھی جارہی ہیں، یہ مسجد سڑک کے ایک کنارے پر نہایت مناسب جگہ واقع ہے، اور اس سے لوگوں کی آمد و رفت میں مطلق حرج واقع نہیں ہوتا، اب اس کے توڑنے کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ڈاک خانے کی نئی زیرِ تعمیر اسکیم کے مطابق نقشے میں اس کی جائے وقوع مناسب نہیں، اتنی سی بات کے لئے خانۂ خدا کو توڑ کر اللہ کے غضب کو دعوت دینا قطعاً صحیح نہیں۔"

(''بینات'' ذوالحجہ ۱۳۸۳ھ)

اسی طرح آپؒ نے اپنے دُوسرے فتویٰ میں حکومت کے فرائض اور مسلمانوں کی ضروریات کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

''پاکستان بن جانے کے بعد حکومت کے جہاں اور اہم فرائض تھے، وہاں یہ بھی فریضہ تھا کہ آبادی کے تناسب سے جگہ جگہ مساجد تعمیر کرتی، یہ عجیب سی صورتِ حال ہے کہ یہاں کالونیاں اور بستیاں تعمیر کی جاتی ہیں، جن میں ہسپتالوں، اسکولوں، کھیل کے گراؤنڈ اور سینماؤں کے لئے پہلے سے جگہیں مقرّر کرلی جاتی ہیں، لیکن مساجد کے لئے آبادی کے تناسب سے جتنی ضرورت ہے اتنا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود اس اَمر کے کہ آج کل مسلمانوں میں روز بروز دِینی اِنحطاط ہوتا جارہا ہے اس لئے نمازیوں کی تعداد میں برابر کمی ہوتی جارہی ہے، تاہم مساجد کی قلت میں فرق نہیں پڑتا اور نمازی اپنی ضرورت کے لحاظ سے اس بات پر مجبور ہوتے ہیں کہ وہ مناسب جگہ پر مسجد کی تعمیر کریں، لیکن اس صورت میں ہمت

افزائی کرنے کی بجائے طرح طرح کی رُکاوٹیں ڈالی جاتی ہیں۔ یہ عجیب سی صورتِ حال ہے، حکومت اس بارے میں جس قدر جلد نظرِ ثانی کرے بہتر ہے۔

اس تمہید کے بعد ان مساجد کے متعلق حکمِ شرعی تحریر کیا جاتا ہے جن کے متعلق استفسار کیا جارہا ہے۔ مساجد شرعاً مساجد ہیں، ان کو اب نہ منہدم کیا جاسکتا ہے اور نہ دُوسری جگہ منتقل کیا جاسکتا ہے، قیامت تک یہ مساجد ہیں، اخبارات میں جس جج صاحب سے منسوب کرکے اس قسم کی مساجد کا جو فتویٰ شائع کیا گیا ہے، وہ جج عالم نہیں ہیں، مفتی نہیں ہیں، بلکہ غالباً انہیں جج صاحب نے رجم جیسے متفقہ اور تواتر سے ثابت شدہ مسئلے کا انکار کیا تھا، اس انکار کے بعد یہ صاحب تو اس قابل ہی نہیں تھے کہ ان کو اسلامی عدالت کا چیف جج بنایا جاتا، یا یہ کہ ان سے مساجد جیسے نازک مسئلے کے متعلق استفسار کیا جارہا ہے۔

ان مساجد کے مسجدِ شرعی ہونے کے متعلق مندرجہ حقائق قابلِ لحاظ ہیں:

الف:... عام طور پر جب مساجد بنائی جاتی ہیں تو ان کے بارے میں کاغذات متعلقہ محکمہ جات میں داخل کئے جاتے ہیں، اور ان سے اجازت طلب کی جاتی ہے، اگر حکومت کی طرف سے جواب نہیں آتا، تو حکومت کی طرف سے یہ سکوت اِذنِ شرعی کے مرادف ہے، یا بعض مساجد وہ ہیں جن کے حکومت کے محکمہ رجسٹری میں منظور شدہ ٹرسٹ موجود ہیں، یہ ٹرسٹ اِذنِ شرعی ہے ......

ب:... جیسا کہ پہلے لکھا جاچکا ہے کہ عوام کو حق حاصل

ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے لئے اگر مناسب سمجھیں تو شارعِ عام پر مسجد تعمیر کرسکتے ہیں بشرطیکہ آمد و رفت میں کوئی رُکاوٹ نہ ہو، ایسی صورت میں حکومت کو بھی اجازت دینا ضروری ہے۔

ج:... ٹرسٹ کی اجازت دینا اور بعض جگہ نقشہ جات کا منظور ہونا سب اِذن میں داخل ہے۔

د:... بعض مساجد ایسی ہیں جو سالہا سال سے قائم ہیں، ان میں نمازیں پڑھی جارہی ہیں اور ممانعت نہیں کی جارہی ہے۔

ہ:... مسجد ایک مرتبہ تعمیر ہوجانے کے بعد ہمیشہ کے لئے مسجد ہوجاتی ہے، حتیٰ کہ فقہاء نے تصریح کی ہے کہ اگر کسی نے غصب کرکے زمین حاصل کی اور اس پر مسجد تعمیر کرلی تو غاصب سے کہا جائے گا کہ مالک کو ضمان ادا کردے، البتہ مسجد کو توڑا نہیں جائے گا۔" ("بینات" جمادی الاولیٰ ۱۴۰۳ھ)

اسی طرح ۱۴۱۷ھ میں پشاور کی ایک قدیم ترین مسجد کے خلاف حکومت کی جانب سے کاروائی کا آرڈر جاری ہوا، اہلِ پشاور نے جامعہ علومِ اسلامیہ کے دارالافتاء سے رُجوع کیا تو جناب مولانا مفتی عبدالمجید دین پوری صاحب نے ایک بھرپور اور مدلل فتویٰ رقم فرمایا، جو بعد میں "بینات" جمادی الاولیٰ ۱۴۱۷ھ کے شمارے میں اشاعت پذیر ہوا۔

اب جبکہ حکومت اور بیوروکریسی نے کراچی کی ان ۵۶ مساجد کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا ہے تو دارالافتاء بنوری ٹاؤن نے پھر قائدانہ کردار ادا کرتے ہوئے ایک بھرپور فتویٰ مرتب کیا ہے جو اسی اشاعت میں پیش کیا جارہا ہے۔

اس بار حکومت اور سٹی گورنمنٹ نے چونکہ کچھ زیادہ چابک دستی اور تیزی دِکھائی ہے اس لئے تحفظِ مساجد ایکشن کے علاوہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

کے اساتذۂ کرام اور مدیرِ جامعہ کی طرف سے سٹی ناظم، کور کمانڈر کراچی اور صدرِ
پاکستان جناب پرویز مشرف کو بھی مسلمانوں کے جذبات اور احتجاج سے آگاہ کرتے
ہوئے ایک مفصل مراسلہ بھیجا گیا جو درج ذیل ہے:

جامعہ کی طرف سے ارسال کردہ احتجاجی مراسلہ

''بخدمت جناب ....السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنابِ عالی!

جیسا کہ آنجناب کو معلوم ہے پُرانی سبزی منڈی میں
واقع جامع مسجد ربانی و جامع مسجد خلفائے راشدین جو عرصہ
۵۵سال سے قائم ہیں، ان مساجد کو منہدم کرکے ان کی جگہ
پارک تعمیر کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے۔ اگر یہ بات دُرست
ہے تو ہمارے خیال میں جو لوگ اس پروگرام کے منصوبہ ساز ہیں
وہ یا تو اسلامی اَحکام و آداب اور شعائرِ اسلام کی اہمیت وعظمت
سے قطعاً نا آشنا ہیں یا پھر وہ جان بوجھ کر حکومت اور مسلمانوں کو
دست وگریباں کرانا چاہتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ عناصر
فوج اور موجودہ حکومت کے بدترین دُشمن ہیں، جو نہایت عیاری
سے انہیں مسلمانوں کی صف سے نکال کر، ان کفار ومشرکین کی
صف میں لاکھڑا کرنا چاہتے ہیں جن کے بارے میں قرآنِ کریم
کا ارشاد ہے:

**''ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن یذکر فیها
اسمه وسعٰی فی خرابها، أولٰئک ما کان لهم أن
یدخلوها الا خائفین، لهم فی الدنیا خزی ولهم فی
الاٰخرة عذاب عظیم.''** (البقرۃ:۱۱۴)

ترجمہ:... ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی

مسجدوں میں اللہ کا ذکر کئے جانے سے روکے اور ان کی ویرانی
کی کوشش کرے، ان لوگوں کو تو بے خوف اور نڈر ہوکر ان میں
قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا، ان لوگوں کے لئے دُنیا میں بھی ذِلت
ورُسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی۔''

بلاشبہ آپ جانتے ہیں کہ پاکستان اسلام کے نام پر
حاصل کیا گیا تھا، پورے پچپن سال گزرنے کے باوجود آج تک
اسلامیانِ پاکستان اور مسلمانانِ ہندوستان کو یہی سزا دی جارہی
ہے کہ انہوں نے اسلام کے نام پر اور اسلامی اقدار کے تحفظ کی
غرض سے الگ ملک کیوں حاصل کیا؟ چنانچہ ہند و پاک کے
مسلمان آج تک دُنیائے کفر کے غیظ وغضب کا شکار ہیں،
خصوصاً ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کی جان و مال محفوظ نہیں،
وہاں ان کے دِینی مراکز اور مساجد بھی محفوظ نہیں۔

آج سے ۱۳ سال قبل جنونی اور متعصب ہندووٴں نے
اجودھیا کی قدیم ترین بابری مسجد کو مسمار کرکے مسلمانوں کے
کلیجے چھلنی کئے۔ جس پر دُنیا بھر کے مسلمانوں نے صدائے
احتجاج بلند کی، بیسیوں مسلمانوں نے غیرتِ ایمانی سے مجبور ہوکر
مسجد کے تقدس پر اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا، پورے
ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات پھوٹ پڑے اور سینکڑوں
مسلمانوں کو اللہ کے گھر کے حق میں آواز اُٹھانے کی پاداش میں
تہ تیغ کیا گیا۔

لیکن اس کے ۱۳ سال بعد آج حکومتِ پاکستان،
خصوصاً فوجی حکومت کے دور میں مساجد دُشمنی کے اس پروگرام کو
دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ ہم ہندوستان میں رہتے ہیں یا پاکستان

میں؟ ہماری حکومت مسلمان ہے یا خدانخواستہ غیرمسلم؟ اور یہ عقدہ بھی ناقابلِ فہم ہے کہ موجودہ حکومت پوری اُمتِ مسلمہ کے خلاف جنونی اور متعصب ہندوؤں کے موقف کی کیوں حمایت کرنا چاہتی ہے؟ اور اس کے پسِ پردہ کیا عوامل ہیں...؟

ہم بصد ادب عرض کرنا چاہیں گے کہ شہری حکومت اور کراچی کی انتظامیہ اور فوجی حکومت کو اس اقدام سے فوراً باز آنا چاہئے، اگر خدانخواستہ حکومت اپنے عزائم سے باز نہ آئی تو نہ صرف بین الاقوامی سطح پر پاکستان بدنام ہوگا بلکہ اس رُسوائے زمانہ اقدام سے درج ذیل نقصانات ہوں گے:

ا:...اس اقدام سے دُنیائے کفر، خصوصاً ہندوستان کے متعصب اور جنونی ہندو خوش ہوں گے اور کہیں گے کہ جو کام ہم نہ کرسکے تھے، وہ پاکستان کے فوجی حکمران کر رہے ہیں۔

٢:...اس اقدام سے شعائرِ اسلام کے مخالف غیرمسلم افراد اور لادِین قوّتوں کے موقف کی تائید ہوگی۔

٣:... اس سے بلادِ کفر میں رہنے والے ان تمام مسلمانوں کی کمر ٹوٹ جائے گی اور ان کا موقف کمزور ہوجائے گا جو اسلامی اقدار کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

۴:...موجودہ حکومت کے اس اقدام کو آئندہ بلادِ کفر میں منہدم کی جانے والی ہر مسجد و اسلامک سینٹر کے انہدام کے جواز کے لئے بطورِ سند پیش کیا جائے گا۔

۵:...حکومت کے اس اقدام سے دُنیا بھر کے مسلمان مایوسی کا شکار ہوں گے۔

٦:... پوری اُمتِ مسلمہ اور خصوصاً دُنیائے کفر میں

رہنے والے مسلمان قلعۂ اسلام پاکستان اور اس کی فوجی حکومت کے بارے میں بُرا تأثر قائم کریں گے۔

اس لئے ہم آپ سے درخواست کریں گے کہ فوری طور پر اس حکم کی منسوخی کے اَحکامات جاری فرمائیں، ورنہ خدانخواستہ کہیں مسلمان ”نوبھارت ٹائمز لکھنؤ“ کے ایڈیٹر ”وشنو کھرے“ ایسے لیڈر کی تلاش پر مجبور نہ ہوجائیں، جنھوں نے بابری مسجد سے متعلق مضمون لکھ کر یہ نعرہ لگایا تھا کہ: ”مسجد ٹوٹی تو ملک ٹوٹ جائے گا!“ حیرت ہے کہ ایک ہندو صحافی تو حق و دیانت کا پاس کرتے ہوئے اپنے ہم وطن اور ہم مذہب لوگوں کو مسجد کے تقدس کو پامال کرنے پر اتنی بڑی دھمکی دے اور خود مسلمان اس قدر ذِلت وپستی میں چلے جائیں کہ اپنے ہاتھوں اللہ کے گھروں کو ڈھانے کا ناپاک فعل سرانجام دینے پر کمربستہ ہوجائیں!

مسلمانوں کی شان تو یہ ہے کہ وہ مسجدیں ڈھاتے نہیں بناتے تھے، وہ مسجدیں اُجاڑتے نہیں، آباد کرتے تھے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

”انما یعمر مساجد اللہ من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر وأقام الصلٰوة واٰتی الزکٰوة ولم یخش اِلَّا اللہ ...“

ترجمہ:...”بے شک وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی، جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر، اور قائم کیا نماز کو اور دیتا رہا زکوٰة، اور نہ ڈرا سوائے اللہ کے کسی سے۔“

عام طور پر لوگ یہ غلط فہمی ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں

کہ: ''اگر ایک جگہ مسجد تھی اور وہاں ضرورت کے تحت کوئی منصوبہ جاری ہوگیا، تو اس کو متبادل جگہ تعمیر کردیا جائے''، یہ بالکل غلط، دُور از کار اور مہمل بات ہے، اس لئے کہ مسجد جب ایک بار کہیں بن جائے تو قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اس کو ختم کرنا یا تبدیل کرنا بالکل ناجائز اور حرام ہے۔

اس لئے حکومت کو چاہئے کہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیل کر ان کو تشدّد کی راہ پر نہ ڈالے، ورنہ انہیں معلوم ہے کہ مسلمان قوم کو جبر و تشدّد سے ان کے موقف سے نہیں روکا جاسکتا۔ لاہور کی ایک مسجد کی تاریخ کس کو معلوم نہیں کہ صرف ایک اذان کی تکمیل کے لئے تین مسلمانوں نے جامِ شہادت نوش کیا، مگر اس اسلامی شعار کو نامکمل اور ادھورا نہیں رہنے دیا۔

کیا موجودہ حکومت مسلمانوں کو پھر اپنی اسی تاریخ کو دہرانے پر مجبور کرنا چاہتی ہے؟ یا ملک میں افراتفری اور ہیجان برپا کرنا چاہتی ہے؟ ہمارے خیال میں ملک اس وقت کسی تحریک کا متحمل نہیں ہے، اس لئے حکومت دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مساجد دُشمنی سے باز آجائے۔

دستخط کنندگان:

مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر مدیر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن

مولانا سیّد سلیمان بنوری	نائب مدیر جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی	شیخ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد انور بدخشانی	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن

مولانا عبدالمجید دین پوری	نائب مفتی جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا سعید احمد جلال پوری	مدیر ماہنامہ ''بینات'' کراچی
مولانا عبدالقیوم	ناظم تعلیمات جامعہ بنوری ٹاؤن
مفتی عبدالقادر	رفیق دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن
مفتی ابوبکر سعید الرحمٰن	رفیق دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن
مفتی محمد شفیق عارف	رفیق دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا فضل محمد	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا عبدالرؤف غزنوی	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا قاری مفتاح اللہ	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا محمد زیب منجور	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا عطاء الرحمٰن	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا امداداللہ	اُستاذ الحدیث جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا فضلِ حق	ناظم اعلیٰ ماہنامہ بینات کراچی
مفتی رفیق احمد بالاکوٹی	رفیق دارالافتاء جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا مفتی محمد عاصم زکی	اُستاذ جامعہ بنوری ٹاؤن
مولانا مفتی عبداللہ	اُستاذ جامعہ بنوری ٹاؤن
قاری فیض اللہ چترالی	مدیر جامعہ امام محمد سہراب گوٹھ
قاری حبیب الرحمٰن	خطیب جامع مسجد ربانی سبزی منڈی
مولانا قاری بشیر احمد نقشبندی	جنرل سیکریٹری علامہ بنوری ٹرسٹ
قاری زبیر احمد	اُستاذ جامعہ بنوری ٹاؤن
قاری محمد اقبال	ناظم اُمورِ متفرقہ جامعہ بنوری ٹاؤن۔''

اس موقع پر جمعہ ۲۳؍اگست ۲۰۰۲ء کو کراچی کی مختلف مساجد میں اس غیرشرعی اور غیراخلاقی حکومتی عزم و ارادے سے مسلمانوں کو آگاہ کرنے کے لئے

احتجاجی قراردادوں پر مشتمل ایک مراسلہ بھی بھیجا گیا، جس کو ائمہ اور خطباء نے عوام کے سامنے پڑھ کر سنایا اور عوام سے اسے منظور بھی کرایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی یہاں درج کردیا جائے، جو درج ذیل ہے:

قراردادیں

⁂... نمازِ جمعہ کا یہ عظیم الشان اجتماع پُرانی سبزی منڈی میں واقع دو مساجد، مسجد ربانی اور جامع مسجد خلفائے راشدین کو شہید کرکے ان کی جگہ پارک تعمیر کرنے کے فیصلے کی مذمت کرتے ہوئے انتظامیہ سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ یہ فیصلہ فوری طور پر واپس لے کر مساجد کے تقدس کا احترام کیا جائے۔

⁂... یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ لیاری ایکسپریس وے کی تعمیر کی آڑ میں ۵۶ قدیم مساجد کو شہید کرنے کے اَحکامات فی الفور واپس لئے جائیں اور اس سلسلے میں جتنی مساجد اب تک گرائی جاچکی ہیں انہیں انہی جگہوں پر دوبارہ تعمیر کیا جائے۔

⁂... یہ اجتماع مطالبہ کرتا ہے کہ جن افراد نے ان مساجد کو شہید کرنے کے ناپاک منصوبے بناکر بابری مسجد کے سانحے کی یاد تازہ کرنے کی کوشش کی ہے، ان افراد کو قرار واقعی سزا دی جائے۔"

اس اسے اگلے دن ۲۴/اگست ۲۰۰۲ء بروز ہفتہ علمائے بنوری ٹاؤن کی طرف سے اخبارات کو درج ذیل بیان جاری کیا گیا:

"مسجدیں ڈھانا حرام ہے، مساجد کا
دِفاع مسلمانوں پر فرض ہے

جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، شیخ الحدیث مفتی نظام الدین شامزی، مفتیانِ کرام اور دیگر اساتذۂ کرام نے جامعہ کی طرف سے ایک اعلامیہ جاری کرتے ہوئے انتظامیہ پر واضح کیا ہے کہ: مساجد اللہ تعالیٰ کے گھر، شعائرِ اسلام، مسلمانوں کی پہچان اور ان کی دِینی ضرورت ہیں۔ مساجد سے متعلق شرعی اَحکام بالکل واضح ہیں، ہر مسلمان جانتا ہے کہ مساجد اور عام املاک کے اَحکام یکساں نہیں، بلکہ مسجد کی امتیازی حیثیت یہ ہے کہ جس جگہ پر ایک مرتبہ مسجد تعمیر ہوجائے وہ جگہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، مسجد کی اس جگہ کو کسی بھی دُوسرے مقصد اور مصرف میں تبدیل کرنا بالکل ناجائز ہے۔ علماء نے کراچی کی بعض مساجد کے حوالے سے سرکاری عزائم پر گہرے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ مساجد سے متعلق اتنے واضح اَحکام موجود ہوتے ہوئے ہماری حکومت ایسے لادِین عناصر کے ناجائز مشوروں کا سنجیدگی سے جائزہ کیوں نہیں لیتی؟ جو اسلام کے نام پر حاصل ہونے والی مملکت میں مسجدوں کو ڈھانے کے مشورے دیتے ہیں اور مسجدوں کی جگہ سڑکیں، پارک اور مسجد کو پارک کا مرکزی دروازہ بنانے کے نقشہ جات بناکر پیش کر رہے ہیں۔ علماء نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ مساجد سے متعلق اتنی کمتر سوچ رکھنے والے کہیں اَحکامِ اسلام اور نظریۂ پاکستان کے وہی دُشمن تو نہیں جن سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے پاکستان بنایا گیا تھا۔

علمائے کرام نے مزید کہا کہ جو سرکاری احباب مساجد اور مسلمانوں کے ساتھ خیرخواہانہ جذبات ظاہر کرتے ہوئے شہید

کی جانے والی مساجد کے بدلے میں متبادل جگہیں دینے کی باتیں کر رہے ہیں، انہیں مساجد سے متعلق شریعت کے واضح اَحکام کا مطالعہ کرنا چاہئے اور اپنے مذہبی پیشواؤں سے رُجوع کرنا چاہئے۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کے علماء نے سخت موقف اختیار کرتے ہوئے یہ اعلان کیا ہے کہ برسوں پُرانی مساجد کو ڈھا کر ان کے متبادل جگہوں کی تجاویز کو وہ کلی طور پر مسترد کرتے ہیں اور اس قسم کی کسی بھی تجویز پر غور کرنے کے لئے یا اپنے شرعی و اخلاقی موقف میں لچک پیدا کرنے کے لئے قطعاً تیار نہیں ہیں اور نہ ہوں گے۔

علماء نے کہا کہ مساجد سے متعلق ہمارا موقف شرعی و اسلامی اُصولوں پر مبنی ہے اور شرعی اُصولوں سے متعلق کسی قسم کی لچک اور نرمی اختیار کرنے کو دِین کے معاملے میں ''مداہنت'' سمجھتے ہیں۔

اس موقع پر علمائے کرام نے مساجد کے انہدام سے متعلق مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ کے سابقہ فتویٰ (مجریہ ۱۴۰۳ھ) اور دارالافتاء بنوری ٹاؤن سے جاری ہونے والی حالیہ فتویٰ کے مندرجات کا اعادہ کرتے ہوئے کہا کہ: ہم مساجد گراکر ان کو کسی توسیعی وتفریحی پروگرام میں شامل کرنے کو ناجائز اور حرام قرار دیتے ہیں۔

جامعہ بنوری ٹاؤن کی انتظامیہ نے مرکزی حکومت کو خیرخواہانہ مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ وہ کراچی کی بعض مساجد سے متعلق سٹی گورنمنٹ کے ان مجرمانہ عزائم کا نوٹس لے اور متعلقہ ذمہ داروں کو ایسے عزائم سے دُور رکھے جو مسلمانوں کے لئے

بے چینی کا ذریعہ بنیں اور مسلمان اپنی مساجد کے تحفظ و دِفاع کے لئے کسی راست اقدام پر مجبور ہوجائیں، آخر میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے علماء نے اس عزم کا اظہار کیا کہ وہ تمام مساجد بالخصوص سبزی منڈی کی مساجد کے تحفظ و دِفاع کے لئے اپنا ہر قانونی و شرعی کردار ادا کریں گے۔ (علماء جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی)۔''

ہمارے خیال میں حکومت کو ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے اور نہ ہی مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا چاہئے، بلاشبہ مسلمان سب کچھ برداشت کرلیں گے، مگر اسلامی شعائر کا تقدس پامال نہیں ہونے دیں گے، ہمارے اکابر کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے انگریز کے دور میں بھی مساجد کا تقدس پامال نہیں ہونے دیا، چنانچہ امروٹ شریف کے قریب آج تک وہ مسجد موجود ہے جس کو ہٹانے اور اس کی جگہ انگریزوں نے نہر گزارنے کی کوشش کی، تو اس دور کے اکابرینِ سندھ، علماء اور عوام نے نہ صرف مسجد کے تقدس کو پامال نہیں ہونے دیا، بلکہ انگریز کی مشینری کو فیل کردیا اور آج تک وہ مسجد بیچ نہر میں موجود ہے، جس کے دونوں طرف نہر گزر کر جارہی ہے، مگر اللہ کا گھر اللہ کی مخلوق کی عبادت کے لئے آج تک اسی طرح برقرار ہے، اسی طرح اگر مسلمان حکمران خلوص و اِخلاص اور صدقِ دِل سے شعائرِ اسلام کا تحفظ کرنا چاہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس میں ناکام ہوں، چنانچہ شیرشاہ سوری کا وہ کارنامہ آج تک کھلی آنکھوں دیکھا جاسکتا ہے کہ انہوں نے کابل سے کلکتہ تک اتنی طویل ترین جرنیلی سڑک تعمیر کی، مگر راستے میں آنے والی کسی ایک مسجد کو بھی نقصان نہیں پہنچایا۔

ہماری معلومات کے مطابق لیاری ایکسپریس وے کا منصوبہ پُرانا ہے، اور اس پر کسی قدر کام بھی شروع ہوچکا تھا، سابقہ منصوبے میں کسی مسجد سے تعرض نہیں کیا گیا تھا، لیکن کچھ مفاد پرستوں نے اپنی زمینوں کو فروخت کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کو

بے گھر اور اللہ کے گھروں کو برباد کرنے کا مشورہ دیا، لہٰذا حکومت کو ان مفاد پرست منصوبہ سازوں کی سازشوں کو ناکام بناتے ہوئے سابقہ خطوط پر کام کرنا چاہئے۔

اسی طرح ان سیاسی بازی گروں کا یہ عذرِ لنگ بھی ناقابلِ سماعت ہے کہ:

''پارک کے احاطے میں آنے والی مسجدیں پارک کے بیچ میں آرہی ہیں جن کا گرانا اور پارک میں شامل ہونا ضروری ہے'' کیونکہ یہ ہر دو مساجد ایک دُوسرے سے فاصلے پر ہیں اور دونوں مجوّزہ پارک کے بالکل انتہائی کناروں پر ہیں، نیز یہ کہ مسلمانوں کے ملک اور شہر میں مسجد، مسلمانوں کی ضرورت ہے، اور جس طرح پارک کے ساتھ دُوسری ضروریات مہیا کی جاتی ہیں اسی طرح حکومت کا فرض ہے کہ وہ پارک میں تفریح کی غرض سے آنے والوں کے لئے مسجد کا بھی انتظام کرے، اس لئے ہر پارک میں مسجد کا ہونا اَزبس ضروری ہے۔ لہٰذا اتنے بڑے پارک میں ایک کی بجائے دو تیار مسجدوں کا موجود ہونا ایک نعمتِ غیر مترقبہ ہے۔ پس حکومت کو چاہئے کہ ان مساجد کو گراکر غضبِ الٰہی کو دعوت دینے کے بجائے پارک کے ساتھ ساتھ ان مساجد کی تزئین و آرائش کرکے اپنے ایمان و اسلام کا ثبوت دے، **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!**

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی رجب ۱۴۲۳ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۲ء)

حدود آرڈی نینس میں ترمیم کا مشورہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

''صدرِ مملکت جنرل پرویز مشرف نے قانون ساز اداروں سے کہا ہے کہ وہ حدود و قوانین کو قرآن و سنت کے مطابق بنائیں، ایسے معاملات پر کھلے ذہن سے بحث کی جائے ......صدر نے کہا کہ حدود آرڈی نینس کے بارے میں ارکانِ پارلیمنٹ قرآن و سنت کی صحیح تشریح کرکے اس میں ترمیم کریں، انہوں نے کہا کہ ہمیں اس پر بحث وتمحیص سے گھبرانا نہیں چاہئے، اسلام اجتہاد کا قائل ہے، ہمیں ایسے معاملات میں کھلے ذہن کے ساتھ بحث کرنی چاہئے، انہوں نے کہا کہ کوئی مسلمان قرآن و سنت کی تعلیمات کی مخالفت کا تصوّر بھی نہیں کرسکتا، مگر ان کی صحیح تشریح ہونی چاہئے......''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍فروری ۲۰۰۴ء)

جنابِ صدر نے ان خیالات کا اظہار اسلام آباد میں منعقد ہونے والی ''ایشیا اور بحرالکاہل کی خواتینِ اوّل کی علاقائی اسٹینڈنگ کمیٹی'' کی کانفرنس سے خطاب کے دوران کیا۔ ہمارے خیال میں جنابِ صدر اگر اسلامی قانون اور اس کے آفاقی دستورِ حیات کے

مندرجات سے آگاہ ہوتے تو شاید انہیں اس معذرت خواہانہ تکلف اور عامیانہ مشورے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی، بلکہ وہ ڈنکے کی چوٹ کہتے کہ: ''حدود آرڈی نینس خواتین کی جان و مال اور عزّت و آبرو کے تحفظ کی خاطر نافذ کیا گیا ہے، اس لئے کہ جس معاشرے میں جرم و سزا کا قانون نہ ہو وہاں ظلم و تعدّی اور جبر و تشدّد فروغ پاتا ہے، وہاں کسی کی عزّت و عصمت محفوظ نہیں رہتی، وہاں جابر و ظالم آزادانہ دندناتا ہے اور مظلوم و مقہور اپنی مظلومیت و بے بسی پر ماتم کرنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکتا۔''

اس لئے کہ انہیں معلوم ہوگا کہ اسلام نے معاشرے کو امن و امان کا گہوارہ بنانے کے لئے امیر و غریب، حاکم و محکوم، آجر و اَجیر، مرد و زَن اور مسلم و کافر کو باعزّت زندگی گزارنے کا حق دیا ہے، اس کے اقتصادی، معاشرتی اور مذہبی حقوق کا تعین فرمایا ہے، اس کی جان و مال اور عزّت و آبرو کے تحفظ کے لئے حدود و قوانین مقرّر فرمائے ہیں، اسی طرح اسلام نے فرد، خاندان، برادری، قوم و ملت اور پوری انسانیت کے حقوق و فرائض کی نشاندہی فرمائی ہے۔ قرآن و سنت، اِجماعِ اُمت اور قیاس ایسے دلائلِ شرعیہ سے حضراتِ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور فقہائے ملتؒ نے انسانی زندگی میں پیش آنے والے کسی چھوٹے سے چھوٹے جزئیہ کو بھی تشنۂ تشریح نہیں چھوڑا، اس میں جہاں ایمان و عقیدہ، کفر و ایمان کی تفصیلات ارشاد فرمائی گئی ہیں، وہاں پیدائش سے موت اور مابعد الموت تک کے تمام اُمور کو بھی واضح کیا گیا ہے، اسی مفصل دستاویز کو اسلامی آئین و دستور کہا جاتا ہے۔ صدرِ اوّل سے ۱۲ سو سال تک یہی آئین و دستور ہی کرۂ اَرض پر نافذ و جاری رہا، جس کی گھنی چھاؤں میں انسانیت نے چین و سکون کی زندگی گزاری، جب تک اس دستورِ حیات کی حکمرانی رہی کسی جابر و ظالم اور بدمست کو یہ جرأت نہیں تھی کہ وہ کسی ضعیف و کمزور اور مسلم و کافر کی جان و مال اور عزّت و آبرو سے کھیل سکے۔

لیکن جوں ہی مسلمانوں نے اس سائبان سے باہر قدم رکھا، استبدادی شکنجے

میں جکڑ دیئے گئے، ان سے حریت و آزادی، چین و سکون اور امن و اطمینان چھین لیا گیا، ان پر ذلت و ادبار مسلط کردیا گیا، ان کی عفت مآب ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت و حرمت پامال کی گئی، ان کی جان و مال اور مذہبی اقدار کو روندا گیا، اس پر انہوں نے چیخنا اور چلاّنا چاہا مگر ان کی آواز کو خاموش کرادیا گیا، غلامی کے اس بدترین دور میں مسلمان سب کچھ بھول گئے، حتیٰ کہ اپنے دِین و مذہب اور تہذیب و ثقافت سے بھی ناآشنا ہوگئے۔

اسی غلامی اور محکومی کی نحوست ہے کہ آزادی کے ۵۶ سال گزرنے کے باوجود بھی ہم انگریزی قوانین کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں، اور قرآن و سنت کے آفاقی دستورِ حیات کو مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہیں، اور نہایت معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں کہ: ''حدود آرڈی نینس میں ترمیم کرنا چاہئے، اور اس میں اجتہاد کرکے تبدیلی کرنا چاہئے'' حیف اور تف ہے ہماری عقل و دانش پر! اور لائقِ صدنفرین ہے ہماری غلامانہ ذہنیت! کہ محض مغرب کی خوشنودی کے لئے ہم منصوصاتِ قطعیہ میں ارکانِ اسمبلی کو اجتہاد کا مشورہ دیتے ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ بلاشبہ اجتہاد کا دروازہ بند نہیں ہوا، شوق سے اجتہاد فرمائیے، مگر ذرا ''اجتہاد'' کا معنی اور مفہوم سمجھ لیجئے! اس لئے ہم عرض کرنا چاہیں گے کہ ضرور اجتہاد کرائیے، مگر پہلے ارکانِ اسمبلی کو اجتہاد کی علمی، عملی اور فکری صلاحیتیں بہم پہنچائیے، کیونکہ دورِ حاضر کے ارکانِ اسمبلی جن کی اکثریت خیر سے اسلام کی حدود و قیود کی ہی قائل نہیں، جو اسلام کے فرائض و واجبات اور محرّمات و مکروہات کی پابندی سے اپنے تئیں ''مرفوع القلم'' سمجھتے ہیں، جو قرآنِ کریم ناظرہ بھی صحیح نہیں پڑھ سکتے، جو نمازِ پنج گانہ کی توفیق سے بھی محروم ہیں، اور جنہیں غسلِ جنابت کے فرائض کا علم نہیں ہے، ان کو اگر اجتہاد کی بلند و بالا مسند پر بٹھادیا جائے تو وہ جیسا کچھ ''اجتہاد'' فرمائیں گے اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں...!

پھر یہ بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اجتہاد کا درجہ دلائلِ شرعیہ میں چوتھا ہے، اگر کوئی

مسئلہ قرآن و حدیث اور اِجماعِ اُمت سے ثابت نہ ہو تو اس کے لئے اجتہاد ہوتا ہے، لیکن جس حدود و قصاص کے مسئلے پر اجتہاد کی دعوت دی جارہی ہے اس کی تفصیلات تو خود قرآنِ کریم اور احادیثِ نبویہ میں واضح طور پر موجود ہیں، چنانچہ یہاں صرف قرآنِ کریم کے چند حوالے پیش کئے جاتے ہیں:

الف:... ''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی، فَمَنْ عُفِیَ لَہٗ مِنْ اَخِیْہِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْہِ بِاِحْسَانٍ، ذٰلِکَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَرَحْمَۃٌ، فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِکَ فَلَہٗ عَذَابٌ اَلِیْمٌ. وَلَکُمْ فِی الْقِصَاصِ حَیٰوۃٌ یّٰٓاُولِی الْاَلْبَابِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ.''

(البقرۃ:۱۷۸، ۱۷۹)

ترجمہ:... ''اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا جاتا ہے مقتولین کے بارے میں، آزاد آدمی، آزاد آدمی کے عوض میں، اور غلام، غلام کے عوض میں، اور عورت، عورت کے عوض میں، ہاں! جس کو اس کے فریق کی طرف سے کچھ معافی ہوجائے تو معقول طور پر مطالبہ کرنا اور خوبی کے ساتھ اس کے پاس پہنچادینا یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے تخفیف ہے اور ترحم ہے، پھر جو شخص اس کے بعد تعدی کا مرتکب ہو تو اس شخص کو بڑا دردناک عذاب ہوگا۔ اور فہیم لوگو! قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے، ہم اُمید کرتے ہیں کہ تم لوگ پرہیز رکھو گے۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ب:... ''..... اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَیْنَ بِالْعَیْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوْحَ

قِصَاصٌ، فَمَنْ تَصَدَّقَ بِہٖ فَھُوَ کَفَّارَۃٌ لَّہٗ، وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ.'' (المائدۃ:۴۵)

ترجمہ:... ''جان بدلے جان کے، اور آنکھ بدلے آنکھ کے، اور ناک بدلے ناک کے، اور کان بدلے کان کے، اور دانت بدلے دانت کے، اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے، پھر جو شخص اس کو معاف کردے تو وہ اس کے لئے کفارہ ہوجائے گا، اور جو شخص خدا تعالیٰ کے نازل کئے ہوئے کے موافق حکم نہ کرے سو ایسے لوگ بالکل ستم ڈھا رہے ہیں۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اسی طرح زنا کی حد کے بارے میں واضح ارشاد ہے:

''اَلزَّانِیَۃُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْھُمَا مِائَۃَ جَلْدَۃٍ وَّلَا تَاْخُذْکُمْ بِھِمَا رَاْفَۃٌ فِیْ دِیْنِ اللہِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، وَلْیَشْھَدْ عَذَابَھُمَا طَآئِفَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ.'' (النور:۲)

ترجمہ:... ''زنا کرنے والی عورت اور زنا کرنے والا مرد، سو ان میں سے ہر ایک کے سو دُرّے مارو! اور تم لوگوں کو ان دونوں پر اللہ تعالیٰ کے معاملے میں ذرا رحم نہ آنا چاہئے، اگر تم اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو، اور دونوں کی سزا کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت حاضر رہنا چاہئے۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

جہاں تک شادی شدہ مرد و عورت کے زنا کی سزا یعنی حدِ رجم کا تعلق ہے، وہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہ اور صحابہ کرامؓ کے اِجماع سے ثابت ہے۔ یہ مختصر شذرہ اس کی تفصیلات کی اجازت نہیں دیتا، اس کے لئے ''رجم کی شرعی حیثیت'' مولانا محمد

یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا مطالعہ کافی ہوگا۔

پھر زنا کی حد نافذ کرنے کے لئے کڑی شرائط عائد کی گئی ہیں، تاکہ کوئی بدبخت کسی معصوم اور بے گناہ پر تہمت نہ لگائے، اس لئے ثبوتِ زنا کے لئے دُوسری حدود سے ہٹ کر چار گواہوں کی شرط رکھی گئی ہے، کیونکہ ثبوتِ زنا سے دو افراد متأثر ہوں گے اور مرد و زَن دونوں پر حد جاری ہوگی، اور کسی فرد کے خلاف ثبوتِ جرم کے لئے دو گواہ لازمی ہوتے ہیں، اسی لئے حدِ زنا میں چار گواہ رکھے گئے ہیں اور ان کی عینی شہادت کو لازمی قرار دیا گیا ہے، اور جہاں یہ نصاب پورا نہ ہو وہاں ایسی لب کشائی کرنے والوں کے خلاف حدِ قذف رکھی گئی ہے، تاکہ کوئی شاطر کسی بے گناہ کی عزّتِ نفس کو مجروح نہ کرسکے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

''وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا فَاِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.'' (النور:۴، ۵)

ترجمہ:... ''اور جو لوگ تہمت لگائیں پاک دامن عورتوں کو، پھر چار گواہ نہ لاسکیں تو ایسے لوگوں کو اَسّی درّے لگاؤ، اور ان کی گواہی کبھی قبول مت کرو، اور یہ لوگ فاسق ہیں۔ لیکن جو لوگ اس کے بعد توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں سو اللہ تعالیٰ ضرور مغفرت کرنے والا رحمت کرنے والا ہے۔''

(ترجمہ حضرت تھانویؒ)

اسی طرح چوری کی سزا کے بارے میں ارشاد ہے:

''وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللهِ، وَاللهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ. فَمَنْ تَابَ مِنْ

بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللهَ یَتُوْبُ عَلَیْهِ، اِنَّ اللهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ.'' (المائدۃ:۳۸، ۳۹)

ترجمہ:... ''اور جو مرد چوری کرلے اور جو عورت چوری کرلے سو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض میں بطورِ سزا کے اللہ کی طرف سے، اور اللہ تعالیٰ بڑے قوّت والے ہیں، بڑے حکمت والے ہیں۔ پھر جو شخص توبہ کرلے اپنی اس زیادتی کرنے کے بعد اور اعمال کی دُرستی رکھے تو بے شک اللہ تعالیٰ اس پر توجہ فرماویں گے، بے شک خدا تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں، بڑی رحمت والے ہیں۔''

پھر اس سب سے بڑھ کر شریعت نے یہ تمام حدود و قصاص معاشرے کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے نافذ فرمائے ہیں، نہ کہ انسانیت کی توہین و تذلیل کے لئے، اگر ایسا ہوتا تو ایسی کڑی شرائط عائد نہ کی جاتیں اور یہ ارشاد نہ ہوتا کہ: ''**ادرؤا الحدود ما استطعتم!**'' (جتنا ممکن ہو حدود ساقط کرو)۔

کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ ان واضح نصوص کی موجودگی میں اب بھی کسی ''اجتہاد'' کی ضرورت و گنجائش ہے؟ کیا ان تفصیلات سے کہیں کوئی ایسا شائبہ نکلتا ہے کہ حدود و قصاص میں صرف خواتین ہی کو نشانہ بنایا گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو اس میں ''اجتہاد'' کی دعوت کا کیا معنی؟ کہیں اس کا یہ مقصد تو نہیں کہ نام نہاد مجتہدین اور ''پڑھے لکھے'' ارکانِ اسمبلی اپنے مغربی سانچوں میں ڈھلے ہوئے افکار پیش کرکے ان قرآنی احکام کو منسوخ کردیں اور یہاں بھی مغربی انداز کے مادر پدر آزاد معاشرے کی تشکیل فرماکر کھلے عام جنسی عمل اور قتل و غارت گری کی سندِ جواز مہیا فرمادیں...؟

ہمارے خیال میں جو لوگ حدود و قصاص میں اجتہاد کے ذریعہ ترمیم و تنسیخ کا

مطالبہ کر رہے ہیں وہ نہ صرف قرآن وسنت اور دِین وشریعت کے باغی ہیں، بلکہ وہ چوروں، ڈاکوؤں، قاتلوں، زانیوں اور شرابیوں کے محافظ اور مجبور ومقہور مظلوموں کے دُشمن ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں وہ یہ چاہتے ہیں کہ کھلے عام چوری، ڈکیتی، قتل و غارت گری اور خواتین کی عصمت دری کی جائے، مگر ان کے خلاف کوئی قانونی چارہ جوئی نہ کی جاسکے، اسی طرح مظلوموں کی اشک شوئی کا سامان نہیں ہونا چاہئے، حالانکہ دیکھا جائے تو اسلامی قوانین مردوں سے زیادہ خواتین، اور طاقتوروں سے زیادہ کمزوروں کے محافظ ہیں۔

اس لئے ہم جنابِ صدر سے عرض کرنا چاہیں گے کہ قطعی اور منصوص احکام میں خواہ مخواہ رائے زنی کرکے اپنے دِین و اِیمان کو خراب نہ کریں، اور نہ ہی پاکستانی معاشرے کو مغربی آزادی کے جہنم میں دھکیلنے کی کوشش فرماویں، ان علینا الا البلاغ!

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی محرّم ۱۴۲۵ھ مطابق مارچ ۲۰۰۴ء)

توہین آمیز خاکے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علٰی عبادہ الذین اصطفٰی!

یہود و نصاریٰ اور اربابِ کفر وشرک، روزِ اوّل سے آقائے دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن چلے آرہے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض و عداوت اور آپؐ کی شان میں گستاخی و ہرزہ سرائی ان کی گھٹی، فطرت اور خمیر میں شامل ہے، جس طرح بچھو کے لئے ڈنک مارنے کی عادت چھوڑنا، ناممکن ہے، ٹھیک اسی طرح ان ملعونوں کا گستاخی سے باز آنا بھی ناممکن ہے۔

ان کا بس نہیں چلتا، ورنہ وہ اس کوشش میں ہیں کہ کسی طرح انسانیت کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ رحمت سے کاٹ دیں۔ چنانچہ انہوں نے چودہ سو سال پہلے ہی یہ ہرزہ سرائی کی تھی کہ ...نعوذ باللہ... آپؐ بے نام ونشان ہوجائیں، مگر اللہ تعالیٰ نے طے فرمارکھا ہے کہ: ''اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْأَبْتَرُ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں، بلکہ آپؐ کے دُشمن ہی بے نام ونشان ہوں گے۔ صرف یہی نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمارکھا ہے کہ: ''وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ'' ہم آپؐ کے نام اور مقام کو بلند سے بلند تر کریں گے۔

یوں تو دُشمنانِ اسلام اور یہود و نصاریٰ کی انبیاء دُشمنی، ان کی توہین وتنقیص

کی تاریخ بہت طویل اور تکلیف دہ ہے، مگر گزشتہ چند مہینوں سے ان بدباطنوں نے حضرت خاتم النبیّین صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جس بے شرمی و ڈھٹائی کے ساتھ توہین، تنقیص اور گستاخی کا مظاہرہ کیا ہے، بلاشبہ وہ ان کی تاریخ کا سیاہ کارنامہ ہے۔ اس سے جہاں مغرب کا مکروہ اور سیاہ چہرہ بے نقاب ہوکر سامنے آگیا ہے، وہاں مسلمانوں کو بنیاد پرست، تنگ نظر اور مذہبی جنونی کہنے والوں کی اعتدال پسندی اور روشن خیالی کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ:

ڈنمارک کے اخبار ''جے لینڈ پوسٹن'' (Jylland Posten) کے ایڈیٹر جان ہینسن کے ایک بدبخت اور دریدہ دہن دوست نے ...نعوذ باللہ... آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر ایک گستاخانہ کتاب لکھی، جسے مزید بدبودار بنانے کے لئے اس نے طے کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توہین آمیز تصویری خاکے اور کارٹون بھی اس میں شامل کرے، جب اس نے اس مقصد کے لئے مختلف آرٹسٹوں سے رابطہ کیا تو تمام آرٹسٹوں نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ اگر انہوں نے یہ حرکت کی تو مسلمان انہیں توہینِ رسالت کا مرتکب قرار دے کر قتل کردیں گے، چنانچہ انہوں نے ہالینڈ کے اس قضیہ کا حوالہ دیا کہ ایک فلم ساز نے فلم میں کسی برہنہ اور عریاں عورت کے جسم پر قرآنی آیت لکھ دی تو ایک مسلمان نے اس گستاخ فلم ساز کو قتل کردیا تھا۔ جب اس مسلمان نوجوان پر مقدمہ چلا تو اس نے واشگاف الفاظ میں کہا کہ: ''تم مجھے پھانسی دے دو، اس لئے کہ اگر میں زندہ رہا تو میرے سامنے جو بھی اسلام، قرآن اور پیغمبرِ اسلامؐ کی گستاخی کرے گا، میں اسے بھی قتل کردوں گا۔'' ان آرٹسٹوں کا کہنا تھا کہ اس مسلمان نوجوان کا بیان مسلمانوں کی ایمانی غیرت، اپنے دِین و مذہب اور شعائرِ اسلام سے والہانہ وابستگی اور شیفتگی کی نشاندہی کرتا ہے، ان کا کہنا تھا کہ مسلمان اپنے دِین و مذہب، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور مقدس شخصیات کے معاملے

میں کسی سے سمجھوتا نہیں کرسکتے، اس لئے ہم یہ خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اس بدبخت شاتمِ رسول مصنف نے جب ''جے لینڈ پوسٹن'' اخبار کے ایڈیٹر کو اس صورتِ حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ ہمارے ملک کے تمام آرٹسٹ بزدل ہیں اور مسلمانوں کے پیغمبر کے خاکے بنانے پر تیار نہیں، تو ''جے لینڈ پوسٹن'' کے دریدہ دہن ایڈیٹر نے کہا کہ آرٹسٹ خواہ مخواہ ڈر رہے ہیں، ورنہ ایسی کوئی بات نہیں، کیونکہ ڈنمارک ایک سیکولر و لبرل ملک ہے، یہاں آباد تمام مسلمان ہمارے کلچر میں رنگ چکے ہیں اور ان میں وہ تمام بُری عادات و اطوار موجود ہیں، جو ہمارے اندر پائی جاتی ہیں، چنانچہ اس ملعون ایڈیٹر نے اپنے اخبار کے آرٹسٹ کو بلوایا، اسے ایک عندیہ دے کر خاکے بنانے کا حکم دیا، یوں اس شاتمِ رسول آرٹسٹ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین و تنقیص پر مشتمل متعدّد خاکے اور کارٹون بناکر ایڈیٹر کے حوالے کئے، جن میں بارہ خاکوں کو اشاعت کے لئے منتخب کیا گیا، ان میں سے ایک خاکہ ایسا تھا جس میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ بنائی گئی اور اس خاکے کے سر پر پگڑی بناکر اس میں بم رکھا ہوا دِکھایا گیا، گویا ...نعوذ باللہ... نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دہشت گرد تھے۔

یہ خاکے پہلی مرتبہ ۳۰؍ستمبر کو شائع ہوئے۔ ابتدائی طور پر جب ڈنمارک کے مسلمانوں نے اس پر احتجاج کیا تو اس کو خاطر میں نہیں لایا گیا، اس کے بعد مسلمانوں نے نہایت سلیقے سے اس احتجاج کا دائرہ وسیع کرنے کا عزم کیا، ان خاکوں کی اشاعت، ان پر احتجاج اور مغرب کی ڈھٹائی کی تفصیلات روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے حوالہ سے کچھ یوں ہیں:

> ''جے لینڈ پوسٹن'' (Jylland Posten) ڈنمارک کا ایک محدود تعداد میں چھپنے والا مقامی اخبار ہے، جان ہینسن اس کے ایڈیٹر ہیں، اپنے اخبار کی معمولی شہرت کے لئے ایڈیٹر نے ۳۰؍ستمبر کو نازیبا کارٹون چھاپے، جن کی تعداد ۱۲ تھی۔ اخبار

ڈینش زبان میں چھپتا ہے، اس لئے ڈنمارک میں رہائش پذیر بہت سے مسلمان اس کو نہیں پڑھتے۔ ۳۰ر ستمبر کو جب یہ نازیبا کارٹون چھپے تو چند مسلمانوں نے انہیں دیکھا اور پھر ایک دُوسرے سے ایک میٹنگ میں مشورہ کیا۔ ڈنمارک میں مسلمانوں کی تعداد لگ بھگ ۲ لاکھ ہے، جن کا تعلق مختلف مسلم ممالک سے ہے، اکثریت مشرقِ وسطیٰ سے ہے، وہاں متحرک مسلمان تنظیم نے فیصلہ کیا کہ ان نازیبا کارٹون کی اشاعت پر ایک پُرامن احتجاج کرنا چاہئے اور اخبار کے ایڈیٹر کو احساس دِلانا چاہئے کہ اس سے مسلمانوں کی دِل آزاری ہوئی ہے، لہٰذا وہ معافی مانگے۔ ۱۴ر اکتوبر ۲۰۰۵ء کو کوپن ہیگن میں ایک انتہائی منظّم اور پُرامن ریلی منعقد کی گئی، جس میں تقریباً چار ہزار افراد نے شرکت کی۔ ریلی میں اخبار کے مدیر سے معافی طلب کی گئی، لیکن اس نے صاف انکار کردیا کہ کوئی معافی نہیں مانگی جائے گی، یہ ہماری آزادی کا مسئلہ ہے، دِل آزاری ہوتو ہوا کرے۔

ڈنمارک کے مسلمان کافی پریشان ہوئے، پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ڈنمارک کے وزیرِاعظم جناب آندرے رمسان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے تاکہ ایسی شرمناک حرکت کو آئندہ ہونے سے روکا جائے اور ایڈیٹر کو حکومت احساس دِلائے کہ وہ نازیبا حرکت پر معافی مانگے۔ ڈنمارک میں مقیم مسلمانوں نے اس سلسلے میں اپنے اپنے ملکوں کے سفیروں سے ملاقات کی اور ان سے کہا کہ وہ ان کے جذبات کو ڈنمارک کے وزیرِاعظم تک پہنچادیں تاکہ آئندہ کا تدارک بھی ہوجائے اور موجودہ حرکت کی تلافی بھی۔

اسلامی ممالک کے ۱۱ سفیروں نے مشترکہ درخواست بھیجی تاکہ وزیرِاعظم سے ملاقات ہوسکے اور ان کی توجہ اس خطرناک حرکت کی طرف دِلائی جائے اور معاملے کو خوش اُسلوبی اور مہذّب طریقے سے حل کرالیا جائے۔ وزیرِاعظم نے مسلم سفیروں سے ملنے سے صاف انکار کردیا۔ کمال ہے! ایسا حساس معاملہ اور مؤدّبانہ ملاقات کی گزارش؟ مگر ڈنمارک کے وزیرِاعظم صاحب نے تمام سفارتی اخلاقیات کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے صاف انکار کرکے ڈنمارک کے رہائش پذیر مسلمانوں کی مزید دِل آزاری کی اور ان کو ایک دوراہے پر کھڑا کردیا کہ اب کس کے پاس جائیں، جو ہماری بات سنے؟ یہی وہ وقت تھا جب وزیرِاعظم ڈنمارک یا اس سے پہلے اخبار کے ایڈیٹر اس مسئلے کو ہمیشہ کے لئے دفن کرسکتے تھے، لیکن انہوں نے ایسا مناسب نہیں سمجھا، بلکہ ڈنمارک کے مسلمانوں کو حیرت زدہ اور اس کے ساتھ ساتھ برہم کردیا۔

ڈنمارک کے مسلمانوں نے فیصلہ کیا کہ یہ مسئلہ اب دُوسرے مسلمان بھائیوں کے علم میں لانا چاہئے تاکہ حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں جو گستاخی کی گئی ہے، وہ دوبارہ نہ ہو۔ مسلم رہنما ابولبن نے کارٹونوں پر مشتمل ایک تفصیل بناکر چار وفد: مصر، لبنان، شام اور سعودی عرب روانہ کئے۔ اب نومبر کا مہینہ شروع ہوچکا تھا، بس پھر یہ آگ بھڑک کر پھیلنا شروع ہوگئی۔

۵۷ مسلم ممالک نے مکہ سے ایک مشترکہ بیان میں سخت الفاظ میں اس حرکت کی مذمت کی۔ اِمامِ کعبہ نے مکہ شریف سے اعلان کیا کہ جو حضورِاکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ

مبارک کی شان میں تضحیک کرے، وہ قابلِ گرفت اور سزا کا حقدار ہے۔ سعودی حکومت نے ڈنمارک سے سفارتی تعلقات منقطع کرلئے اور اپنا سفیر واپس طلب کرلیا۔ مشرقِ وسطیٰ کے تمام ممالک نے ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ شروع کردیا۔

مسلمانوں کی مزید دِل آزاری اور ہتک آمیز رویہ رکھتے ہوئے فرانس، اسپین، ناروے اور جرمنی کے اخبارات نے ڈنمارک کی حمایت میں دوبارہ کارٹون کی اشاعت کی اور کہا کہ یہ سب کچھ پریس کی آزادی کے لئے کیا جارہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ کون سی آزادی ہے کہ آپ کسی کو اذیت پہنچانے کا حق مانگتے ہیں؟ یہ آزادی نہیں، بلکہ معاشرتی اور مذہبی خلیج اور نفرت کا اظہار ہے تاکہ مسلمان جو پہلے ہی زخمی ہیں، ان کی مزید تذلیل کی جائے۔

تین ماہ بعد وزیرِ اعظم ڈنمارک کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے ڈنمارک میں مقیم تمام سفیروں کو طلب کرکے اپنا نقطۂ نظر بیان کیا، لیکن مسلم سفیروں نے کہا کہ معاملہ اب حکومتی ذرائع سے دُور نکل گیا اور عوام میں جاچکا ہے۔

اگر واقعات کی یہ ترتیب دیکھ لی جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنا ردِّعمل انتہائی شائستہ اور مہذّب انداز میں اور سفارتی اخلاقیات کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے کیا، اور مسئلے کا منصفانہ اور باعزّت حل چاہا، لیکن ان کو دھتکار دیا گیا اور ان کے جذبات جان بوجھ کر بھڑکائے گئے، اور اب بھی مختلف بیانات کے ذریعے ایسا کیا جارہا ہے۔ یہ ایک فطری ردِّعمل تھا اور ہے، ایسی مذموم حرکت سے (اسلام دُشمنوں کے علاوہ... ناقل) کسی کو

کوئی فائدہ نہیں، پھر بھی یورپی پارلیمنٹ اور یورپی کمیشن اس کی حمایت کر رہے ہیں، آزادیٔ اظہار کی بات کرتے ہیں، حالانکہ جرمنی میں ہٹلر سے ملتا جلتا اشتہار چھاپنے پر، جس سے اس کی تعریف جھلکتی ہو، سات سال قید ہے۔ واہ! ہٹلر سے ملتی جلتی تصویر چھاپنا تو قانوناً جرم ہے، لیکن مسلمانوں کی دِل آزاری اور ان کے نبی کی توہین آزادیٔ صحافت ہے، یہ ہیں مہذّب، تعلیم یافتہ یورپ کی اقدار!'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی: ۱۸؍فروری ۲۰۰۶ء)

جیسا کہ آپ نے دیکھا، یہ گستاخی جے لینڈ پوسٹن، اس کے ایڈیٹر اور آرٹسٹ تک محدود نہیں رہی۔ اگر بالفرض یہ خاکے لاعلمی میں شائع ہوئے تھے، یا آزادیٔ اظہار کی غلط فہمی کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، تو جب یہ معلوم ہوگیا کہ ان کی اشاعت سے ۵۷ اسلامی ممالک اور دُنیا بھر کے ڈیڑھ اَرب مسلمانوں کی دِل آزاری ہوئی ہے، تو نہ صرف یہ کہ ان کی اشاعت روک دی جاتی، بلکہ ان کی اشاعت پر ایڈیٹر اور آرٹسٹ کو مسلمانوں سے معافی مانگنا چاہئے تھا، بلکہ ڈنمارک حکومت کا فرض تھا کہ وہ اس بدباطن آرٹسٹ، ایڈیٹر اور اخبار کے خلاف تأدیبی کارروائی کرتی، مگر افسوس کہ اس کے برعکس اس نے ان کی پشت پناہی شروع کردی، صرف یہی نہیں بلکہ دُوسرے یورپی ممالک نے بھی اس بے حیائی و بے شرمی میں ان کا ساتھ دیا۔ چنانچہ ۱۰؍جنوری کو یہ خاکے ناروے کے ایک جریدے ''کرسٹین میگزین'' نے شائع کئے۔ اسی طرح ناروے کے ایک بڑے اخبار ''راگ بلاوت'' نے بھی انہیں انٹرنیٹ پر جاری کیا اور ۱۲؍جنوری کو اخبار میگزنیٹ (MAGAZINAT) نے انہیں دوبارہ شائع کرنے کی ناپاک جسارت کی، اس کے ساتھ ساتھ نیوزی لینڈ اور ہالینڈ کے اخبارات نے بھی ان دِل آزار خاکوں کو شائع کیا، جبکہ یکم فروری ۲۰۰۶ء کو فرانسیسی میگزین ''چارلی بیب دو'' اور روزنامہ ''سائرفرانس'' نے بھی انہیں شائع کرکے ان گستاخوں کا ساتھ دیا، اسی

طرح ۸؍فروری کو ان جریدوں نے ان خاکوں کو دوبارہ شائع کر کے مسلمانوں کے دِل زخمی کئے اور ۸؍فروری کو ہی امریکا کے ''فلاڈیلفیا انکوائر'' اور ''نیویارک سن'' نے بھی ان دِل آزار خاکوں کو شائع کر کے اپنی بدبختی اور اسلام دُشمنی کا مظاہرہ کیا، ۹؍فروری کو یہ خاکے یمن کے ایک اخبار نے اور ۱۰؍فروری کو رُوسی میوزیم کے ڈائریکٹر نے ان خاکوں کی باقاعدہ اشاعت کا اعلان کیا۔

اس کے علاوہ بی بی سی لندن، سی این این، اے بی سی، واشنگٹن پوسٹ، نیویارک ٹائمز بھی اس دریدہ دہنی میں کسی سے پیچھے نہیں رہے، بلکہ اخباری اطلاعات کے مطابق اب امریکا میں اس کے لئے باقاعدہ ایک ویب سائٹ بنالی گئی ہے، جس پر دُنیا جہاں کے شقی ازلی، توہینِ رسالت اور عداوتِ اسلام پر مبنی خاکے بھیج اور دیکھ سکتے ہیں۔

ان بدباطنوں نے جس بے شرمی، ڈھٹائی اور شرمناک انداز میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین وتنقیص اور گستاخی کا ارتکاب کیا ہے، اس سے مسلمانوں کی قوّتِ برداشت جواب دے گئی ہے، پوری اُمتِ مسلمہ اور عالمِ اسلام اس پر سراپا احتجاج ہے۔ بلاشبہ ان بدباطنوں نے مسلمانوں کی غیرت کو للکارا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخانہ کارٹون اور توہین آمیز خاکے بنانے اور شائع کرنے کے بعد گویا انہوں نے کھلا اعلانِ جنگ کردیا ہے۔ اب دیکھتے ہیں کہ اس جنگ میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا کس حد تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کا تحفظ کرتے ہیں؟ اور دُشمنانِ رسول سے کس حد تک اپنی نفرت و بیزاری کا ثبوت دیتے ہیں؟

جہاں تک اب تک کی صورتِ حال کا تعلق ہے، تو بحمداللہ! دُنیا بھر کے تمام مسلمانوں نے دُنیائے کفر پر تھوکنے، ان کے اس متعصّبانہ اور قابلِ گردن زدنی کردار سے بھرپور نفرت کا اظہار کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اب سمجھ چکے ہیں کہ دُنیائے

کفر، ان کو کس غار میں دھکیلنا چاہتی ہے۔

غالباً یہود و نصاریٰ اور ان کے سرپرستوں کو اس کا اندازہ نہیں ہے کہ مسلمان خواہ کیسا ہی بے عمل یا بدعمل کیوں نہ ہو، مگر اس کو اپنے نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم سے بے پناہ والہانہ تعلق اور غیرمعمولی محبت وعقیدت ہے، اور وہ اس محبت وعقیدت کے تعلق پر کسی سودے بازی کا روادار نہیں۔ دُنیائے کفر کا خیال تھا کہ ہم نے مسلمانوں کو عیسائی و بے دِین بنانے کے لئے این جی اوز کا جال بچھایا، بودو باش اور لباس و پوشاک کے اعتبار سے بالفعل مسلمانوں کو غیرمسلم بنایا، مسلمانوں کے مقابلے میں امریکی بغل بچہ یہودی اسرائیل کی سرپرستی کی، فلسطینی مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، ان کی نسل کشی کی، بیروت ولبنان کی اینٹ سے اینٹ بجائی، کوسوو اور چیچنیا کے مسلمانوں کو تہہ خاک کیا، افغانستان وعراق پر چڑھائی کی، وہاں لاکھوں مسلمانوں کا قتلِ عام کیا، مسلمانوں کی عزّتیں اور عصمتیں پامال کیں، پچاس سال سے کشمیری مسلمانوں کو حقِ خود ارادیت سے محروم رکھا، سعودی عرب کی معیشت پر ڈاکا ڈالا، غرضیکہ جہاں جو چاہا کیا، مگر اس کے آگے کسی نے چوں نہیں کی، تو آئندہ بھی ہماری راہ میں کوئی رُکاوٹ نہیں بنے گا۔ جب اس نے یہ مراحل بآسانی طے کرلئے، مسلمانوں کی معیشت اور ان کے وسائل پر قبضہ جمالیا، تو اس کا اگلا ہدف اور نشانہ مسلمانوں کا دِین و مذہب تھا۔ چنانچہ اس نے اب مسلمانوں کی محبوب از دِل و جان ہستی، حضرت محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر براہِ راست حملہ کرنے کا ناپاک منصوبہ بنایا، اس کا خیال تھا کہ مسلمان اس کو بھی اسی طرح باآسانی ہضم کرلیں گے، جس طرح انہوں نے اب تک اپنے خلاف کئے جانے والے تمام ناپاک اقدامات کو برداشت کرلیا ہے، لیکن موجودہ عالمی احتجاج کی صورتِ حال سے دُنیائے کفر کو اندازہ ہوجانا چاہئے کہ مسلمان چاہے کتنا ہی گناہوں کی دَلدل میں دَھنسا ہوا کیوں نہ ہو، مگر وہ ذاتِ نبوی کی ادنیٰ سے ادنیٰ گستاخی اور توہین وتنقیص برداشت نہیں کرسکتا، بلکہ گستاخِ نبی کے بارے میں

مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ:

۱:... **’’مَلْعُوْنِیْنَ اَیْنَ مَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا‘‘** (الاحزاب:۶۱)

ترجمہ:... ’’ایسے ملعون جہاں بھی پائے جائیں ان کو پکڑا جائے، اور ان کو پرزے پرزے کردیا جائے۔‘‘

۲:... **’’اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الْاَبْتَرُ.‘‘** (الکوثر:۳)

ترجمہ:... ’’بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عیب لگانے والوں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔‘‘

۳:... **’’اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا‘‘** (الاحزاب:۵۷)

ترجمہ:... ’’اور جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے ہیں، ان کے لئے دُنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور ان کے لئے ذِلت کا عذاب تیار کیا گیا ہے۔‘‘

صرف یہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے اور حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے لے کر آج تک پوری اُمتِ مسلمہ اور علمائے اُمت کا اجماع و اتفاق ہے کہ:

’’سیّدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں صراحتاً، کنایتاً گستاخی کرنے والا کافر ہے، اگر توبہ نہ کرے تو واجب القتل ہے، اور اگر کوئی غیرمسلم اس گستاخی کا ارتکاب کرے تو مباح الدم ہے۔‘‘ (الصارم المسلول، ابن تیمیہؒ)

اس لئے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ مسلمان اور محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ گار

سے گناہ گار نام لیوا، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا کسی بھی نبی کی توہین و تخفیف قطعاً برداشت نہیں کرسکتا۔

موجودہ صورتِ حال میں ایک طرف اگر پوری دُنیا کے ڈیڑھ اَرب مسلمان سراپا احتجاج ہیں تو دُوسری طرف دُنیائے کفر، ان بدقماش شاتمین اور توہینِ رسالت کے مرتکبین کی پشت پناہی اور تحفظ پر کمربستہ ہے، بلکہ ان کی ہم نوائی میں اس حد تک ہرزہ سرا ہے کہ ...نعوذ باللہ...: ’’ہمیں خدا کے کارٹون بنانے کا بھی حق حاصل ہے۔‘‘

(روزنامہ ’’خبریں‘‘ کراچی ۲؍فروری ۲۰۰۶ء)

آزادیٔ اظہارِ رائے کے دعویدار، ان شاتموں سے کوئی پوچھے کہ تمہیں مسلمانوں کی توہین و تنقیص، ان کے دِین و مذہب اوران کے نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کے وقت تو آزادیٔ اظہارِ رائے کا شدّت سے احساس وخیال آتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ تمہارا یہ احساس، خیال اور جنون تمہیں ’’ہولوکاسٹ‘‘ کے قانون کے خلاف زبان کھولنے اور لکھنے کی جرأت کیوں نہیں ہوتی؟ وہاں تمہارے آزادیٔ اظہارِ رائے کے جذبہ کو کیوں سانپ سونگھ جاتا ہے...؟

’’ہولوکاسٹ‘‘ کا مفہوم اور اس کا پسِ منظر یہ ہے کہ یہودیوں نے پراپیگنڈا کیا کہ: ’’جرمنی میں ہمارا قتلِ عام کیا گیا اور ساٹھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا گیا، لہٰذا ہمیں الگ ملک دیا جائے‘‘ ان کے اس پراپیگنڈے کی وجہ سے ان کو اسرائیلی ریاست دے دی گئی، مگر جب تحقیق ہوئی تو ان کا دعویٰ جھوٹا نکلا، تب انہوں نے قانون بنوادیا کہ یہودیوں کے اس دعویٰ کو چیلنج نہیں کیا جاسکے گا، لہٰذا ’’ہولوکاسٹ‘‘ کے اس قانون کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اس یہودی دعویٰ کے خلاف بولے اور لکھے گا وہ قابل گردن زدنی ہوگا، لہٰذا اس کے بعد سے آج تک کوئی اس کے خلاف بول اور لکھ نہیں سکتا حتیٰ کہ اس پر تحقیق بھی نہیں کرسکتا، اب سوال یہ ہے کہ اس ہولوکاسٹ کے قانون کے خلاف کسی کو آزادیٔ اظہارِ رائے کا خیال کیوں نہیں آتا...؟

بلاشبہ ڈنمارک، اِٹلی، جرمنی، فرانس اور ناروے اس شیطنت میں سب سے بڑھ کر ہیں، جبکہ امریکا بھی اس سلسلے میں دِلی اور اندرونی طور پر ان کا ہم نوا ہے، مگر اس کا کردار خالص منافقانہ ہے، یہی وجہ ہے کبھی کبھی تو: ”قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ“ کے مصداق وہ بھی اپنے خبثِ باطن کو اُگلنے پر مجبور ہوجاتا ہے، تاہم آسمان پر تھوکنے سے آسمان کا کچھ نہیں بگڑتا، مگر تھوکنے والے کا منہ ضرور خراب ہوجاتا ہے...!

دراصل امریکا اس صورتِ حال سے دُہرا فائدہ اُٹھانا چاہتا ہے، ایک طرف وہ اپنے مقابلے میں آنے والی یورپی یونین کو کمزور کرنا اور اس کی ساکھ کو بین الاقوامی طور پر متہم کرنا چاہتا ہے، دُوسری طرف وہ مسلمانوں کے اعصاب کو کمزور کرکے ان پر دُنیائے کفر کا رُعب بٹھانا چاہتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ ان کو اپنے آپ سے دُور بھی نہیں کرنا چاہتا، اس لئے کبھی کبھی وہ مسلمانوں کے ساتھ جھوٹی ہم نوائی دِکھانے کی غرض سے ایک آدھے بیان سے وہ ان کی ہمدردیاں حاصل کرنا چاہتا ہے۔

تاہم دُنیائے مغرب اور امریکا کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مسلمان اپنے نبیؐ کی عزّت وعظمت اور حرمت و ناموس پر سب کچھ قربان تو کرسکتا ہے مگر اس پر آنچ نہیں آنے دے گا۔

مسلمانوں کی چودہ سو سالہ تاریخ گواہ ہے کہ انہوں نے آج تک دِین، مذہب، اسلام، شعائرِ اسلام اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کا تحفظ کیا ہے، اور جس بدبخت نے کبھی کوئی ایسی حرکت کرنے کی ناپاک کوشش کی، اسے صفحۂ ہستی سے مٹادیا گیا۔ چنانچہ اَسوَدعنسی اور مسیلمہ کذّاب سے لے کر یوسف کذّاب تک تمام مدعیانِ نبوّت، مسیحیت، مہدویت کی تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں نے ایسے گستاخوں کے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین کو پاک کردیا۔

آج اگر راج پال کے جانشین موجود ہیں تو بحمداللہ! غازی علم الدین شہیدؒ

اور حاجی مانکؒ کے نام لیوا بھی موجود ہیں، اس لئے مغرب اور اس کے سرپرستوں کو چاہئے کہ وہ اپنی اس ناپاک رَوِش سے باز آجائیں، ورنہ دُنیا کا امن تہہ و بالا ہوسکتا ہے، اگر مسلمانوں کی مقدس ہستیاں خصوصاً حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عزّت و ناموس محفوظ نہ رہی تو دُنیا کی کوئی شخصیت بھی محفوظ نہیں رہے گی۔

اس موقع پر مسلمانوں نے جس ملّی غیرت وحمیت اور اتحاد و اتفاق کا مظاہرہ کیا اور اس مذہبی دہشت گردی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی ہے، وہ لائقِ صد تبریک اور قابلِ صد مبارک باد ہے، خصوصاً سعودی عرب، مصر اور لیبیا اس سلسلے میں سب سے سبقت لے گئے، سیاسی و مذہبی راہ نماؤں، وکلاء، ججوں، صحافیوں اور اخبارات، اسکول و کالج کے اساتذہ وطلبہ، بچوں، بڑوں، خواتین، سرکاری اور غیرسرکاری ملازمین، خصوصاً تاجر برادری، اسی طرح پاکستان بھر کے تمام غیور مسلمانوں نے جس طرح بیدار مغزی، ہمت و جرأت اور حمیت و غیرت کا ثبوت دیتے ہوئے اس گھناؤنے جرم کے خلاف بھرپور احتجاج کیا ہے، اس کی جتنا بھی تعریف کی جائے، کم ہے۔

اس تکلیف دہ اور اعصاب شکن صورتِ حال کا حیران کن، اُمید افزا اور روشن پہلو یہ ہے کہ: گیارہ ستمبر کے سوچے سمجھے منصوبے اور ڈرامے کے بعد دُنیا بھر میں مسلمانوں کا جینا دوبھر کردیا گیا تھا، انہیں تشدّد پسند، دہشت گرد، مذہبی جنونی اور بنیاد پرست باور کرایا گیا، ان کو طعن وتشنیع اور اِستخفاف وتضحیک کا نشانہ بنایا گیا، بنیاد پرستی کو دہشت گردی کی جڑ اور مسلمانوں کو اس کا منبع قرار دیا گیا، الغرض مسلمانوں کو اس ڈرامے کی آڑ میں اس قدر بدنام کیا گیا کہ دُنیائے کفر کے ساتھ ساتھ سیدھے سادے مسلمان بھی اس پراپیگنڈے سے متأثر ہوئے اور وہ بھی مسلمانوں کو دہشت گرد، بنیاد پرست اور مذہبی جنونی سمجھنے لگے۔

یوں دُنیا بھر میں مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کردیا گیا، انہیں ہر سزا کا مستحق گردانا گیا، ان کو پابندِ سلاسل کیا گیا، گوانتانامو بے اور بدنامِ زمانہ ابوغریب

جیل میں ان پر انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے، غرضیکہ ''مسلمان'' کو گالی کا درجہ دے دیا گیا، یہ اس کا ثمرہ ہے کہ مسلمانوں کو نہ صرف مغربی ممالک میں، بلکہ ان کو اسلامی ممالک میں بھی امن و اطمینان سے رہنے کے حق سے محروم کردیا گیا، اور انہیں اسلامی روایات، مذہبی رُسومات، اسلامی وضع قطع اور لباس و پوشاک اپنانے میں شدید مشکلات کا سامنا رہا۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ مسلمان دِفاعی اعتبار سے اتنے پیچھے چلے گئے کہ آئندہ بیس سال تک وہ اپنی سابقہ پوزیشن بحال نہیں کرسکیں گے، اور انہیں اپنے خلاف پھیلائے گئے اس منفی پراپیگنڈے کے گردوغبار کو صاف کرنے میں خاصا وقت لگے گا، یہی وجہ تھی کہ مسلمان ۱۱ر ستمبر کے ڈرامے کے بعد کچھ کرنے کے بجائے اپنی صفائیاں پیش کرنے اور اپنے دِفاع پر مجبور ہوگئے تھے۔

لیکن: ''ہر شر میں خیر ہوتی ہے'' کے مصداق مغرب کی اس گستاخی، گندہ ذہنی، متعصّبانہ رویہ، معاندانہ انداز اور ہٹ دھرمی سے مسلمانوں کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ:

۱:... پوری دُنیا کے مسلمان متحد ہوگئے اور مغرب کا تعصب، مذہبی جنون، دہشت گردی، تشدّد پسندی اور تنگ نظری کھل کر سامنے آگئی۔ چنانچہ مسلمانوں کے اس دریدہ دہنی کے خلاف پُرامن احتجاج، اس پر مغرب کی ڈھٹائی اور فرعونیت سے بحمدللہ! وہ دِفاع سے اِقدام کی پوزیشن میں آگئے، یوں کل تک کا فرعون امریکا، اس کے حواری مغربی ممالک اور یورپی یونین آج اپنے دِفاع اور وضاحتوں پر مجبور ہیں۔

۲:... ان حیا سوز کارٹونوں اور توہین آمیز خاکوں کی مسلسل اشاعت، اس پر کسی ندامت و شرمندگی کے نہ ہونے، اس گستاخی پر معذرت نہ کرنے اور دُنیا بھر کے ڈیڑھ اَرب مسلمانوں کے بھرپور احتجاج کو خاطر میں نہ لانے اور مغربی رویہ نے ثابت کردیا کہ بنیاد پرست مسلمان نہیں، بلکہ مغرب، بدقماش امریکا اور اس کے حواری ہیں،

لہٰذا اس صورتِ حال سے ہر شخص کھلی آنکھوں مشاہدہ کرسکتا ہے کہ بنیاد پرست، دہشت گرد، دُنیا کے امن و امان کو خراب کرنے اور انتہا پسندی کو ہوا دینے کے درپے مسلمان ہیں یا مغربی دنیا...؟

۳:... اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ: امریکا بہادر اور مغرب سے متأثر بلکہ ان سے ڈرے سہمے مسلم حکمرانوں میں یہ جرأت پیدا ہوگئی ہے کہ وہ بھی ان کے خلاف زبان کھولنے لگے ہیں اور دبے لفظوں میں وہ بھی مسلمانوں کی ہم نوائی میں اپنے آقاؤں کی زیادتیوں کا اظہار کرنے لگے ہیں، خدا کرے ان کو اَب یہ بات سمجھ میں آجائے کہ دہشت گرد مسلمان نہیں مغرب ہے اور مسلمانوں پر چڑھائی کے بجائے ان کے خلاف محاذ بنانے کی ضرورت ہے جو ہماری جان، مال، عزّت، آبرو، دِین، مذہب اور ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت و ناموس کے درپے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ اس وقت تک اپنا پُرامن احتجاج جاری رکھیں جب تک کہ یہ بین الاقوامی دہشت گرد، بنیاد پرست اور مذہبی جنونی اپنی اس شرارت سے باز نہ آجائیں، اور کھلے عام اس گستاخی کی معافی مانگ کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے توہینِ رسالت کے مرتکبین کے خلاف قانون سازی نہ کرلیں۔

ہمارے خیال میں اس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ایسے تمام ممالک سے تجارتی اور سفارتی تعلقات اس وقت تک کے لئے منقطع کرلئے جائیں اور ان کی مصنوعات کا مکمل بائیکاٹ کیا جائے، جب تک کہ ان کی فرعونی گردنیں سرنگوں نہ ہوجائیں، اگر مسلمان اس حکمتِ عملی کو ہوش مندی اور پُرامن طریقے سے اپنائے رکھیں گے تو اِن شاء اللہ! یہ فرعون بہت جلد گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہوجائیں گے۔

اس کے ساتھ ساتھ میں یہ بھی عرض کروں گا کہ ہمارے اربابِ اقتدار کو اس پر بھی غور کرنا چاہئے، بلکہ انہیں اب یہ بات سمجھ میں آجانی چاہئے کہ پاکستان میں نافذ قانون توہینِ رسالت کس قدر مفید ہے؟ اور اس کی کس قدر شدید ضرورت ہے؟ لہٰذا

اسے بالکل نہ چھیڑا جائے، اگر خدانخواستہ اس قانون کو منسوخ کیا گیا تو کوئی بھی ازلی بدبخت توہینِ رسالت کا ارتکاب کرکے ملکی امن وامان کو تہہ و بالا کرسکتا ہے۔

جہاں تک امریکا بہادر اور نام نہاد انسانی حقوق کی تنظیموں کی جانب سے اس قانون کی منسوخی کے مطالبہ اور اصرار کا تعلق ہے، دیکھا جائے تو اس کے پیچھے بھی یہی ناپاک عزائم کارفرما ہیں کہ اس قانون کی منسوخی کے بعد اپنے کسی آلۂ کار کے ذریعہ اس دریدہ دہنی کا ارتکاب کرکے مسلمانوں کو کرب و ابتلا سے دوچار کیا جائے اور حکومتِ پاکستان کے لئے مشکلات اور اپنے ناپاک منصوبوں کے لئے سندِ جواز مہیا کی جائے۔

اربابِ اقتدار کو اگر ملک وقوم، دِین و مذہب اور نبیٔ اُمی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذراسا بھی تعلق ہے تو انہیں اس سازش کا احساس و ادراک کرتے ہوئے اس کو ناکام بنانا چاہئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی دِلی وابستگی کا ثبوت دینا چاہئے، اگر مسلمان ایسا نہیں کرسکتے تو اِمام مالک رحمہ اللہ کے بقول انہیں زندہ رہنے کا حق نہیں، کیونکہ:

''ما بقاء الأُمّة بعد شتم نبيّها.''

(احسن البیان فی تحقیق مسئلۃ الکفر والایمان،ص:۶۰)

ترجمہ:...''اس اُمت کی کیا زندگی اور کیا جینا ہے؟ کہ جس کے نبی پر گالیاں پڑتی ہوں۔''

ایک مسلمان کی حیثیت سے ان گستاخانِ نبوّت اور شاتمینِ رسالت کے خلاف ہمارے جذبات اور ہماری کم ازکم جدوجہد کیا ہونی چاہئے؟ اس کے لئے خانقاہِ رائے پور کے گلِ سرسبد، اِمام الاولیاء حضرت اقدس مولانا سیّد انور حسین نفیس شاہ الحسینی دامت برکاتہم، نائب امیر عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کا درج ذیل ارشاد ہمارے دِل کی آواز ہے، حضرت مدظلہٗ فرماتے ہیں:

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کی جسارت کرنے والے یورپی اخبارات کے ذمہ داران صرف اور صرف قتل کے لائق ہیں، اس کے علاوہ ان کا کوئی علاج نہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے ہمت عطا کی ہوتی تو میرا طرزِ عمل یہی ہوتا، کسی بھی طریقے سے احتجاج میں شرکت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا جذباتی انداز ہے، اس لئے احتجاجی مظاہروں میں شرکت بھی سعادت ہے، مگر احتجاج پُرامن ہونا چاہئے۔''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی ۲۱؍فروری ۲۰۰۶ء)

اس لئے ہر مسلمان کو اپنی استعداد وحیثیت کے مطابق سعی وکوشش کرکے تحریک تحفظ ناموسِ رسالت میں بھرپور کردار ادا کرنا چاہئے، یوں محبتِ نبوی کا اظہار اور شفاعتِ نبوی کے حصول کی کوشش کرنی چاہئے۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی صفر ۱۴۲۷ھ - مارچ ۲۰۰۶ء)

فلم ''دی میسج''

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

جیو ٹی وی کی جانب سے نشر کردہ توہینِ رسالت پر مشتمل فلم ''دی میسج'' کی آمدنی سے زلزلہ زدگان کی امداد کے حوالہ سے مدیر ''بینات'' کو روزنامہ ''جنگ'' کے ایک قاری کا خط موصول ہوا، تو مدیر ''بینات'' نے اس کا جواب لکھا، اب مدیر ''بینات'' کے مرض کی وجہ سے سائل کا خط اور اس کا جواب ''بصائر وعبر'' کی جگہ افادۂ عام کے لئے شائع کیا جارہا ہے۔

''سوال:... بلا تمہید عرض ہے کہ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ کے مقدس مہینے میں مملکتِ پاکستان کو زلزلے کی تباہ کاریوں کی بدولت شدید نقصان پہنچا، اس مشکل گھڑی کا مقابلہ کرنے کے لئے ملک کی دِینی و سیاسی تنظیمیں، رفاہی ادارے اور حکومتِ پاکستان بھی زلزلہ زدگان کی مدد کے لئے کمربستہ ہوگئیں، کیبل کے ذریعے نشریات پیش کرنے والے ایک نجی اور پرائیویٹ چینل ''جیو ٹیلی ویژن'' نے بھی اس سلسلے میں اپنی

سرگرمیاں تیز کردیں، ان ہی دنوں جیو ٹیلی ویژن سے ایک فلم، جس کا نام ''دی میسج'' (The Message) ہے، کی جھلکیاں بار بار دِکھائی جانے لگیں اور اس فلم کے اشتہارات پاکستان کے سب سے بڑے اُردو روزنامہ ''جنگ'' میں بھی شائع ہونے لگے، جیو ٹیلی ویژن یہ بات بھی نشر کررہا تھا کہ اس فلم سے ہونے والی آمدنی سے زلزلہ زدگان کی مدد کی جائے گی، لیکن یہ بات نہیں بتائی گئی کہ فلم دیکھنے سے کس طرح آمدنی ہوگی؟ اور کس طرح زلزلہ زدگان کی مدد کی جاسکے گی؟

مولانا صاحب! جس شخص نے یہ فلم بنائی ہے، اس کا کہنا ہے کہ یہ فلم اسلام کو سمجھنے میں معاون ثابت ہوگی، غیرمسلموں کے سامنے اسلام کو صحیح طور پر پیش کیا جاسکے گا، یہ فلم دیکھنے سے ایمان تازہ اور مضبوط ہوگا...نعوذ باللہ...

فلم کے ڈائریکٹر کا کہنا ہے کہ یہ فلم حقیقی واقعات پر مبنی ہے، اس کی تیاری کے لئے جامعہ الازہر کے مفکرین اور اسکالروں کی مدد حاصل کی گئی ہے، یہ فلم انگریزی زبان میں بھی نشر کی گئی اور اُردو ترجمے کے ساتھ بھی نشر کی جارہی ہے، جس وقت میں یہ سطور قلم بند کر رہا ہوں، اس وقت تک اس فلم کو تین مرتبہ چلایا جاچکا ہے، جیو ٹیلی ویژن اس فلم کا بہت چرچا کررہا ہے اور ایسے پروگرام بھی نشر کررہا ہے، جس میں اس فلم سے متعلق تعریفیں کی جارہی ہیں۔ الحمدللہ! میں نے پوری فلم تو نہیں دیکھی، لیکن چند جھلکیاں دیکھی ہیں، جو آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

فلم میں نہ صرف اسلام سے قبل زمانۂ جاہلیت کے دور کی منظرکشی کی گئی ہے، بلکہ بڑے بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم،

مثلاً: حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور دیگر مقدس ہستیوں کا مختلف اداکاروں نے باقاعدہ کردار ادا کیا ہے، معاذ اللہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا اَذان دینا، ان پر کافروں کی جانب سے سختیاں کیا جانا، وغیرہ، فلم بند کیا گیا ہے، نعوذ باللہ... حتیٰ کہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدسہ کا بھی کسی ملعون اداکار نے کردار ادا کیا ہے، نعوذ باللہ... فلم میں اس آدمی کا چہرہ تو واضح نہیں ہے، لیکن اسے چلتے پھرتے دِکھایا گیا ہے۔

یہ الفاظ لکھتے ہوئے میرے ہاتھ کانپ رہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ شریف ہجرت کے واقعہ کی نعوذ باللہ منظرکشی کی گئی ہے، دِکھایا گیا ہے کہ دف بجائے جارہے ہیں، لوگ انتظار میں کھڑے ہیں، ایک شخص جس کا چہرہ واضح نہیں ہے، سفید اُونٹ پر سوار آرہا ہے ...نعوذ باللہ، استغفر اللہ....

فلم کی ایک اور جھلکی میں دِکھایا گیا ہے کہ بت رکھے ہوئے ہیں، ایک شخص چھڑی کی مدد سے بتوں کو گراکر توڑ رہا ہے، معاذ اللہ... میرے جان پہچان کے لوگوں میں سے جنھوں نے فلم دیکھی ہے، ان کا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے اُوپر فلم بنائی گئی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینے ہجرت کرجانے کے دوران غار میں سیّدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہمراہ قیام کرنا، غار کے منہ پر مکڑی کا جالا بننا، کبوتر کا انڈے دینا، مدینہ منوّرہ میں مسجدِ نبوی کی تعمیر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اِینٹیں اُٹھا اُٹھا کر لانا، حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے گھر قیام کرنا وغیرہ، باقاعدہ ڈائیلاگ کے ساتھ فلمایا گیا ہے۔ ...نعوذ باللہ۔

مولانا صاحب! مندرجہ بالا باتیں لکھنے کی مجھ میں سکت نہیں تھی، لیکن لوگ اس انداز میں یہ فلم دیکھ رہے ہیں کہ جیسے اس میں کچھ ہے ہی نہیں، میڈیا کے ذریعے یہ بات پھیلائی جارہی ہے کہ یہ فلم حقیقی واقعات پر مبنی ہے، لوگوں کے اندر یہ زہر تیزی سے سرایت کررہا ہے اور انہیں کچھ خبر ہی نہیں ہے، آپ کے علم میں یہ بات لانا ناگزیر ہوگیا تھا، اس لئے بار بار توبہ کرنے کے بعد لکھنا شروع کیا، یہ سطور لکھتے ہوئے بھی توبہ کررہا ہوں، دِل خون کے آنسو رورہا ہے، ہاتھ کپکپارہے ہیں، جسم پر لرزہ طاری ہے، ہائے! ان مسلمانوں کا کیا ہوگا؟ جو اتنی بڑی توہین برداشت کررہے ہیں؟ توہینِ رسالت کو توہین نہیں سمجھ رہے؟

مجھے ابتدائے رمضان ہی میں یعنی جب فلم کی نمائش شروع کی گئی تھی، ان خرافات کا علم بذریعہ جھلکیاں ہوگیا تھا، لیکن میں یہ باتیں لکھتے ہوئے ڈَر رہا تھا، کانپ رہا تھا، ہمت نہیں ہورہی تھی، کہ کہیں ایسا لکھنا بھی توہینِ رسالت میں شامل نہ ہوجائے ... یااللہ! مجھے معاف فرما... جب یہ زہر مسلسل گھولا جانے لگا، تو مجبوراً قلم اُٹھایا۔

جیو ٹیلی ویژن نے اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ اِفطار کے وقت جیو ٹیلی ویژن پر دِکھائی جانے والی اَذان میں بھی اس فلم کے چند مناظر دِکھائے گئے، یہ خرافات اس تیزی سے پھیل رہی ہیں کہ جن لوگوں نے یہ فلم یا اس فلم کا کچھ حصہ دیکھا ہے، وہ اس کو بُرا سمجھنے پر بھی تیار نہیں ہیں، اگر سمجھاؤ، تو کہتے ہیں: ''اس میں تو سچے مناظر دِکھائے گئے ہیں'' بعض کا کہنا ہے کہ: ''اگر کسی کو پڑھنا نہ آتا ہو، تو وہ دیکھ کر ہی اسلام کے ابتدائی حالات

و واقعات کا مطالعہ کرسکتا ہے“ کچھ کا کہنا ہے کہ: ”بے شک اس
فلم میں سیّدنا ابوبکر صدیق، ابوسفیان، حضرت بلال، حضرت ابو
ایوب انصاری اور دیگر اکابر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا کردار ادا کیا
گیا ہے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہیں بھی بولتے ہوئے نہیں
دِکھایا گیا اور نہ ہی واضح شکل دکھائی گئی ہے“ گویا ان لوگوں کے
نزدیک اس فلم میں کوئی قابلِ ممانعت بات ہی نہیں پائی جاتی،
اس طرح کی باتیں مسلمانوں، بلکہ اپنے حلقۂ احباب کی زبانوں
سے سن کر کلیجہ جیسے پھٹ رہا ہے، سینہ غم کے مارے چاک ہوا
جارہا ہے، اے کاش! کہ زمین شق ہوجاتی اور میں اس میں
سماجاتا، کاش! ایسی فلم میری زندگی میں نہ بنتی۔

پہلے تو مغربی ممالک کے عیسائی حضرات نے حضرت
عیسیٰ علیہ السلام پر اور یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی
زندگی پر فلم بنانے کی ناپاک جسارت کی تھی، لیکن اب تو جامعہ
الازہر کی مدد سے ایک نام نہاد مسلمان نے بھی ایسا کر ڈالا،
افسوس ہے! ان ناسمجھ مسلمانوں پر، جو اس فلم کی تشہیر کے لئے
کام کررہے ہیں اور جو یہ فلم دیکھ رہے ہیں۔

مولانا صاحب! اب میں چند باتیں دریافت کرنا چاہتا
ہوں، خدارا جلد از جلد جواب عنایت فرمایئے، تاکہ میں اپنے
مسلمان بھائیوں یعنی جو جیو ٹیلی ویژن کے خطرناک جال میں
دانستہ یا نادانستہ پھنس گئے ہیں اور اس ٹی وی چینل کے مکر و
فریب میں آکر اس فلم کے بنانے والوں اور دیکھنے والوں کو صحیح
سمجھ رہے ہیں، کے سامنے آپ کا جواب بطور دلیل پیش
کرسکوں۔

✡...جن لوگوں نے یہ فلم بنائی ہے، جامعہ الازہر کے
اسکالرز جنھوں نے اسے پاس کیا ہے، جن لوگوں نے اس فلم
میں کردار ادا کیا ہے، فلم دیکھی ہے، نشر کی ہے، نشر کرنے میں
معاونت کی ہے، یا اس فلم کے حق میں دلائل دے کر لوگوں کو
بہکایا ہے، ان کے متعلق قرآن وسنت اور فقہِ حنفی کی روشنی میں کیا
حکم ہے؟

✡... پاکستان کا سب سے بڑا اُردو اخبار ”جنگ“ بھی
اس فلم کے اشتہارات وغیرہ چھاپ کر اس فلم کی خوب تشہیر کررہا
ہے، اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کیا یہ گمراہی پھیلانے میں
معاونت کرنا نہیں ہے؟

✡... موجودہ صورتِ حال میں ”جنگ“ اخبار پڑھنا
شرعاً کیسا ہے؟

✡...اگر کسی نے یہ فلم یا اس کا کچھ حصہ دیکھ لیا ہو، لیکن
اب توبہ کرنا چاہتا ہو، تو اس کا کیا طریقہ ہے؟ کیا کفارہ ہے؟

✡... بحیثیت مسلمان ہمیں اس فلم کے خلاف کس
طرح کے عملی اقدامات کرنے چاہئیں؟

✡...اگر کسی شخص کو یہ فلم دیکھنے سے روکا جائے اور وہ
تجسّس میں آکر خدانخواستہ یہ فلم دیکھ لے، تو کیا اس کا گناہ اس
شخص پر بھی ہوگا، جس نے اُسے یہ مکروہ فلم دیکھنے سے روکا تھا؟
میں اور میرے بھائی وغیرہ اسی خیال کی وجہ سے اس فلم کا تذکرہ
کرنے سے بھی ڈَر رہے ہیں، کیونکہ اگر کسی سے کہا جائے تو وہ
اس فلم کے حق میں طرح طرح کی تأویلات پیش کررہے ہیں۔

مولانا صاحب! براہ مہربانی جلد از جلد جواب عنایت

فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام مسلمانوں کو قوت کے ساتھ ان خرافات کا مقابلہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہم سب کے ایمان کی حفاظت فرمائے، میری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے، آپ کو اور تمام مسلمانوں کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی غلامی میں ہی خاتمہ فرمائے، اللہ تعالیٰ علمائے اہلِ حق، علمائے اہلِ سنت والجماعت کی حفاظت فرمائے، ہمیں صراطِ مستقیم پر چلنے اور علمائے اہلِ سنت سے قدم قدم پر رہنمائی لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ حمزہ علی، کراچی۔“

جواب:... برادرِ عزیز! جذبات سے لبریز آپ کا خط پڑھ کر ایمان تازہ ہوگیا، افسوس! کہ آپ کا رمضان کا لکھا ہوا خط مجھے ادارہ ”جنگ“ میں کام کرنے والے کرم فرماؤں کی مہربانی سے آج ۲۰؍ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ کو ملا ہے، گویا پورے آٹھ ماہ بعد یہ خط ملا ہے اور اس وقت سے اب تک حالات کیا سے کیا ہوگئے ہیں؟ میں رمضان المبارک میں بیرون ملک تھا، واپسی پر مجھے کسی نے نہیں بتلایا، ورنہ بحیثیت ایک گناہ گار مسلمان، میں بھی اس پر احتجاج کرتا... میں نے لکھ تو دیا کہ اس پر احتجاج کرتا، مگر سمجھ نہیں آتا کہ اس شرمناک فلم پر اپنے کرب و اَلم کا اظہار کن الفاظ میں کروں؟ اور اس داستانِ درد و اَلم کو کن الفاظ کا پیرایہ پہناؤں؟ کراچی جیسا شہر جس میں کم و بیش ڈیڑھ کروڑ کلمہ گو مسلمان آباد ہیں، انہوں نے یہ کیسے برداشت کرلیا کہ ان کے مقدس نبی اور رشکِ ملائک صحابہ کرامؓ کو فلمانے کی ناپاک جسارت کی گئی اور ان نام نہاد مسلمانوں نے ٹھنڈے پیٹوں دُنیا جہان کے اوباشوں کو نبیِ اُمیؐ اور صحابہ کرامؓ کے رُوپ میں دیکھنے کی ہمت بھی کرلی؟ اور وہ بھی رمضان جیسے مقدس ماہ میں...! اے اللہ! ہمارے اس جرم کو معاف فرما۔

بلاشبہ اس ذاتِ الٰہی کا حلم و تحمل تھا، ورنہ اس جرأت و گستاخی پر آسمان کو حق تھا کہ آگ برساتا اور زمین زندہ انسانوں کو نگل جاتی۔

یہ فلم بنانا، اس کے جواز کا فتویٰ دینا، اس کو نشر کرنا، اس کی اشاعت میں مدد کرنا، اس کے جواز اور مفید ہونے کے دلائل دینا، اس کو دیکھنا، لوگوں کو اس کے دیکھنے کی طرف راغب کرنا اور بہکانا، سب حرام و ناجائز ہے۔

اس فلم کو بنانے والا ”مصطفیٰ عکاظ“ کوئی مسلمان نہیں تھا، بلکہ ایک لادِین مستشرق تھا اور غالباً اس نے اپنے آقاؤں کے اشارہ پر توہینِ رسالت وتوہینِ صحابہ پر مبنی یہ بدنامِ زمانہ فلم بنائی اور مسلمانوں کی مقدس شخصیات کو دُنیا جہان کے کنجروں اور بدمعاشوں کی شکل میں دِکھا کر مسلمانوں کے ایمان و عمل کو غارت کرنے اور ان مقدس شخصیات کی توہین و تنقیص کرنے کی کوشش کی۔

کیا کوئی سوچ سکتا ہے کہ فلم انڈسٹری کے کسی حیاباختہ انسان کو حضرت حمزہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت خدیجہؓ کا نام دیا جائے؟

اس سے بڑھ کر یہ کہ کیا کسی مسلمان کا ایمان گوارا کرسکتا ہے کہ کسی کافر، مشرک، ملحد اور بے دِین کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور پر پیش کیا جائے؟

اے کاش! جو کام آج تک اسلام کے ازلی دُشمن نہیں کرسکے تھے، وہ اب مسلمانوں کے ہاتھوں، مسلمانوں کے ملک میں اور مسلمانوں کے سامنے کیا جارہا ہے، اور طرفہ تماشا یہ کہ اس کو ”اشاعتِ اسلام“ کا نام دے کر اسے دیکھنا، دِکھانا اور اس کی نشر و اشاعت کو نیکی کا نام دیا جارہا ہے: چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی...!

اس فلم کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں روزنامہ ”جنگ“ اور ”جیو“ ٹی وی کا یہ عمل سراسر غلط، ناجائز، لائقِ صد نفرت اور گستاخانہ ہے، مسلمانوں کو چاہئے کہ اس اسلام دُشمن فلم اور توہینِ رسالت کی عالمی سازش کے خلاف بھرپور احتجاج کریں اور ٹی وی واخبارات کو ان کی اس اسلام دُشمن گستاخانہ پالیسی سے باز

آجانے پر مجبور کردیں۔

عام لوگوں کو نہایت سلیقے سے اس بدترین فلم اور گھاؤنی سازش کے دیکھنے سے روکا جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ بنانا، دیکھنا اور دِکھانا سب ناجائز، حرام اور توہینِ رسالت کے زُمرے میں آتا ہے۔

اسی طرح ان پر واضح کیا جائے کہ اگر ایک شریف انسان اپنے ماں، باپ، اُستاذ، شیخ یا اپنی کسی برگزیدہ شخصیت کو قابلِ اعتراض، نیم عریاں حالت میں اور کسی حیا باختہ انسان کے کردار میں دیکھنا گوارا نہیں کرسکتا، تو وہ اپنے محبوب اَز دِل و جان اور سروَرِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم، حضرات صحابہ کرامؓ جیسی مقدس شخصیات کو فلم کی اسکرین پر اور وہ بھی نہایت قابلِ اعتراض حالت میں دیکھنا کیونکر گوارا کرسکتا ہے...؟

پھر جیسا کہ دُوسرے ذرائع سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرامؓ کا کردار ادا کرنے والے ان غیرمسلموں کو فلم اسکرین پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت کلامی اور تند و تیز لہجے میں بات کرتے ہوئے بھی دِکھایا گیا ہے، جس کا تکلیف دہ اور قابلِ اعتراض پہلو یہ ہے کہ گویا...نعوذ باللہ...حضرات صحابہ کرامؓ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب ناآشنا اور گستاخ تھے، اس سے جہاں اسلامی تعلیمات کو مسخ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، وہاں حضراتِ صحابہ کرامؓ کے رشکِ ملائک کردار کو بھی داغ دار کرنے کی ناپاک سعی کی گئی ہے، اس سے مسلمانوں کی نئی نسل پر جہاں منفی اثرات مرتب ہوں گے، وہاں وہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں جو تأثر قائم کریں گے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، الغرض گستاخی پر توبہ و اِستغفار کرنا چاہئے۔

اگر روزنامہ ''جنگ'' یا دُوسرا کوئی اخبار باوجود تنبیہ کے اس بدترین کردار سے باز نہ آئے، تو اُسے اس حرکت سے باز رکھنے یا سبق سکھانے کے لئے، احتجاجاً اس کا بائیکاٹ کیا جائے، کیونکہ آخری درجے میں ہم اتنا ہی کرسکتے ہیں۔

جن لوگوں نے اس فلم کو صحیح جان کر دیکھا ہے، ان کو بارگاہِ الٰہی میں اس

سے توبہ کرنا چاہئے۔ اس فلم کے سلسلے میں مزید تفصیل درکار ہو تو حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کا ایک مضمون ماہنامہ ''وفاق المدارس'' ملتان دسمبر ۲۰۰۵ء میں شائع ہوچکا ہے، اس کو ملاحظہ کیا جائے، تاہم نامناسب نہ ہوگا کہ اس مضمون سے اس سلسلے کا ایک ضروری اقتباس ذیل میں بھی نقل کردیا جائے، چنانچہ حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''......اس فلم کی کہانی چار مصری ناول نگاروں توفیق الحکیم، محمد علی ماہر، عبدالحمید جودا اور عبدالرحمٰن شرقاوی نے لکھی ہے، امریکا میں مقیم ایک شامی کمیونسٹ مصطفیٰ العکاظ اس کا ہدایت کار ہے، اور برطانیہ، اِٹلی، میکسیکو، ہنگری، یونان اور یورپ کے دُوسرے بہت سے اداکار اس میں کام کر رہے ہیں، رُوس، اسرائیل اور بھارت اس کی تیاری میں بڑی دِلچسپی لے رہے ہیں، اور ایک اسرائیلی رقاصہ نے اس کے لئے اپنے رقص کی ''خدمات'' پیش کی ہیں، برطانیہ کی مس ڈالٹن نے اس فلم کے اداکاروں کے لئے ملبوسات تیار کئے ہیں، میکسیکو کا ایک فلم ایکٹر انتھونی کوئن اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چچا اور سیّد الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کردار ادا کر رہا ہے، اور جن صحابہ کرامؓ کے بارے میں اب تک یہ معلوم ہوسکا ہے کہ ان کا کردار فلم میں پیش کیا گیا ہے، ان میں حضرت جعفر طیارؓ، حضرت ابوسفیانؓ اور حضرت ہندہؓ شامل ہیں۔ **فالی اللہ المشتکی وانا للہ وانا الیہ راجعون!**

معلوم ہوا ہے کہ شروع میں تو مراکش، لیبیا، کویت اور بحرین نے مل کر اس فلم کی تیاری کے لئے مالی امداد فراہم کی تھی، لیکن جب مسلمانوں کی طرف سے اس پر شدید احتجاج ہوا، تو

لیبیا کے سوا باقی تمام حکومتوں نے اس کی مالی اعانت سے ہاتھ کھینچ لئے، مگر لیبیا کی حکومت بڑی تن دہی کے ساتھ نہ صرف مالی امداد کررہی ہے، بلکہ اس نے مراکش کے انکار کے بعد فلم کی شوٹنگ کے لئے طرابلس کا علاقہ بھی پیش کردیا ہے، جہاں یہ فلم تیزی کے ساتھ تکمیل کے مراحل طے کررہی ہے۔

عالمِ اسلام کے تمام معروف دِینی وعلمی حلقوں نے اس فلم کی تیاری پر شدید احتجاج کیا ہے، مصر کے شیخ الازہر، مجمع البحوث الاسلامیہ، مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز بن باز اور رابطہ عالمِ اسلامی کے جنرل سیکریٹری شیخ صالح القزاز کے بیانات اس سلسلے میں شائع ہوچکے ہیں، پاکستان کے ممتاز اہلِ علم نے بھی اس پر سخت احتجاج کیا ہے......“

(ماہنامہ ”وفاق المدارس“ ملتان ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ)

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ)

مرتد کی سزا

قرآن، سنت، اجماع اور عقل کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

خیرالقرون یعنی اسلام کے صدرِ اوّل میں جہاں دُوسرے اسلامی قوانین کی بالادستی تھی، وہاں سزائے ارتداد کا قانون بھی نافذ رہا۔ اس کے بعد بھی جب تک دنیا میں اسلامی آئین و دستور کی بالادستی رہی، تمام اسلامی حکومتوں میں یہ قانون نافذ العمل رہا۔ اسی کی برکت تھی کہ کوئی طالع آزما، مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے، دِین و مذہب کو بازیچۂ اطفال بنانے، آئے دن مذاہب بدلنے اور اسلام سے بغاوت کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا تھا۔

بلکہ اگر کسی شقی ازلی نے اس قسم کی جرأت کی تو اسے اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ اَسوَد عنسی، مسیلمہ کذّاب، وغیرہ جیسے بدقماشوں کا انجام اور حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی ملّی غیرت کے کارناموں سے اسلامی تاریخ مزین ہے۔

لیکن جوں جوں اس معمورۂ ارضی پر اسلامی اقتدار، خلافتِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی گرفت ڈھیلی ہوتی گئی، لادِین حکمرانوں کا تسلط بڑھتا گیا اور جبر واستبداد

کے نیچے مضبوط اور گہرے ہوتے گئے، تو اس کی نحوست سے جہاں دُوسرے اسلامی اُصول وقوانین پامال کئے جانے لگے، وہاں سزائے ارتداد کے بے مثال قانون کو بھی حرفِ غلط کی طرح مٹادیا گیا۔

یہ اسی کی ''سبز قدمی'' تھی کہ انگریزی اقتدار کے دور میں، ہندوستان میں جہاں دُوسرے بے شمار فتنوں نے سر اُٹھایا، وہاں اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی غلام احمد قادیانی نے دعویٔ نبوّت کرکے نہ صرف ارتداد کا ارتکاب کیا، بلکہ اس نے بھولے بھالے مسلمانوں کو مرتد بنانے کی باقاعدہ تحریک شروع کردی۔

چونکہ اس وقت ہندوستان میں انگریزی اقتدار تھا اور غلام احمد قادیانی انگریزی اقتدار کی چھتری کے نیچے یہ سب کچھ کر رہا تھا، اس لئے مسلمان اُسے ارتداد کی سزا کا مزہ نہ چکھا سکے، لیکن جوں ہی مسلمانانِ ہندوستان کی قربانیوں اور مطالبے پر مملکتِ خداداد پاکستان وجود میں آئی تو مسلمانوں کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اسلام کے نام پر وجود میں آنے والی اس مملکت میں اسلامی آئین وقوانین نافذ کئے جائیں۔

شومیٔ قسمت کہ مسلمانوں کے اس مطالبے پر توجہ نہیں دی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان میں بھی اسلام دُشمنوں اور خصوصاً قادیانیوں کا اثر ونفوذ بڑھنے لگا، تب مسلمانوں نے اربابِ اقتدار سے مطالبہ کیا کہ کم از کم ان کو ملتِ اسلامیہ سے الگ کاسٹ تصوّر کیا جائے، چنانچہ قریب قریب نوّے سال کی محنت و جدوجہد کے بعد مسلمانوں کی یہ کوشش بارآور ہوئی اور اسلام سے برگشتہ ہوجانے والے قادیانیوں کو آئینی طور پر غیرمسلم اقلیت قرار دے دیا گیا۔

مگر بایں ہمہ پھر بھی قادیانی ارتداد کا منہ زور گھوڑا سرپٹ دوڑتا رہا، اور قادیانی اپنی ارتدادی سرگرمیوں سے باز نہ آئے، تو اس کے سدِّباب کے لئے ایک بار پھر تحریک چلی اور ۱۹۸۴ء میں امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس جاری ہوا۔

لیکن قادیانی اپنے بیرونی آقاؤں کی شہ پر ارتدادی سرگرمیوں سے باز نہ

آئے، تو مسلمانوں نے استدعا کی کہ پاکستان میں ارتداد کی شرعی سزا کا قانون نافذ کیا جائے۔

بلاشبہ اگر روزِ اوّل سے یہ قانون نافذ کردیا جاتا تو اسلام دُشمن قوتوں کو مسلمانوں کے دِین و ایمان سے کھیلنے کی قطعاً جرأت نہ ہوتی اور نہ ہی مسلمانوں کی وحدت پارہ پارہ ہوتی۔

گویا مسلمانوں کا روزِ اوّل سے یہ مطالبہ رہا کہ پاکستان جب اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، اور یہ ''اسلامی جمہوریہ'' کہلاتا ہے تو اس میں قانون بھی قرآن وسنت کا ہی ہونا چاہئے، لیکن چونکہ اس قانون کے نفاذ سے اسلام دُشمنوں کی تمام تر سازشیں دَم توڑ جاتیں، اور ان کے منصوبوں پر اوس پڑ جاتی، اس لئے انہوں نے اپنے اثر ونفوذ سے اس کی راہ میں ایسی رُکاوٹیں کھڑی کیں اور ایسے روڑے اَٹکائے کہ مسلمان حکمران اس کے نفاذ کی جرأت ہی نہ کرسکے۔

یوں تو مسلمانوں کا یہ قدیم ترین مطالبہ تھا اور ہے، مگر گزشتہ دنوں افغانستان میں مرتد ہوکر عیسائیت قبول کرنے والے عبدالرحمٰن کے معاملے نے مرتد کی سزا کے اس قانون کی اہمیت وضرورت کو مزید دوچند کردیا ہے، کیونکہ بین الاقوامی سازش کے تحت اس معمولی واقعہ کو اخبارات اور میڈیا پر لاکر جہاں مسلمانوں کو تنگ نظر، تشدّد پسند کہہ کر اسلامی آئین، خصوصاً سزائے ارتداد کے قانون کو بُری طرح نشانہ بنایا گیا اور اس کو ظالمانہ قانون کے رنگ میں پیش کیا گیا، ضرورت تھی کہ اس سلسلے کی غلط فہمیوں کے ازالے کے لئے قارئین کی خدمت میں کچھ حقائق پیش کردیئے جائیں۔

افغانستان اور افغان قوم کا شروع سے ہی اسلام سے گہرا رشتہ رہا ہے، اور افغانستان نے کبھی بھی کسی جبر وتشدّد اور بیرونی دباؤ کو قبول نہیں کیا، اسی طرح افغانستان میں کبھی کسی اسلام دُشمن تحریک یا نظریے کو پنپنے کا موقع نہیں مل سکا، حتیٰ کہ امیر حبیب اللہ کے دور میں جب غلام احمد قادیانی نے افغانستان میں اپنے دو

نمائندے بھیجے تو امیر مرحوم نے بالفعل ان پر سزائے ارتداد جاری فرماکر ارتدادی تحریک کا راستہ روک دیا۔

لیکن افغانستان میں جوں جوں دِین و مذہب سے دُوری ہوتی گئی، سازشی قوّتوں اور اربابِ کفر نے اپنے آلہ کاروں کے ذریعہ افغانستان کو اندرونی سازشوں اور طوائف الملوکی سے دوچار کیا، تو سب سے پہلے رُوس نے اس کو ہڑپ کرنے کی خواہش و کوشش کی، مگر اسے منہ کی کھانا پڑی، جب رُوس جیسی سپر طاقت شکست و ریخت سے دوچار ہوگئی، تو امریکا بہادر کے منہ میں پانی آگیا اور اس نے افغانستان پر قبضہ کرکے اس پر عیسائیت کا جھنڈا لہرانے کا منصوبہ بنالیا۔

افغانستان میں امریکی تسلط کے بعد بے شمار عیسائی این جی اوز متحرک ہوگئیں، افغانستان بلاشبہ بدترین مالی بدحالی کا شکار تھا اور ہے، مگر بایں ہمہ امریکا اور اس کی عیسائی این جی اوز اپنے مذموم مقاصد میں خاطر خواہ کامیاب نہ ہوسکیں، کیونکہ مسلمانانِ افغانستان جانتے تھے کہ ارتداد کی سزا موت ہے اور مرتد ہونا موت کو گلے لگانے کے مترادف ہے۔ اس لئے آج سے پندرہ سال پہلے مرتد ہوکر جرمنی چلے جانے والے عبدالرحمٰن کو دوبارہ افغانستان لاکر اس سے مرتد ہونے اور عیسائیت قبول کرنے کا اعلان کرایا گیا، جس کے پسِ پردہ درج ذیل مقاصد کارفرما تھے، مثلاً:

الف:... یہ باور کرایا جائے کہ افغانستان میں عیسائی این جی اوز کی تحریک اور کوششوں کے خاطر خواہ نتائج نکل رہے ہیں۔

ب:... مسلمانوں کو ذہنی اور اعصابی تناؤ میں مبتلا کرکے عیسائیت کی بالادستی کا احساس اجاگر کیا جائے۔

ج:... اسلام کے مقابلے میں عیسائیت کو ترجیح دینے اور مسلمانوں میں قبولِ عیسائیت کے رُجحان کا تصوّر پیش کیا جائے۔

د:... قانونِ ارتداد اور مرتد کی اسلامی سزا کے نفاذ کو اپنے اثر و نفوذ اور بین

الاقوامی دباؤ کے ذریعہ معطل کرایا جائے۔

ہ:... مرتد کو تحفظ دے کر دُوسرے بے دِینوں کو ذہناً اس پر آمادہ کیا جائے کہ تبدیلیٔ مذہب کی صورت میں ان کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا جائے گا، بلکہ امریکا، برطانیہ، رُوس، جرمنی، فرانس، اِٹلی، ڈنمارک، ہالینڈ وغیرہ پوری عیسائی دُنیا تمہاری پشت پر ہے اور تبدیلیٔ مذہب کی صورت میں تمہیں نہ صرف تحفظ فراہم کیا جائے گا، بلکہ ہر طرح کے ساز و سامان کے ساتھ ساتھ اعلیٰ سے اعلیٰ ملک کی شہریت بھی دی جائے گی۔

و:... یہ باور کرایا جائے کہ افغانستان میں بالفعل امریکا اور عیسائیت کی بالادستی اور حکمرانی قائم ہے، جس کی علامت یہ ہے کہ مسلمان ملک کا مسلمان حکمران اور اس کی مسلمان عدلیہ بھی ایک اسلامی سزا کے نفاذ میں بے بس ہے، چنانچہ مرتد عبدالرحمٰن کے اس اعتراف کے باوجود کہ: ”میں نے عیسائیت قبول کرلی ہے اور میں اس کے لئے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہوں“ افغان عدالت کے جج انصار اللہ مولوی زادہ کا یہ کہنا کہ: ”ناکافی ثبوت کی بنا پر اسے رہا کیا جاتا ہے۔“ افغان عدالت اور افغان حکومت کی بے بسی کی واضح دلیل ہے۔

ز:... سزائے ارتداد کے اسلامی قانون اور فطرت پر مبنی دستور کو متنازعہ بنایا جائے، دُنیائے عیسائیت، انسانی حقوق کی تنظیموں کو اس کے خلاف بولنے کا موقع دے کر غیر متعصب دُنیا کے علاوہ خود مسلمانوں کے دِلوں میں بھی اس کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں، اسے انسانی حقوق کی خلاف ورزی اور اس کے نفاذ کو انسانیت کی توہین باور کرایا جائے۔

چنانچہ اس واقعہ کے اخبارات میں شائع ہونے پر جہاں ملحدین و بے دِینوں کو اس کے خلاف زبان کھولنے کی جرأت ہوئی، وہاں نام نہاد مسلمان اسکالروں کو بھی اس قانون میں کیڑے نکالنے کا موقع میسر آگیا۔

اس لئے اس بات کی ضرورت تھی کہ قرآن و سنت، اِجماعِ اُمت، قیاس، فقہ وفتویٰ اور عقل وشعور کی روشنی میں اس سلسلے کی تصریحات نقل کردی جائیں۔

مگر سب سے پہلے اس کی وضاحت ہونی چاہئے کہ ''مرتد'' کس کو کہتے ہیں؟ اور سزائے ارتداد کی کیا کیا شرائط ہیں؟

بلاشبہ دُنیا میں بسنے والے انسان دِین و مذہب کے اعتبار سے دو قسم ہیں: ایک مسلمان اور دُوسرے غیرمسلم۔

مسلم:... وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ، اس کے ملائکہ، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت، بعث بعدالموت اور اس بات پر ایمان رکھتے ہوں کہ اچھی اور بُری تقدیر اللہ ہی کی جانب سے ہے، اور وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا اور آخری نبی اور آپ کے لائے ہوئے دِین و شریعت کو حضراتِ صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور اسلافِ اُمتؒ کی تشریحات کی روشنی میں مانتے ہوں۔

غیرمسلم:... وہ ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت، دِین و شریعت، مذکورہ بالا تمام عقائد یا ان میں سے کسی ایک کے منکر ہوں، یا ضروریاتِ دِین میں سے کسی ایک کا انکار کرتے ہوں، خواہ وہ اپنے آپ کو ہندو، سکھ، پارسی، زرتشتی، یہودی، عیسائی، بدھ، قادیانی، مرزائی (جو اپنے آپ کو احمدی بھی کہتے ہیں)، ذکری اور آغاخانی کہتے ہوں، یا اس کے علاوہ اپنے آپ کو کسی دُوسرے نام سے موسوم کرتے ہوں، وہ سب کے سب غیرمسلم ہیں۔

پھر غیرمسلموں کی متعدّد اقسام ہیں، چونکہ غیرمسلم اپنے بعض مخصوص عقائد و نظریات اور رہائش وسکونت کے اعتبار سے ایک دُوسرے سے مختلف ہیں اور ان میں سے ہر ایک کے اَحکام بھی جدا جدا ہیں، اس لئے ان کی اقسام، تعریف اور حکم بھی معلوم ہونا چاہئے۔

اوّل:... غیرمسلم باعتبار عقائد ونظریات کے سات قسم ہیں:

۱:...کھلا کافر، ۲:...مشرک، ۳:...دہریہ، ۴:...معطل، ۵:...منافق، ۶:...زِندیق، جو ملحد اور باطنی بھی کہلاتے ہیں، ۷:...مرتد۔

دوم:... پھر ان سب کا باعتبار جنگ و امن اور رہائش وسکونت کے جُدا جُدا حکم ہے، اس لئے غیرمسلموں کی اقسام، تعریف اور حکم ملاحظہ ہو:

کھلا کافر:... جسے ''کافرِ مطلق'' بھی کہا جاتا ہے، وہ ہے جو علی الاعلان اسلامی اعتقادات کا منکر ہو اور اپنے آپ کو مسلمان برادری سے الگ تصوّر کرتا ہو، جیسے ہندو، سکھ، یہودی اور عیسائی وغیرہ۔

مشرک:... مشرک وہ ہے، جو چند معبودوں کا قائل ہو، یا اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی حجر وشجر یا مورتی وغیرہ کو بھی نفع ونقصان کا مالک سمجھتا ہو۔

دہریہ:... دہریہ وہ ہے جو حوادثِ عالم کو زمانے کی طرف منسوب کرتا ہو اور زمانے کو قدیم مانتا ہو، یعنی زمانے کو ہی خالقِ عالم اور ازلی و ابدی مانتا ہو۔

معطل:... معطل وہ ہے جو خالقِ عالم کا سرے سے منکر ہو۔

منافق:... منافق وہ ہے جو ظاہراً، زبانی کلامی اور جھوٹ موٹ اپنے آپ کو مسلمان باور کرائے، مگر اندر سے کافر ہو۔

زِندیق:... زِندیق وہ ہے جو اپنے کفریہ عقائد پر اسلام کا ملمع کرے اور اپنے فاسد وکفریہ عقائد کو ایسی صورت میں پیش کرے کہ سرسری نظر میں وہ صحیح معلوم ہوتے ہوں، ایسے شخص کو عربی میں ملحد اور باطنی بھی کہتے ہیں۔

مرتد:... مرتد وہ ہے جو اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی دُوسرے دین کو اختیار کرلے۔

ان تفصیلات کے بعد مذکورہ بالا غیرمسلموں میں سے ہر ایک کا حکم ملاحظہ ہو:

کھلا کافر:... اگر ایسا شخص کسی غیرمسلم ملک میں رہتا ہو، اور وہ ملک اسلامی مملکت سے برسرِپیکار ہو، تو یہ شخص ''حربی کافر'' کہلائے گا اور مسلمانوں پر ایسے شخص کی جان و مال، عزّت وآبرو کی کسی قسم کی حفاظت کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، لیکن اگر ایسا

شخص یعنی کھلا کافر، کسی ایسے غیرمسلم ملک میں رہتا ہو، جس کا اسلامی مملکت سے دوستی کا معاہدہ ہو تو یہ شخص مسلمانوں کا حلیف کہلائے گا، اگر یہ شخص کسی دُوسری مجرمانہ سرگرمیوں میں ملوّث نہ ہو تو مسلمان اس کی جان و مال سے تعرض نہیں کریں گے، چنانچہ ایسا شخص اگر مسلمان ملک میں ویزا لے کر آئے تو یہ ''مستأمن'' کہلائے گا، اور مسلمانوں پر اس کی جان و مال اور عزّت و آبرو کا تحفظ لازم ہوگا۔

اسی طرح اگر ایسا کھلا کافر کسی مسلمان ملک کا پُرامن شہری ہو اور شہری واجبات یعنی جزیہ وغیرہ ادا کرتا ہو اور کسی ملک و ملت دُشمنی کا مرتکب نہ ہو، تو یہ ''ذمی'' کہلائے گا اور اس کی جان و مال اور عزّت و آبرو کی حفاظت و صیانت اسلامی مملکت اور مسلمانوں پر واجب ہوگی۔

مشرک:... مشرک کا حکم بھی کھلے کافر کی طرح ہے۔

اس کے علاوہ دہریہ، معطل، منافق، زِندیق اور مرتد بھی اگر کسی ایسی غیرمسلم مملکت میں رہتے ہوں جن سے مسلمانوں کا کسی دوستی کا کوئی معاہدہ نہ ہو، تو وہ بھی کھلے کافر کی طرح ہیں اور ان پر کسی قسم کے کوئی اَحکام جاری نہیں ہوں گے، لیکن اگر کسی علاقے اور قبیلے کے لوگ اجتماعی طور پر مرتد ہوکر قوّت پکڑنے لگیں تو مسلمان حکمران کو حربی کافروں سے بھی پہلے ان کے خلاف کارروائی کرکے ان کا قلع قمع کرنا ہوگا۔

منافق:... اگر کوئی منافق، مسلمان ملک میں رہتا ہو اور کسی قسم کی ملک و ملت دُشمنی میں ملوّث نہ ہو تو مسلمان اس سے بھی تعرض نہیں کریں گے، لیکن اگر کوئی زِندیق، دہریہ، معطل اور مرتد اسلامی مملکت میں رہتے ہوئے اس جرم کا ارتکاب کرے، تو چاہے وہ بظاہر کتنا ہی امن پسند کیوں نہ ہو، مسلمان حکمران، اسلامی قانون کی روشنی میں اس کو، اس کے اس بدترین کردار اور گھناؤنے جرم کی سزا دے گا، کیونکہ کسی مملکت کے سربراہ پر اپنے شہریوں کے دِین و ایمان کی حفاظت لازم ہے، اور جو لوگ مسلمانوں کے دِین و ایمان سے کھیلنا چاہیں، ان کا مؤاخذہ کرنا مسلمان حکمران کا

فرض اور بنیادی حق ہے، اس لئے کہ ارشادِ نبوی: ''کلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ'' (مشکوٰۃ ص:۳۲۰) (تم میں سے ہر ایک راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا) کے مصداق مسلمان حکمران کو اپنے شہریوں کی اصلاح کا مکمل اختیار ہے، لہٰذا مسلمان حکمران کو چاہئے کہ وہ ایسے لادِین افراد کی ملت دُشمن سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے اور ان کی خفیہ شرارتوں، سازشوں اور شر و فساد سے اپنی رعایا کے دِین و ایمان کی حفاظت کرے۔

زِندیق:... اگر اسلامی مملکت کا کوئی شہری زَندقہ اختیار کرلے اور گرفتاری سے قبل اَز خود اس جرم سے توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کی جائے گی، لیکن اگر گرفتاری کے بعد توبہ کا اظہار کرے تو اس کی توبہ قبول نہ کی جائے گی، چنانچہ حضرت اِمام مالکؒ وغیرہ ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں کرتے، حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مسلک ہے، علامہ شامیؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے۔

مرتد:... اگر اسلامی مملکت کا کوئی شہری خدانخواستہ مرتد ہوجائے تو اس کے اَحکام ان سب سے جدا ہیں، مثلاً:

اگر مرتد ہونے والی خاتون ہو تو اس کو گرفتار کرکے جیل میں ڈالا جائے، اگر اس کے کوئی شبہات ہوں تو دُور کئے جائیں، اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے، اگر توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ اسے زندگی بھر جیل میں قید رکھا جائے تاآنکہ وہ مر جائے یا توبہ کرلے۔

اگر کوئی نابالغ بچہ مرتد ہوجائے تو یہ دیکھا جائے گا کہ اگر وہ دِین و مذہب کو سمجھتا ہے اور عقل و شعور کے سن کو پہنچ چکا ہے تو اس کا حکم بھی مرتد ہونے والے مرد کا ہے، اور اگر بالکل چھوٹا اور ناسمجھ ہے تو اس پر اِرتداد کے اَحکام جاری نہیں ہوں گے۔ اسی طرح اگر کوئی مجنون یا پاگل ارتداد کا ارتکاب کرے تو اس پر بھی ارتداد کے اَحکام جاری نہیں ہوں گے۔

اگر کوئی عاقل، بالغ مرد اِرتداد کا ارتکاب کرے تو اس کو گرفتار کرکے تین دن تک اس کو مہلت دی جائے گی، اس کے شبہات دُور کئے جائیں گے، اگر مسلمان ہوجائے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے گا۔

قرآن وسنت، اِجماعِ اُمت اور فقہائے ملت کا یہی فیصلہ اور عقل و دیانت کا یہی تقاضا ہے۔

جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

"اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَاَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ، ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْھِمْ، فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ." (المائدہ:۳۳،۳۴)

ترجمہ:... "یہی سزا ہے ان کی جو لڑائی کرتے ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور دوڑتے ہیں ملک میں فساد کرنے کو، کہ ان کو قتل کیا جائے یا سولی چڑھائے جائیں یا کاٹے جائیں ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے یا دُور کردیئے جائیں اس جگہ سے، یہ ان کی رُسوائی ہے دُنیا میں اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔ مگر جنھوں نے توبہ کی تمہارے قابو پانے سے پہلے تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔"

اس آیت کے ذیل میں تمام مفسرین و محدثین نے عکل و عرینہ کے ان لوگوں کا واقعہ لکھا ہے جو اسلام لائے تھے، مگر مدینہ منوّرہ کی آب و ہوا ان کو رَاس نہ آئی تو ان کی شکایت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو صدقے کے اُونٹوں کے

ساتھ بھیج دیا، جہاں وہ ان کا دُودھ وغیرہ پیتے رہے، جب وہ ٹھیک ہوگئے تو مرتد ہوگئے اور اُونٹوں کے چرواہے کو قتل کرکے صدقے کے اُونٹ بھگالے گئے، جب مسلمانوں نے ان کو گرفتار کرلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سیدھے ہاتھ اور اُلٹے پاؤں کاٹ دیئے اور وہ حرہ میں ڈال دیئے گئے، پانی مانگتے رہے، مگر ان کو پانی تک نہ دیا، یہاں تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرگئے۔

اسی لئے اِمام بخاریؒ نے اس آیت کے تحت عنوان بھی اسی انداز کا قائم فرمایا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ لوگ چونکہ مرتد اور محارب تھے، اس لئے ان کو قتل کیا گیا، چنانچہ امام بخاریؒ کے الفاظ ہیں:

"باب لم یسق المرتدون المحاربون حتّٰی ماتوا." (ج:۲ ص:۱۰۰۵)

اگرچہ اِمام بخاریؒ کے علاوہ دُوسرے ائمہ کرام اس کے قائل ہیں کہ محارب جیسے کفار ہوسکتے ہیں، ویسے ہی مسلمان بھی ہوسکتے ہیں، لیکن اتنی بات واضح ہے کہ اس آیت کی روشنی میں ایسے لوگ جو مرتد ہوجائیں، اور اللہ و رسول سے محاربہ کریں، وہ واجب القتل ہیں۔

سزائے مرتد کے سلسلے میں صحاحِ ستہ اور حدیث کی دُوسری کتب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعدّد ارشادات اور حضرات صحابہ کرامؓ کا عمل بھی منقول ہے، ذیل میں اس سلسلے کی چند تصریحات ملاحظہ ہوں:

۱:... **"عن عکرمۃ قال: اُتی علیٌّ رضی اللہ عنہ بزنادقۃ فاحرقھم، فبلغ ذالک ابن عباس، فقال: لو کنت انا لم اُحرقھم لنھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قال: لا تعذبوا بعذاب اللہ، ولقتلتُھم لقول رسول**

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من بدّل دینہ فاقتلوہ!“

(بخاری ج:۲ ص۱۰۲۳، ج:۱ ص:۴۲۳، ابوداوٗد ج:۲ ص:۲۴۲، نسائی ج:۲ ص:۱۶۹، ترمذی ج:۱ ص:۱۷۶، مسند احمد ج:۱ ص:۲۱۷، ج:۱ ص:۲۸۲، ۲۸۳، سنن کبریٰ بیہقی ج:۸ ص:۱۹۵، مستدرک حاکم ج:۳ ص:۵۳۸، مشکوٰۃ ص:۳۰۷)

ترجمہ:... ”حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس چند زندیق لائے گئے تو انہوں نے ان کو آگ میں جلادیا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ قصہ معلوم ہوا تو فرمایا: میں ہوتا تو ان کو نہ جلاتا، اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ایسا عذاب نہ دو جو اللہ تعالیٰ ...جہنم میں... دیں گے، میں ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: ”جو شخص دِین تبدیل کرے، اس کو قتل کردو“ کے تحت قتل کردیتا۔“

۲:... **”عن عکرمة قال قال ابن عباس رضی اللہ عنهما: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: من بدّل دینه فاقتلوه.“** (نسائی ج:۲ ص:۱۴۹، سنن ابنِ ماجہ ص:۱۸۲)

ترجمہ:... ”حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دِین تبدیل کرکے مرتد ہوجائے، اس کو قتل کردو۔“

۳:... **”عن ابن عباس رضی اللہ عنه قال: کان عبداللہ بن سعد بن ابی سرح یکتب لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم، فأزله الشیطٰن، فلحق بالکفار فأمر به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ان یقتل یوم الفتح، فاستجار له عثمان بن عفان فأجاره رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم...“** (ابوداوٗد ج:۲ ص۲۵۱، نسائی ج:۲ ص۱۶۹)

ترجمہ:... ”حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرح، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کاتبِ وحی تھا، اسے شیطان نے بہکایا تو وہ مرتد ہوکر کفار سے مل گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن اس کے قتل کا حکم فرمایا، ...جس سے معلوم ہوا کہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ ناقل... مگر حضرت عثمانؓ نے اس کے لئے پناہ طلب کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو پناہ دے دی... چنانچہ وہ بعد میں دوبارہ مسلمان ہوگیا۔“

۴:... **”عن انس ان علیًّا اُتی بناس من الزط یعبدون وثنًا فأحرقهم، قال ابن عباس رضی اللہ عنه: انما قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم: من بدّل دینه فاقتلوه.“** (سنن نسائی ج:۲ ص:۱۶۹، مسند احمد ج:۱ ص:۳۲۳)

ترجمہ:... ”حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس زط (سوڈان) کے کچھ لوگ لائے گئے جو اِسلام لانے کے بعد مرتد ہوگئے تھے اور وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے، آپؓ نے ان کو آگ میں جلا دیا، اس پر حضرت ابنِ عباسؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: ”جو شخص اسلام چھوڑ کر مرتد ہوجائے، اس کو قتل کردو۔“

۵:... **”عن ابی موسیٰ رضی اللہ عنه قال: اقبلت الی النبی صلی اللہ علیه وسلم... فقال:... ولکن اذهب انت یا ابا موسیٰ او یا عبداللہ بن قیس الی الیمن، ثم اتبعه معاذ بن جبل، فلما قدم علیه القی له وسادة قال: انزل واذا رجل عنده موثق قال: ما هذا؟ قال: کان**

یهودیًا فأسلم ثم تهوّد، قال: اجلس! قال: لا اجلس حتی یقتل، قضاء الله ورسوله ثلٰث مرات فأمر به فقتل...الخ"

(بخاری ج:۲ ص:۱۰۲۳، مسلم ج:۲ ص:۱۲۱، ابوداؤد ج:۲ ص:۲۴۲، نسائی ج:۲ ص:۱۶۹، سنن کبریٰ بیہقی ج:۸ ص:۱۹۵)

ترجمہ:..."حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپؐ نے فرمایا: ابوموسیٰ یا عبداللہ بن قیس! یمن جاؤ، اس کے بعد آپؐ نے معاذ بن جبلؓ کو بھی میرے پیچھے یمن بھیج دیا، حضرت معاذؓ یمن پہنچے اور ان کے بیٹھنے کے لئے مسند لگائی گئی تو انہوں نے دیکھا کہ ...حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس... ایک آدمی بندھا ہوا ہے، حضرت معاذؓ نے پوچھا: اس کا کیا قصہ ہے؟ فرمایا: یہ شخص پہلے یہودی تھا، پھر اسلام لایا اور اب مرتد ہوگیا ہے، آپؓ نے فرمایا: جب تک اس کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلے کے مطابق قتل نہیں کردیا جاتا، میں نہیں بیٹھوں گا، انہوں نے تین بار یہ جملہ ارشاد فرمایا، چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے اس کے قتل کا حکم دیا، جب وہ قتل ہوگیا تو حضرت معاذؓ تشریف فرما ہوئے۔"

۶:... **"عن عبدالله قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم... لایحل دم رجل مسلم یشهد ان لا اله الا الله و انی رسول الله الا باحدی ثلاث: الثیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارک لدینه المفارق للجماعة."**

(ابوداؤد ج:۲ ص: ۲۴۲،، نسائی ج:۲ ۱۶۵، ابن ماجہ ص:۱۸۲، سنن

کبریٰ بیہقی ج:۸ ۱۹۴، ترمذی ج:۱ ص:۲۵۹، مسلم ج:۲ ص:۵۹)

ترجمہ:..."حضرت ابنِ مسعودؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو مسلمان کلمہ لا الٰہ الاّ اللہ کی شہادت دے، اس کا خون بہانا جائز نہیں، سوائے ان تین آدمیوں کے: ایک وہ جو شادی شدہ ہوکر زنا کرے، دُوسرا وہ جو کسی کو ناحق قتل کردے اور تیسرا وہ جو اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجائے۔"

۷:... **"عن حارثة بن مضرب انه اتی عبدالله فقال: ما بینی وبین احد من العرب حنة، وانی مررت بمسجد لبنی حنیفة، فاذا هم یؤمنون بمسیلمة، فأرسل الیهم عبدالله فجیئ بهم فاستتابهم، غیر ابن النواحة، قال له: سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم یقول : لو لا انک رسول لضربت عنقک، فأنت الیوم لست برسول، فأمر قرظة بن کعب. فضرب عنقه فی السوق، ثم قال: من اراد ان ینظر الی ابن النواحة قتیلا بالسوق."** (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۴)

ترجمہ:..."حارثہ بن مضرب سے مروی ہے کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوا، ...اور آپؓ نے فرمایا کہ... میرے اور عرب کے درمیان کوئی عداوت نہیں ہے، پھر فرمایا: میں مسجد بنوحنیفہ کے پاس سے گزرا، وہ لوگ مسیلمہ کذّاب کے ماننے والے تھے، حضرت عبداللہؓ نے ان کی طرف قاصد بھیجا، تاکہ ان سے توبہ کا مطالبہ کرے، پس سب سے توبہ کا مطالبہ کیا گیا، سوائے ابنِ نواحہ کے، آپؓ نے اس

سے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تم سے یہ فرماتے ہوئے سنا تھا کہ اگر تو قاصد نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کردیتا، ...اس لئے کہ وہ مرتد ہونے کے علاوہ مرتد مسیلمہ کا قاصد تھا- ناقل... پس آج تم قاصد نہیں ہو، اس کے بعد آپؓ نے ...حاکمِ کوفہ... قرظہ بن کعب کو حکم دیا کہ اس کو قتل کردیا جائے، چنانچہ بازار ہی میں اس کو قتل کردیا گیا، اور فرمایا: جو ابنِ نواحہ کو دیکھنا چاہے، وہ بازار میں قتل شدہ موجود ہے۔“

۸:... ”عن بهز بن حكيم عن ابيه عن جده معاوية بن حيدة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدّل دينه فاقتلوه، ان الله لا يقبل توبة عبد كفر بعد اسلامه.“ (مجمع الزوائد ج:۶ ص:۲۶۱)

ترجمہ:... ”حضرت معاویہ بن حیدہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اپنا دِین تبدیل کرے، اس کو قتل کردو، بے شک اللہ تعالیٰ اس بندے کی توبہ قبول نہیں کرتے، جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوجائے۔“

۹:... ”عن معاذ بن جبل رضي الله عنه ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال له حين بعثه الى اليمن: ايما رجل ارتدّ عن الاسلام فادعه، فان تاب، فاقبل منه، وان لم يتب، فاضرب عنقه، وايما امرأة ارتدت عن الاسلام فادعها، فان تابت، فاقبل منها، وان ابت فاستتبها.“

(مجمع الزوائد ج:۶ ص:۲۶۳)

ترجمہ:... ”حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن

بھیجا تو فرمایا: جو شخص اسلام لانے کے بعد مرتد ہوجائے، اسے اسلام کی دعوت دو، اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو، اور اگر توبہ نہ کرے تو اس کی گردن اُڑا دو، اور جونسی عورت اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہوجائے، اسے بھی دعوت دو، اگر توبہ کرلے تو اس کی توبہ قبول کرلو، اگر توبہ سے انکار کرے تو برابر توبہ کا مطالبہ کرتے رہو ...یعنی اس کو قتل نہ کرو۔“

۱۰:... ”عن جرير قال: سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول: اذا ابق العبد الى الشرك فقد حل دمه.“ (ابوداؤد ج:۲ ص:۲۴۳، مشکوٰۃ ص:۳۰۷)

ترجمہ:... ”حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپؐ نے فرمایا کہ: جب کوئی بندہ اسلام سے کفر کی طرف واپس لوٹ جائے، اس کا قتل کرنا حلال ہوجاتا ہے۔“

۱۱:... ”عن الحسن رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من بدّل دينه فاقتلوه.“

(نسائی ج:۲ ص:۱۶۹)

ترجمہ:... ”حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دُوسرا دِین اختیار کرلے، اس کو قتل کردو۔“

۱۲:... ”عن زيد بن اسلم ان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: من غيّر دينه فاضربوا عنقه.“

(مؤطا اِمام مالک ص:۶۴۰، جامع الاصول ج:۳ ص:۴۷۹)

ترجمہ:... ”حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ سے روایت

ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اسلام چھوڑ کر دُوسرا دِین اپنائے، اس کی گردن کاٹ دو۔"

اِمام مالکؒ اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

"قال مالک: ومعنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما نری واللہ اعلم، من غیّر دینه فاضربوا عنقه، وانه من خرج من الاسلام الٰی غیره، مثل الزنادقة واشباههم، فان اولئک اذا ظهر علیهم قتلوا، ولم یستتابوا، لأنه لا یعرف توبتهم، وانهم کانوا یسرُّون الکفر ویُعلنون الاسلام فلا اری یستتاب هؤلاء ولا یقبل منهم قولهم، واما من خرج من الاسلام الٰی غیره واظهر ذٰلک فانه یستتاب، فان تاب، والا قتل، ذٰلک لو ان قوما کانوا علٰی ذٰلک رأیت ان یدعوا الٰی الاسلام ویستتابوا، فان تابوا قبل ذٰلک منهم، وان لم یتوبوا قتلوا، ولم یعن بذٰلک فیما نری، واللہ اعلم، من خرج من الیهودیة الی النصرانیة ولا من النصرانیة الی الیهودیة، ولا من یغیّر دینه من اهل الأدیان کلها الا الاسلام فمن خرج من الاسلام الٰی غیره واظهر ذٰلک فذٰلک الذی عنی به."

(مؤطا امام مالک ص:۶۴۰ میر محمد کتب خانہ، کراچی)

یعنی اِمام مالکؒ سے ارتداد کی تعریف میں منقول ہے کہ کوئی شخص اسلام سے نکل کر کسی دُوسرے مذہب میں داخل ہوجائے تو اس کی گردن کاٹ دی جائے، جیسے کوئی زِندیق ہوجائے، ایسے لوگوں کے بارے میں اُصول یہ ہے کہ جب زِندیق پر غلبہ وتسلط حاصل ہوجائے تو اس سے توبہ کا مطالبہ نہ کیا جائے، کیونکہ ان لوگوں کی سچی

توبہ کا اندازہ نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ یہ لوگ کفر کو چھپاتے ہیں اور اسلام کا اظہار کرتے ہیں، پس میرا (اِمام مالکؒ) خیال یہ ہے کہ ان کے کفر کی بنا پر ان کو قتل کردیا جائے، ہاں! اگر کوئی اسلام سے نکل کر مرتد ہوجائے تو اس سے توبہ کرائی جائے، توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد: "**من بدّل دینه فاقتلوه**" کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اسلام کو چھوڑ کر کسی دُوسرے مذہب کو اختیار کرلے وہ مرتد ہے، لہٰذا وہ شخص مرتد نہیں کہلائے گا جو اسلام کے علاوہ کسی دُوسرے دِین پر تھا، اور اس نے اپنا وہ مذہب چھوڑ کر کوئی دُوسرا دِین و مذہب اختیار کرلیا، لہٰذا نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا، مثلاً: اگر کوئی یہودی، نصرانی بن جائے یا کوئی نصرانی، مجوسی بن جائے، خواہ وہ ذمی ہی کیوں نہ ہو، نہ تو اس سے توبہ کرائی جائے گی اور نہ ہی اس کو قتل کیا جائے گا۔

۱۳:... **"عن عبدالرحمٰن بن محمد بن عبداللہ بن عبدالقاری رحمه اللہ، عن ابیه انه قال: قدم علی عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه، رجل من قبل ابی موسی الاشعری، فسأله عن الناس فأخبره؟ ثم قال له عمر بن الخطاب: هل کان فیکم من مُغربة خبر؟ فقال: نعم، رجل کفر بعد اسلامه، قال: فما فعلتم به؟ قال: قربناه فضربنا عنقه، فقال عمر: افلا حبستموه ثلاثا، واطعمتموه کل یوم رغیفا، واستتبتموه لعله یتوب ویراجع امر اللہ؟ ثم قال عمر: اللّٰهم انی لم احضر، ولم آمر، ولم ارض اذ بلغنی."**

(مؤطا اِمام مالک ص:۶۴۰، میر محمد کتب خانہ، جامع الاصول ج:۳ ص:۴۷۹)

ترجمہ:... "حضرت محمد بن عبداللہ بن عبدالقاریؒ سے

مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی جانب سے یمن کا ایک شخص آپؓ کی خدمت میں آیا، آپؓ نے پہلے تو وہاں کے لوگوں کے حالات معلوم کئے، پھر اس سے پوچھا کہ وہاں کی کوئی نئی یا انوکھی خبر؟ اس نے کہا: جی ہاں! ایک آدمی اسلام لایا تھا، مگر بعد میں وہ مرتد ہوگیا، آپؓ نے فرمایا: پھر تم لوگوں نے اس کے ساتھ کیا کیا؟ انہوں نے عرض کیا: ہم نے اس کو پکڑ کر اس کی گردن اُڑا دی، آپؓ نے فرمایا: تم نے پہلے اسے تین دن تک قید کرکے اس سے توبہ کا مطالبہ کیوں نہ کیا؟ ممکن ہے وہ توبہ کرلیتا؟ پھر فرمایا: اے اللہ! نہ میں وہاں حاضر تھا، نہ میں نے اس کے قتل کا حکم دیا اور جب مجھے اس کی اطلاع ملی تو میں ان کے اس فعل پر راضی بھی نہیں ہوں۔''

گویا مرتد کے قتل سے پہلے استحباباً اس کو توبہ کا ایک موقع ملنا چاہئے تھا، چونکہ مرتد کو وہ موقع نہیں دیا گیا، تو حضرت عمرؓ نے ترکِ مستحب کی اس بے احتیاطی کو بھی برداشت نہیں کیا اور اس سے برأت کا اظہار فرمایا۔

امام ترمذیؒ مرتد کی سزا کے بارے میں فقہائے اُمت کا مذہب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والعمل علٰی ھٰذا عند اھل العلم فی المرتد، واختلفوا فی المرأة اذا ارتدت عن الاسلام، فقالت طائفة من اھل العلم: تقتل، وھو قول الأوزاعی واحمد واسحق، وقالت طائفة منھم: تحبس ولا تقتل، وھو قول سفیان الثوری وغیرہ من اھل الکوفة.''

(ترمذی ابواب الحدود باب ما جاء فی المرتد ج:۱ ص:۱۷۰)

ترجمہ:... ''مرتد مرد کے بارے میں اہلِ علم کا یہی موقف ہے کہ اسے قتل کردیا جائے، ہاں! اگر کوئی خاتون مرتد ہوجائے تو اِمام اوزاعیؒ، احمدؒ اور اسحٰقؒ کا موقف یہ ہے کہ اسے بھی قتل کیا جائے، لیکن ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسے قتل نہ کیا جائے، بلکہ قید کردیا جائے، اگر توبہ کرلے تو فبہا، ورنہ زندگی بھر اسے جیل میں رکھا جائے۔ سفیان ثوریؒ اور اہلِ کوفہ کا بھی یہی مسلک ہے۔''

چنانچہ ائمہ اربعہ: اِمام ابوحنیفہؒ، اِمام مالکؒ، اِمام شافعیؒ اور اِمام احمد بن حنبلؒ بالاتفاق اس کے قائل ہیں کہ اگر کوئی شخص مرتد ہوجائے تو مستحب یہ ہے کہ اس کو تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دُور کئے جائیں، اس کو توبہ کی تلقین کی جائے اور دوبارہ اسلام کی دعوت دی جائے، اگر اسلام لے آئے تو فبہا، ورنہ اسے قتل کردیا جائے، ملاحظہ ہو ائمہ اربعہ کی تصریحات:

فقہِ حنفی:... چنانچہ فقہِ حنفی کی مشہور کتاب ''ہدایہ'' میں ہے:

''واذا ارتد المسلم عن الاسلام والعیاذ باللہ عرض علیہ الاسلام فان کانت لہ شبھة کشفت عنہ ویحبس ثلاثة ایام فان اسلم والا قتل.''

(الہدایہ اوّلین ج:۱ ص:۵۸۰)

ترجمہ:... ''اور جب کوئی مسلمان نعوذ باللہ! اسلام سے پھر جائے تو اس پر اسلام پیش کیا جائے، اس کو کوئی شبہ ہو تو دُور کیا جائے، اس کو تین دن تک قید رکھا جائے، اگر اسلام کی طرف لوٹ آئے تو ٹھیک، ورنہ اسے قتل کردیا جائے۔''

فقہِ شافعی:...فقہِ شافعی کی شہرۂ آفاق کتاب ''المجموع شرح المھذب''

میں ہے:

"اذا ارتد الرجل وجب قتله، سواء كان حرا اوعبدا..... وقد انعقد الاجماع على قتل المرتد."

(المجموع شرح المهذب ج:۱۹ ص:۲۲۸)

ترجمہ:... "اور جب آدمی مرتد ہوجائے تو اس کا قتل واجب ہے، خواہ وہ آزاد ہو یا غلام، اور قتلِ مرتد پر اجماع منعقد ہوچکا ہے۔"

فقہِ حنبلی:... فقہِ حنبلی کی معرکۃ الآراء کتاب "المغنی" اور "الشرح الکبیر" میں ہے:

"واجمع اهل العلم علٰى وجوب قتل المرتد، وروى ذٰلك عن ابى بكر وعمر وعثمان وعلى ومعاذ وابى موسىٰ وابن عباس وخالد (رضى الله عنهم) وغيرهم، ولم ينكر ذٰلك فكان اجماعا."

(المغنی مع الشرح الکبیر ج:۱۰ ص:۷۴)

ترجمہ:... "قتلِ مرتد کے واجب ہونے پر اہلِ علم کا اجماع ہے، یہ حکم حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، معاذ، ابوموسیٰ، ابنِ عباس، خالد اور دیگر حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہے اور اس کا کسی صحابی نے انکار نہیں کیا، اس لئے یہ اجماع ہے۔"

فقہِ مالکی:... فقہِ مالکی کے عظیم محقق ابنِ رشد مالکیؒ کی مشہورِ زمانہ کتاب "بدایۃ المجتہد" میں ہے:

"والمرتد اذا ظفر به قبل ان يحارب فاتفقوا على انه يقتل الرجل لقوله عليه الصلوٰة والسلام: من

بدّل دينه فاقتلوه." (بدایة المجتهد ج:۲ ص:۳۴۳)

ترجمہ:... "اور مرتد جب لڑائی سے قبل پکڑا جائے تو تمام علمائے اُمت اس پر متفق ہیں کہ مرتد کو قتل کیا جائے گا، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے: جو شخص اپنا مذہب بدل کر مرتد ہوجائے، اس کو قتل کردو۔"

عام طور پر اسلام دُشمن عناصر، ملاحدہ اور زَنادقہ سیدھے سادے مسلمانوں اور سادہ لوح انسانوں کو ذہنی تشویش اور شکوک و شبہات میں مبتلا کرنے اور انہیں اسلام سے برگشتہ کرنے کے لئے یہ شبہ پیش کرتے ہیں کہ سوچنے کی بات ہے کہ ایک انسان اپنا آبائی مذہب تبدیل کرنے پر کیوں مجبور ہوتا ہے؟ یقیناً اس کو اپنے دِین و مذہب میں کوئی کمی کوتاہی یا نقص نظر آیا ہوگا، جب ہی تو وہ اس انتہائی اقدام پر مجبور ہوا ہے؟ لہٰذا جب کوئی شخص غور وفکر کے بعد اسلام کو اپنا سکتا ہے تو دلائل و براہین کی روشنی میں وہ اس کو چھوڑنے کا حق بھی رکھتا ہے، پس اس کی تبدیلیٔ مذہب پر قدغن کیوں لگائی جاتی ہے...؟

بظاہر یہ سوال معقول نظر آتا ہے، جبکہ حقائق اس سے یکسر مختلف ہیں، چنانچہ اگر اس پر غور کیا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ارتداد کی وجہ اسلام میں کسی قسم کا نقص یا کمی کوتاہی نہیں ہے، بلکہ اس کے پیچھے اسلام دُشمنوں کی ایک منظّم سازش ہے، اور وہ یہ کہ اسلام دُشمنوں کی روزِ اوّل سے یہ سعی و کوشش رہی ہے کہ کسی طرح حق کے متلاشیوں کو جادۂ مستقیم سے بچلا کر ضلال و گمراہی کے گہرے غاروں میں دھکیل دیا جائے، چنانچہ شروع میں تو انہوں نے کھل کر اپنے اس مشن کو نبھانے کی کوشش کی، مگر جب ماہتابِ نبوّت، آفتاب نصف النہار بن کر چمکنے لگا اور اس کی چکاچوند روشنی کے سامنے باطل نہ ٹھہر سکا تو ائمہ کفر و ضلال نے رِدائے نفاق اوڑھ کر اس کے خلاف زیرِ زمین سازشوں کا جال بننا شروع کردیا۔

چنانچہ صبح کو وہ اپنے آپ کو مسلمان باور کراتے تو شام کو اسلام سے بیزاری کا سوانگ رچا کر مسلمانوں کو اسلام سے بدظن کرنے کی سازش کرتے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِىْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ." (آل عمران:۷۲)

ترجمہ:... "اور اہلِ کتاب کے ایک گروہ نے (حق سے پھیرنے کی یہ سازش تیار کی اور آپس میں) کہا کہ تم (ظاہری طور پر) ایمان لے آؤ اس (دِین و کتاب) پر جو اُتارا گیا ایمان والوں پر دن کے شروع میں اور اس کا انکار کردو اس کے آخری حصے میں، تاکہ اس طرح یہ لوگ پھر جائیں (دِین و ایمان سے)۔"

گویا وہ یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ اگر اسلام میں کوئی کشش یا صداقت ہوتی تو سوچ سمجھ کر دائرۂ اسلام میں داخل ہونے والے اس سے باہر کیوں آتے؟ یقیناً جو لوگ اسلام قبول کرنے کے بعد اسے خیرباد کہہ رہے ہیں، انہوں نے ضرور اس میں کوئی کمی، کجی یا کمزوری دیکھی ہوگی؟

حالانکہ جن لوگوں نے اسلامی اَحکام و آداب کا مطالعہ اور غور و فکر کرکے اسے قبول کیا اور نبیٔ اُمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر لبیک کہا، تاریخ گواہ ہے کہ ان میں سے کبھی کسی نے اس سے بیزاری تو کیا اس پر سوچا بھی نہیں، جیسا کہ صحیح بخاری کی حدیثِ ہرقل میں حضرت ابوسفیان اور ہرقل کے مکالمے میں اس کی وضاحت و صراحت موجود ہے، چنانچہ جب ہرقل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا والانامہ ملنے پر ابوسفیان سے، جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور حضرت محمد صلی

اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے حریف تھے، یہ پوچھا کہ:

"...هل يرتد احد منهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطةً له؟ قال: لا....."

ترجمہ:... "ہرقل نے ابوسفیان سے پوچھا کہ: کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی اس کو ناپسند کرکے یا اس سے ناراض ہوکر مرتد بھی ہوا ہے؟ ابوسفیان نے کہا: نہیں۔"

پھر اسی حدیث کے آخر میں ہرقل نے اپنے ایک ایک سوال اور ابوسفیان کے جوابات کی روشنی میں اس کی وضاحت کی کہ میں اپنے سوالوں اور تیرے جوابات کی روشنی میں، جن نتائج پر پہنچا ہوں، وہ یہ ہیں کہ:

"...وسألتك هل يرتد احد منهم عن دينه بعد ان يدخل فيه سخطة، فزعمت ان لا، وكذالك الايمان اذا خالط بشاشة القلوب." (بخاری ج:۲ ص:۶۵۳)

ترجمہ:... "اور میں نے آپ سے پوچھا تھا کہ کیا اسلام قبول کرنے والوں میں سے کوئی شخص اسلام سے ناراض ہوکر یا اس سے متنفر ہوکر کبھی مرتد بھی ہوا ہے؟ تو آپ نے کہا تھا کہ ایسا نہیں ہوا، تو سنو! یوں ہی ہے کہ شرحِ صدر کے ساتھ جب ایمان کسی کے دِل میں اُتر جاتا ہے تو نکلا نہیں کرتا۔"

چونکہ اسلام جبر و تشدد کا مذہب نہیں اور نہ ہی کسی کو جبراً و قہراً اسلام میں داخل کیا جاتا ہے، بلکہ قرآن و حدیث میں وضاحت و صراحت کے ساتھ یہ بات مذکور ہے کہ جو شخص دِل و جان سے اسلام قبول نہ کرے، نہ صرف یہ کہ اس کا اسلام معتبر نہیں، بلکہ ایسا شخص قرآنی اصطلاح میں منافق ہے اور منافق جہنم کے نچلے درجے کی بدترین سزا کا مستحق ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

''اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ''

(النساء:۱۴۵)

ترجمہ:... ''بے شک منافق ہیں سب سے نیچے درجے میں دوزخ کے۔''

اسی لئے جبراً وقہراً اسلام میں داخل کرنے کی ممانعت کرتے ہوئے فرمایا گیا:

''لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ۔''

(البقرہ:۲۵۶)

ترجمہ:... ''دِینِ اسلام میں داخل کرنے کے لئے کسی جبر و اِکراہ سے کام نہیں لیا جاتا، اس لئے کہ ہدایت، گمراہی سے ممتاز ہوچکی ہے۔''

لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ جو شخص برضا و رغبت اسلام میں داخل ہوجائے اور اسلام قبول کرلے، اسے مرتد ہونے کی بھی اجازت دے دی جائے، یہ بالکل ایسے ہے جیسے ابتداءً فوج میں بھرتی ہونے کے لئے کوئی جبر اور زبردستی نہیں کی جاتی، لیکن اگر کوئی شخص اپنی رضا و رغبت سے فوج میں بھرتی ہوجائے تو اب اسے اپنی مرضی سے فوج سے نکلنے یا فوجی نوکری چھوڑنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اگر فوج کا یہ قانون جائز ہے تو اسلام کا یہ دستور کیونکر جائز نہیں...؟

اس کے علاوہ عقل و شعور کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جو شخص اپنی مرضی اور رضا و رغبت سے اسلام میں داخل ہوجائے اسے اسلام سے برگشتگی اور مرتد ہونے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے، کیونکہ بالفرض اگر ...نعوذ باللہ... کسی کو اسلام یا اسلامی تعلیمات میں کوئی شک و شبہ تھا تو اس نے اسلام قبول ہی کیوں کیا تھا؟ لہٰذا ایسا شخص جو اپنی مرضی اور رضا و رغبت سے اسلام میں داخل ہوچکا ہے، اب اسے مرتد ہونے کی اس لئے اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ اسلام چھوڑ کر نہ صرف اپنے دِین و مذہب کو

بدلتا ہے، بلکہ اس قبیح اور بدترین فعل کے ذریعہ وہ دِین و شریعت، اسلامی تعلیمات، اسلامی معاشرے کو داغ دار کرنے، اسلامی تعلیمات کو مطعون و بدنام کرنے اور نئے مسلمان ہونے والوں کی راہ روکنے کی بدترین سازش کا مرتکب ہوا ہے، اس لئے اسلام قبول کرنے سے پہلے اس کی مثال کھلے کافر کی تھی، لیکن اب اس کی حیثیت اسلام کے باغی کی ہے، اور دُنیا کا مُسلّمہ اُصول ہے کہ جو شخص کسی ملک کا شہری نہ ہو اور وہ اس ملک کے قوانین کو تسلیم نہ کرے تو اسے اس پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، لیکن جب کوئی شخص کسی ملک کی شہریت اپنالے تو اسے اس ملک کے شہری قوانین کا پابند کیا جائے گا، چنانچہ اگر کوئی خودسر کسی ملک کی شہریت کا دعویدار بھی ہو اور اس کے اَحکام و قوانین اور اُصول وضوابط کے خلاف اعلانِ بغاوت بھی کرے تو اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں، لہٰذا اگر کوئی شخص کسی ملک، اس کے قوانین وضوابط یا کسی ملک کے سربراہ سے بغاوت کی پاداش میں سزائے موت کا مستحق ہے، تو کیا وجہ ہے کہ اسلام، اسلامی قوانین اور پیغمبرِ اسلام سے بغاوت کا مرتکب سزائے موت کا مستحق نہ ہو...؟

اگر دیکھا جائے اور اس کا بغور جائزہ لیا جائے تو سزائے ارتداد کا یہ اسلامی قانون عینِ فطرت ہے، جس میں نہ صرف مسلمانوں کا، بلکہ اسلامی مملکت کے تمام شہریوں کا بھی فائدہ ہے۔ اس لئے کہ دِینِ اسلام اللہ کا پسندیدہ دِین ہے اور اس دِین و مذہب میں دُنیا کی فوز و فلاح اور نجاتِ آخرت کا مدار ہے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

۱:... ''اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔'' (المائدہ:۳)

ترجمہ:... ''آج کے دن میں نے تمہارا دِین مکمل کردیا اور تم پر نعمت تمام کردی اور تمہارے لئے دِینِ اسلام کو پسند کیا۔''

۲:... ''وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔'' (آل عمران:۸۵)

ترجمہ:... ''اور جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دُوسرے
دِین و مذہب کو اپنائے گا، اللہ کے ہاں اسے قبولیت نصیب نہیں
ہوگی اور وہ آخرت میں خسارے میں ہوگا۔''

لہٰذا جو شخص اسلام قبول کرنے کے بعد ارتداد کا مرتکب ہوا ہے، اس کی مثال اس باؤلے کتے یا ہلکے انسان کی ہے جسے اپنا ہوش ہے اور نہ دُوسروں کا، اگر کوئی ''عقل مند'' اس کی جان پر ترس کھا کر اسے چھوڑ دے تو بتلایا جائے کہ وہ انسانیت کا دوست ہے یا دُشمن؟ ٹھیک اسی طرح مرتد کی جان بخشی کرنا بھی معاشرے کو ہلاکت میں ڈالنے کے مترادف ہے، اور اس کی ہلاکت اسلامی معاشرے کے لئے امن و عافیت اور سکون و اطمینان کا ذریعہ ہے۔

مناسب ہوگا کہ یہاں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا سزائے ارتداد کی معقولیت کے سلسلے کا ایک اقتباس نقل کردیا جائے، چنانچہ حضرتؒ لکھتے ہیں:

''تمام مہذّب ملکوں، حکومتوں اور مہذّب قوانین میں باغی کی سزا موت ہے، اور اسلام کا باغی وہ ہے جو اسلام سے مرتد ہوجائے، اس لئے اسلام میں مرتد کی سزا موت ہے، لیکن اس میں بھی اسلام نے رعایت دی ہے، دُوسرے لوگ باغیوں کو کوئی رعایت نہیں دیتے، گرفتار ہونے کے بعد اگر اس پر بغاوت کا جرم ثابت ہوجائے تو سزائے موت نافذ کردیتے ہیں، وہ ہزار معافی مانگے، توبہ کرے اور قسمیں کھائے کہ آئندہ بغاوت کا جرم نہیں کروں گا، اس کی ایک نہیں سنی جاتی اور اس کی معافی ناقابلِ قبول سمجھی جاتی ہے، اسلام میں بھی باغی یعنی مرتد کی سزا قتل ہے، مگر پھر بھی اسے اتنی رعایت ہے کہ تین دن کی مہلت دی جاتی ہے، اس کو تلقین کی جاتی ہے کہ توبہ کرلے، معافی مانگ لے، تو

سزا سے بچ جائے گا، افسوس ہے کہ پھر بھی اسلام میں مرتد کی سزا پر اعتراض کیا جاتا ہے۔

اگر امریکا کے صدر کا باغی حکومت کا تختہ اُلٹنے کی کوشش کرے اور اس کی سازش پکڑی جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر کسی کو اعتراض نہیں، رُوس کی حکومت کا تختہ اُلٹنے والا پکڑا جائے یا جنرل ضیاء الحق کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے والا پکڑا جائے تو اس کی سزا موت ہے اور اس پر دُنیا کے کسی مہذّب قانون اور کسی مہذّب عدالت کو کوئی اعتراض نہیں، لیکن تعجب ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی پر اگر سزائے موت جاری کی جائے تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ سزا نہیں ہونی چاہئے۔ اسلام تو باغی مرتد کو پھر بھی رعایت دیتا ہے کہ اسے تین دن کی مہلت دی جائے، اس کے شبہات دُور کئے جائیں اور کوشش کی جائے کہ وہ دوبارہ مسلمان ہوجائے، معافی مانگ لے تو کوئی بات نہیں، اس کو معاف کردیا جائے گا، لیکن اگر تین دن کی مہلت اور کوشش کے بعد بھی وہ اپنے ارتداد پر اَڑا رہے، توبہ نہ کرے تو اللہ کی زمین کو اس کے وجود سے پاک کردیا جائے، کیونکہ یہ ناسور ہے، خدانخواستہ کسی کے ہاتھ میں ناسور ہوجائے تو ڈاکٹر اس کا ہاتھ کاٹ دیتے ہیں، اگر اُنگلی میں ناسور ہوجائے تو اُنگلی کاٹ دیتے ہیں اور سب دُنیا جانتی ہے کہ یہ ظلم نہیں، بلکہ شفقت ہے، کیونکہ اگر ناسور کو نہ کاٹا گیا تو اس کا زہر پورے بدن میں سرایت کرجائے گا، جس سے موت یقینی ہے، پس جس طرح پورے بدن کو ناسور کے زہر سے بچانے کے لئے ناسور کو کاٹ دینا ضروری ہے اور یہی دانائی اور عقلمندی ہے، اسی

طرح ارتداد بھی ملتِ اسلامیہ کے لئے ایک ناسور ہے، اگر مرتد کو توبہ کی تلقین کی گئی، اس کے باوجود اس نے اسلام میں دوبارہ آنے کو پسند نہیں کیا تو اس کا وجود ختم کردینا ضروری ہے، ورنہ اس کا زہر رفتہ رفتہ ملتِ اسلامیہ کے پورے بدن میں سرایت کرجائے گا۔ الغرض مرتد کا حکم ائمہ اَربعہ کے نزدیک اور پوری اُمت کے علماء اور فقہاء کے نزدیک یہی ہے جو میں عرض کرچکا ہوں اور یہی عقل و دانش کا تقاضا ہے اور اسی میں اُمت کی سلامتی ہے۔" (تحفۂ قادیانیت ج:۱ ص:۶۶۵، ۶۶۶)

ان مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسلام اور اسلامی آئین، ہر غیرمسلم و کافر کی جان کے درپے نہیں، بلکہ اسلامی آئین و دستور صرف اور صرف ان فتنہ پردازوں کا راستہ روکتا ہے اور انہیں کڑی سزا کا مستحق گردانتا ہے جو معاشرے کے امن و امان کے دُشمن اور اسلام سے بغاوت کے مرتکب ہوں، بایں ہمہ اسلام اور اسلامی آئین ایسے لوگوں کو بھی فوراً کیفرِ کردار تک نہیں پہنچاتا، بلکہ انہیں اپنی اصلاح کا موقع فراہم کرتا ہے، اگر وہ سدھر جائیں تو فبہا، ورنہ اس بدترین سزا کے لئے تیار ہوجائیں، اس کے باوجود بھی اگر کوئی بدنصیب اس سے فائدہ نہ اُٹھائے اور اپنی جان کا دُشمن بنا رہے تو اس میں اسلام کا کیا قصور ہے...؟

جیسا کہ ارتداد و مرتد کی تعریف کے ذیل میں پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ جو شخص اسلام لانے کے بعد اسلام کو چھوڑ کر کوئی بھی دُوسرا دِین و مذہب اختیار کرلے، وہ مرتد ہے، اور مرتد کی سزا قتل ہے۔

اس پر یہود و نصاریٰ اور قادیانیوں کے علاوہ دُوسرے ملاحدہ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اگر دُوسرے مذاہب کے پیروکار اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوسکتے ہیں، تو ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کیوں نہیں کرسکتا؟ اگر کسی یہودی اور

عیسائی کے مسلمان ہونے پر قتل کی سزا لاگو نہیں ہوتی تو ایک مسلمان کے یہودیت یا عیسائیت قبول کرنے پر اسے کیوں واجب القتل قرار دیا جاتا ہے؟ اسی طرح اگر کوئی ہندو یا قادیانی، مسلمان ہوسکتا ہے تو ایک مسلمان ...نعوذ باللہ... قادیانی یا ہندو کیوں نہیں بن سکتا...؟

عام طور پر اربابِ کفر و شرک اس سوال کو اس رنگ آمیزی سے بیان کرتے ہیں کہ ایک سیدھا سادا مسلمان نہ صرف اس سے متأثر ہوتا ہے، بلکہ سزائے ارتداد کو ...نعوذ باللہ...! غیرمعقول و غیرمنطقی اور آزادیٔ اظہارِ رائے و آزادیٔ مذہب کے خلاف سمجھنے لگتا ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس مغالطے کے جواب میں بھی چند معروضات پیش کردی جائیں:

الف:... جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ یہودی، عیسائی یا دُوسرے مذاہب کے لوگ اپنا مذہب بدلیں تو ان پر سزائے ارتداد کیوں جاری نہیں کی جاتی؟ اُصولی طور پر ہم اس سوال کا جواب دینے کے مکلّف نہیں ہیں، بلکہ ان مذاہب کے ذمہ داروں، بلکہ ٹھیکے داروں کا فرض ہے کہ وہ اس کا جواب دیں۔

تاہم قطع نظر اس کے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کا یہ طرزِ عمل صحیح ہے یا غلط؟ اتنی بات تو سب کو معلوم ہے کہ دُنیائے عیسائیت و یہودیت اگر اپنے مذہب کے معاملے میں تنگ نظر نہ ہوتی تو آج دُنیا بھر کے مسلمان اور اُمتِ مسلمہ ان کے ظلم و تشدّد کا نشانہ کیوں ہوتے...؟

اس سے ذرا اور آگے بڑھیئے تو اندازہ ہوگا کہ انبیائے بنی اسرائیل کا قتلِ ناحق ان کی اسی تنگ نظری کا شاخسانہ اور تشدّد پسندی کا منہ بولتا ثبوت ہے، ورنہ بتلایا جائے کہ حضراتِ انبیائے کرامؑ کا اس کے علاوہ کون سا جرم تھا؟ صرف یہی ناں کہ وہ فرماتے تھے کہ پہلا دِین و شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی ہے اور اب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہمارے ذریعے نیا دِین اور نئی شریعت آئی ہے اور اسی میں انسانیت کی

نجات اورفوز وفلاح ہے۔

اسی طرح یہودیوں اورعیسائیوں پرفرض ہے کہ وہ بتلائیں کہ حضرت یحییٰ اور حضرت زکریا علیہما السلام کو کیوں قتل کیا گیا؟ ان معصوموں کا کیا جرم تھا؟ اورکس جرم کی پاداش میں ان کا پاک و پاکیزہ اورمقدس لہو بہایا گیا...؟

اس کے علاوہ یہ بھی بتلایا جائے کہ حضرت عیسیٰ رُوح اللہ علیہ السلام کے قتل اوران کے سولی پر چڑھائے جانے کے منصوبے کیوں بنائے گئے...؟

مسلمانوں کو تنگ نظر اور سزائے ارتداد کو ظلم کہنے والے پہلے ذرا اپنے دامن سے حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور لاکھوں مسلمانوں کے خونِ ناحق کے دھبے صاف کریں اور پھر مسلمانوں سے بات کریں...!

ب:... یہ بات تو طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی ہدایت و راہ نمائی کے لئے حضراتِ انبیائے کرامؑ اور رُسلؑ بھیجنے کا سلسلہ شروع فرمایا، جس کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی تو اس کی انتہا یا تکمیل و اختتام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر ہوئی۔

سوال یہ ہے کہ ان تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے دِین و شریعت اور کتب کی کیفیت یکساں تھی یا مختلف؟

اگر بالفرض تمام انبیائے کرام علیہم السلام کی شریعتیں ابدی و سرمدی تھیں تو ایک نبی کے بعد دُوسرے نبی اور ایک شریعت کے بعد دُوسری شریعت کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی...؟

مثلاً اگر حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت ابدی و سرمدی تھی اور اس پر عمل نجاتِ آخرت کا ذریعہ تھا تو اس وقت سے لے کر آج تک تمام انسانوں کو حضرت آدم علیہ السلام کی شریعت کا تابع ہونا چاہئے تھا، اگر ایسا ہے تو پھر یہودیت و عیسائیت کہاں سے آگئی...؟

لیکن اگر بعد میں آنے والے دِین، شریعت، کتاب اور نبی کی تشریف آوری سے، پہلے نبی کی شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی تھی...جیسا کہ حقیقت بھی یہی ہے...تو دُوسرے نبی کی شریعت اور کتاب کے آجانے کے بعد سابقہ شریعت اور نبی کی اتباع پر اصرار وتکرار کیوں کیا جاتا ہے...؟

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جب دُوسرا نبی، شریعت اور کتاب آگئی اور پہلا دِین، شریعت اور کتاب منسوخ ہوگئی، تو اس منسوخ شدہ دِین، شریعت، کتاب اور نبی کے اَحکام پر عمل کرنا یا اس پر اصرار کرنا خود بہت بڑا جرم اور اللہ تعالیٰ سے بغاوت کے مترادف ہے۔

اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے کسی ملک کے قانون میں ترمیم کردی جائے یا اس کو سرے سے منسوخ کردیا جائے اور اس کی جگہ دُوسرا جدید آئین و قانون نافذ کردیا جائے، اب اگر کوئی عقل مند اس نئے آئین و قانون کی بجائے منسوخ شدہ دستور و قانون پر عمل کرتے ہوئے نئے قانون کی مخالفت کرے، تو اسے قانون شکن کہا جائے گا یا قانون کا محافظ و پاسبان...؟

لہٰذا اگر کسی ملک کا سربراہ ایسے عقل مند کو رائج و نافذ جدید آئین و قانون کی مخالفت اور اس سے بغاوت کی پاداش میں باغی قرار دے کر اُسے بغاوت کی سزا دے، تو اس کا یہ فعل ظلم وتعدی ہوگا یا عدل و انصاف؟ کیا ایسے موقع پر کسی عقل مند کو یہ کہنے کا جواز ہوگا کہ اگر جدید آئین و قانون کو چھوڑنا بغاوت ہے تو منسوخ شدہ آئین و قانون کو چھوڑنا کیونکر بغاوت نہیں؟ اگر جدید آئین سے بغاوت کی سزا موت ہے تو قدیم ومنسوخ شدہ آئین کی مخالفت پر سزائے موت کیونکر نہیں...؟

ج:...جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کے اَدیان اور ان کی شریعتیں منسوخ ہوچکی ہیں، اس سلسلے میں گزشتہ سطور میں عقلی طور پر ثابت کیا جاچکا ہے کہ سابقہ انبیاءؑ کی شریعتوں پر عمل باعثِ نجات نہیں، ورنہ نئے دِین،

نئی شریعت اور نئے نبی کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی؟ تاہم سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے ہر ایک نے اپنے بعد آنے والے دِین و شریعت اور نبی کی آمد سے متعلق اپنی اُمت کو بشارت دی ہے اور ان کی اِتباع کی تلقین بھی فرمائی ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

”وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ“ (آل عمران:۸۱)

ترجمہ:... ”اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اس رسول پر ایمان لاؤ گے اور اس کی مدد کرو گے۔“

اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنے بعد آنے والے نبی کی بشارت اِنجیل کے علاوہ خود قرآنِ کریم میں بھی موجود ہے کہ:

”وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ“ (الصّف:۶)

ترجمہ:... ”اور خوشخبری سنانے والا ایک رسول کی جو آئے گا میرے بعد، اس کا نام ہے احمد۔“

چنانچہ سابقہ انبیائے کرامؑ میں سے کسی نے یہ نہیں فرمایا کہ میری نبوّت اور دِین و شریعت قیامت تک ہے اور میں قیامت تک کا نبی ہوں، دُنیائے یہودیت و عیسائیت کو ہمارا چیلنج ہے کہ اگر کسی نبی نے ایسا فرمایا ہے، تو اس کا ثبوت لاؤ: ”قُلْ ہَاتُوْا بُرْہَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ!“ ہمارا دعویٰ ہے کہ صبحِ قیامت تک کوئی یہودی اور عیسائی اس کا ثبوت پیش نہیں کر سکے گا، جب کہ اس کے مقابلے میں آقائے دو عالم

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے تمام انسانوں کے لئے نبی بنا کر بھیجا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا آخری نبی اور خاتم النبیّین فرمایا گیا، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

۱:... ”قُلْ یٰٓاَیُّہَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا“ (الاعراف:۱۵۸)

ترجمہ:... ”تو کہہ: اے لوگو! میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف۔“

۲:... ”وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ“ (الانبیاء:۱۰۷)

ترجمہ:... ”اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔“

۳:... ”مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ“ (الاحزاب:۴۰)

ترجمہ:... ”محمدؐ باپ نہیں کسی کا تمہارے مردوں میں سے، لیکن رسول ہے اللہ کا اور خاتم النبیّین۔“

۴:... ”وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا“ (سبا:۲۸)

ترجمہ:... ”اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو سارے لوگوں کے واسطے خوشی اور ڈر سنانے کو۔“

اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی فرمایا:

۱:... ”انا خاتم النبیّین لا نبی بعدی۔“ (ترمذی ج:۲ ص:۴۵)

ترجمہ:... ”میں خاتم النبیّین ہوں، میرے بعد کوئی کسی

قسم کا نبی نہیں۔“

۲:... **”انا آخر الأنبياء وانتم آخر الأمم.“**

(ابنِ ماجہ ص:۲۹۷)

ترجمہ:... ”میں آخری نبی ہوں اور تم آخری اُمت ہو۔“

۳:... **”لو کان موسىٰ حيًّا ما وسعه الا اتباعي“**

(مشکوٰۃ ص:۳۰)

ترجمہ:... ”اگر موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام زندہ ہوتے تو ان کو بھی میری پیروی کے سوا کوئی چارہ نہ ہوتا۔“

اب جب کہ قرآنِ کریم نازل ہوچکا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، تو ثابت ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ کے آخری نبی ہیں اور قرآن اللہ کی آخری کتاب ہے، لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین و شریعت کا سکہ قیامت تک چلے گا، اس لئے جو شخص اس جدید و رائج قانون اور آئین کو ترک کرکے اس کی مخالفت کرے گا اور سابقہ منسوخ شدہ دِین و شریعت یا کسی خود ساختہ مذہب، جیسے موجودہ دور کے متعدّد باطل و بے بنیاد اَدیان و مذاہب... مثلاً: ہندو، پارسی، سکھ، ذکری، زرتشتی اور قادیانی وغیرہ... میں سے کسی کو اپنائے گا، وہ باغی کہلائے گا۔ دِین و شریعت، قرآن وسنت اور عقل و دیانت کی روشنی میں اس کی سزا وہی ہوگی جو ایک باغی کی ہونی چاہیے، اور وہ قتل ہے...!

اس لئے اربابِ اقتدار سے ہماری درخواست ہے کہ وہ پاکستان میں سزائے ارتداد کا قانون جاری و نافذ کرکے ایسے باغیوں کی بغاوت کا سدِّباب کریں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و اعانت کے مستحق قرار پائیں۔

اس موقع پر متحدہ مجلسِ عمل کے ارکان کی جانب سے سزائے ارتداد کے قانون کی ترتیب اور بل کی حیثیت سے اُسے قومی اسمبلی میں پیش کرنے پر، ہم ان کو

دِل کی گہرائیوں سے مبارک باد دیتے ہیں اور ان کے اس بر وقت اقدام کی بھرپور حمایت و تائید کرتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں کہ وہ دُوسرے ارکانِ اسمبلی کو بھی ان کی تائید کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ)

حدود آرڈی نینس کا متن

جرم زنا...نفاذِ حدود ...آرڈی نینس، ۱۹۷۹ء

آرڈی نینس نمبر ۷ مجریہ ۱۹۷۹ء

زنا کے جرم سے متعلق قانون کو اسلامی احکام کے مطابق بنانے کے لئے آرڈی نینس

(۹رفروری، ۱۹۷۹ء)

چونکہ یہ ضروری ہے کہ زنا سے متعلق موجودہ قانون میں ترمیم کی جائے، تاکہ اسے اسلامی اَحکام کے مطابق جس طرح کہ قرآنِ پاک اور سنت میں ان کا تعین کیا گیا ہے، بنایا جائے؟ اور چونکہ صدر کو یہ اطمینان ہے کہ ایسے حالات موجود ہیں جن کی بنا پر فوری کارروائی کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ لہٰذا اب، فرمان قوانین (تسلسل نفاذ) ۱۹۷۷ء (فرمان سی ایم ایل اے نمبر:۱، مجریہ ۱۹۷۷ء) کے ساتھ ملاکر پڑھتے ہوئے پانچ جولائی ۱۹۷۷ء کے اعلان کے بموجب اور اس سلسلے میں اسے مجاز کرنے والے تمام اختیارات استعمال کرتے ہوئے صدر نے حسبِ ذیل آرڈی نینس وضع اور جاری کیا ہے:

۱:...مختصر عنوان، وسعت اور آغاز نفاذ:

۱:... یہ آرڈی نینس ،جرم زنا (نفاذِ حدود) آرڈی نینس، ۱۹۷۹ء کے نام سے موسوم ہوگا۔

۲:... یہ تمام پاکستان پر وسعت پذیر ہوگا۔

۳:... یہ بارہ ربیع الاوّل ۱۳۹۹ھ مطابق ۱۰رفروری ۱۹۷۹ء کو نافذ العمل ہوگا۔

۲:...تعریفات:

اس آرڈی نینس میں بجز اس کے کہ کوئی امر موضوع یا سیاق و سباق کے منافی ہو۔

الف:...''بالغ'' سے ایسا شخص مراد ہے، جس کی عمر مرد ہونے کی صورت میں، اٹھارہ سال ہوچکی ہو یا عورت ہونے کی صورت میں سولہ سال ہوچکی ہو یا جو بلوغ کو پہنچ چکا ہو۔

ب:...''حد'' سے مراد ایسی سزا ہے، جس کا تعین قرآن پاک یا سنت میں ہوا ہے۔

ج:...''نکاح'' سے ایسا نکاح مراد ہے جو فریقین کے شخصی قانون کے بموجب باطل نہ ہو اور نکاح میں ہونے سے بحسبہ (یہی) معنی لئے جائیں گے۔

د:...''محصن'' سے مراد؟۔

اوّل:...ایسا بالغ مسلمان مرد مراد ہے، جو فاتر العقل نہ ہو اور جس نے کسی ایسی بالغ مسلمان عورت کے ساتھ جماع کیا ہو، جو اس وقت جبکہ اس نے اس کے ساتھ جماع کیا ہو، اس کے نکاح میں تھی فاتر العقل نہ تھی، یا:

دوم:...کوئی ایسی بالغ مسلمان عورت مراد ہے، جو فاتر العقل نہ ہو، جس نے کسی ایسے بالغ مسلمان مرد کے ساتھ جماع کیا ہو، جو اس وقت جبکہ اس نے اس کے ساتھ جماع کیا ہو، اس کے نکاح میں تھا، فاتر العقل نہ تھا، اور

ہ:...''تعزیر'' سے حد کے علاوہ کوئی اور سزا مراد ہے، اور دیگر تمام اصطلاحات اور عبارات کا، جن کی اس آرڈی نینس میں تعریف نہیں کی گئی ہے، وہی مفہوم ہوگا جو مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) یا مجموعہ ضابطہ فوجداری ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸) میں (مذکور) ہے۔

۳:...آرڈی نینس دیگر قوانین پر غالب ہوگا:

اس آرڈی نینس کے احکام فی الوقت نافذ العمل کسی دیگر قانون میں شامل کسی امر کے باوجود موثر ہوں گے۔

۴:...زنا:

کسی مرد اور کسی عورت کو زنا کا مرتکب کہا جائے گا، اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ نکاح صحیح میں ہوئے بغیر قصداً جماع کریں۔

تشریح:

زنا کے جرم کے لئے مطلوبہ جماع کے تعین کے لئے دخول کافی ہے۔

۵:...زنا مستوجب حد:

ا:...زنا، زنا مستوجب حد ہے اگر:

الف:...اس کا ارتکاب ایسے مرد نے، جو بالغ ہو اور فاتر العقل نہ ہو، ایسی عورت کے ساتھ کیا ہو، جس کے ساتھ نہ تو اس کا نکاح ہوا ہو، اور نہ اسے نکاح ہونے کا شبہ ہو، یا

ب:...اس کا ارتکاب ایسی عورت نے، جو بالغ ہو اور فاتر العقل نہ ہو، ایسے مرد کے ساتھ کیا ہو، جس کے ساتھ نہ تو اس کا نکاح ہوا ہو، اور نہ اسے نکاح ہونے کا شبہ ہو۔

۲:...جو کوئی بھی زنا مستوجب حد کا مجرم ہو، تو اس آرڈی نینس کے احکام کے تحت:

الف:...اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن ہو تو اسے جائے عام پر سنگسار کیا جائے گا، یا

ب:...اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن نہ ہو تو اسے جائے عام پر ایک سو کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

۳:...ذیلی دفعہ (۲) کے تحت کسی سزا کی تعمیل نہیں کی جائے گی، تاوقتیکہ وہ عدالت اس کی توثیق نہ کردے، جس کے سامنے حکم سزا یابی کے خلاف اپیل کی جاسکتی ہو، اور اگر سزا کوڑوں کی دی گئی ہو تو تاوقتیکہ سزا کی توثیق اور تعمیل نہ ہوجائے، سزایاب مجرم سے اس طرح سلوک کیا جائے گا گویا کہ اسے قید محض کی سزا دی گئی ہو۔

۶:...زنا بالجبر:

زنا بالجبر (۱) کسی شخص کو زنا بالجبر کا مرتکب کہا جائے گا، اگر وہ مرد یا وہ عورت کسی ایسی عورت یا مرد کے ساتھ، جیسی بھی صورت ہو، جس کے ساتھ وہ مرد یا عورت نکاح صحیح میں نہ ہو، مندرجہ ذیل حالات میں سے کسی میں، جماع کرے، یعنی:

الف:...مظلوم کی مرضی کے خلاف،

ب:...مظلوم کی رضا مندی کے بغیر،

ج:...مظلوم کی رضا مندی سے، جبکہ رضا مندی مظلوم کو ہلاکت یا ضرر کا خوف دلا کر حاصل کی گئی ہو یا:

د:...مظلوم کی رضا مندی سے، جبکہ مجرم جانتا ہو کہ وہ مظلوم کے ساتھ نکاح صحیح میں نہیں ہے اور یہ کہ رضا مندی کا اظہار اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ مظلوم باور کرتا ہے یا کرتی ہے کہ مجرم وہ دوسرا شخص ہے جس کے ساتھ مظلوم کا نکاح صحیح ہو چکا ہے یا جس سے نکاح صحیح ہونا وہ باور کرتا ہے یا کرتی ہے۔

تشریح:

ا:...زنا بالجبر کے جرم کے لئے مطلوبہ جماع کے لئے دخول کافی ہے۔

۲:...زنا بالجبر: زنا بالجبر مستوجب حد ہے، اگر اس کا ارتکاب دفعہ ۵ کی ذیلی

دفعہ (۱) میں مصرحہ حالات میں کیا جائے۔

۳:... جو کوئی بھی زنا یا زنا بالجبر مستوجب حد کا مجرم ہو، تو اس آرڈی نینس کے احکام کے تابع (تحت) ہے:

الف:... اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن ہو تو اسے جائے عام پر سنگسار کیا جائے گا: یا

ب:... اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن نہ ہو تو اسے جائے عام پر ایک سو کوڑوں کی سزا اور ایسی دیگر سزا دی جائے گی، جس میں موت کی سزا شامل ہے، جیسے عدالت حالاتِ مقدمہ کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب تصور کرے۔

۴:... ذیلی دفعہ (۳) کے تحت کسی سزا کی تعمیل نہیں کی جائے گی، تاوقتیکہ وہ عدالت اس کی توثیق نہ کردے، جس کے سامنے حکم سزایابی کے خلاف اپیل کی جاسکتی ہو، اور اگر سزا کوڑوں کی دی گئی ہو تو تاوقتیکہ سزا کی توثیق اور تعمیل نہ ہوجائے، سزایاب مجرم سے اس طرح سلوک کیا جائے گا گویا کہ اسے قیدِ محض کی سزا دی گئی ہو۔

۷:... زنا یا زنا بالجبر کی سزا جبکہ سزایاب مجرم بالغ نہ ہو:

زنا یا زنا بالجبر کے کسی ایسے مجرم کو جو بالغ نہ ہو، پانچ سال تک کی مدت کے لئے کسی ایک قسم کی قید کی یا جرمانے کی سزا یا دونوں سزائیں دی جائیں گی اور اسے تیس کوڑوں تک کی سزا بھی دی جاسکے گی۔

مگر شرط یہ ہے کہ زنا بالجبر کی صورت میں، اگر مجرم پندرہ سال سے کم عمر کا نہ ہو تو کوڑوں کی سزا کسی دیگر سزا کے ساتھ یا اس کے بغیر دی جائے گی۔

۸:... زنا یا زنا بالجبر مستوجب حد کا ثبوت:

زنا یا زنا بالجبر مستوجب حد کا ثبوت حسب ذیل میں سے کسی ایک شکل میں ہوگا یعنی:

الف:... ملزم کسی عدالت مجاز کے روبرو جرم کے ارتکاب کا اقبال کرے، یا:

ب:... کم سے کم چار بالغ مسلمان مرد گواہ، جن کے بارے میں عدالت کو تزکیۃ الشہود کے مقتضیات کا لحاظ رکھتے ہوئے اطمینان ہو کہ وہ عادل اشخاص ہیں اور کبیرہ گناہوں (کبائر) سے پرہیز کرتے ہیں، جرم کے لئے مطلوبہ دخول کے فعل کے چشم دید گواہوں کی حیثیت سے گواہی دیں:

مگر شرط یہ ہے کہ اگر ملزم غیرمسلم ہو، تو چشم دید گواہ غیرمسلم ہوسکتے ہیں۔

تشریح:

اس دفعہ میں ''تزکیۃ الشہود'' سے وہ طریق تحقیقات مراد ہے جو عدالت کسی گواہ کے قابل اعتبار ہونے کی بابت اپنا اطمینان کرنے کے لئے اختیار کرے۔

۹:... مقدمات جن میں حد نافذ نہیں کی جائے گی:

۱:... کسی ایسے مقدمے میں، جس میں زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف مجرم کے اقبال جرم سے ثابت ہوا ہو، (اور ابھی) حد یا اس کا کوئی ایسا جزو، جسے نافذ کرنا باقی ہو، نافذ نہیں کیا جائے گا، اگر سزایاب مجرم اس سے قبل کہ حد یا مذکورہ جزو، نافذ ہونے سے قبل اپنے اقبال جرم سے انحراف کرلے۔

۲:... کسی ایسے مقدمے میں جس میں زنا یا زنا بالجبر کا جرم صرف شہادت سے ثابت ہوا ہو، اگر حد یا اس کا کوئی ایسا جزو ابھی جسے نافذ کرنا باقی ہو، نافذ نہیں کیا جائے گا، اگر کوئی گواہ کہ حد یا مذکورہ جزو کے نفاذ سے قبل ہو، اپنی شہادت سے منحرف ہوجائے اور اس طرح چشم دید گواہوں کی تعداد چار سے کم رہ جائے۔

۳:... ذیلی دفعہ (۱) میں بیان کردہ صورت میں، عدالت مکرر سماعت کا حکم دے سکے گی۔

۴:... ذیلی دفعہ (۲) میں بیان کردہ صورت میں، عدالت قلمبند کی ہوئی

شہادت کی بنیاد پر تعزیر صادر کر سکے گی۔

۱۰:...زنا یا زنا بالجبر مستوجب تعزیر:

ا:...دفعہ (۷) کے احکام کے تابع جو کوئی بھی ایسے زنا یا زنا بالجبر کا ارتکاب کرے جو مستوجب حد نہ ہو، یا جس کے لئے دفعہ ۸ میں مذکورہ کسی شکل میں ثبوت دستیاب نہ ہو اور مستغیث کو قذف مستوجب حد کی سزا نہ دی گئی ہو یا جس کے لئے اس آرڈی نینس کے تحت حد نافذ نہ کی جاسکتی ہو تو وہ تعزیر کا مستوجب ہوگا۔

۲:... جو کوئی بھی زنا مستوجب تعزیر کا ارتکاب کرے، اسے دس سال تک کی مدت کے لئے قید سخت اور تیس کوڑوں کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

۳:... جو کوئی بھی زنا بالجبر مستوجب تعزیر کا ارتکاب کرے، اسے پچیس سال تک کی مدت کے لئے قید کی سزا دی جائے گی اور تیس کوڑوں کی سزا بھی دی جائے گی۔

۱۱:...عورت کو اس کے نکاح وغیرہ پر مجبور کرنے کی لئے بھگانا، اغوا کرنا یا ترغیب دینا:

جو کوئی بھی کسی عورت کو اس ارادے سے کہ اسے مجبور کیا جائے یا یہ جانتے ہوئے کہ اسے مجبور کرنے کا احتمال ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف کسی شخص سے نکاح کرے یا اس غرض سے کہ ناجائز جماع پر مجبور کی جائے یا پھسلالی جائے یا اس امر کے احتمال کے علم سے کہ اسے ناجائز جماع پر مجبور کرلیا جائے گا یا پھسلا لیا جائے گا، لے بھاگے یا اغوا کرے تو اسے حبس دوام اور تیس کوڑوں تک کی سزا دی جائے گی، اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا اور جو کوئی بھی مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) میں تعریف کردہ تخویف مجرمانہ کے ذریعے یا اختیار کے بے جا استعمال یا جبر کے کسی دوسرے طریقے کے ذریعے کسی عورت کو کسی جگہ سے جانے کے لئے اس

ارادے سے، یا یہ جانتے ہوئے ترغیب دے کہ اس امر کا احتمال ہے کہ اسے کسی دوسرے شخص کے ساتھ ناجائز جماع پر مجبور کیا جائے گا یا پھسلالیا جائے گا تو وہ بھی مذکورہ بالا طور پر سزا کا مستوجب ہوگا۔

۱۲:...کسی شخص کو غیر فطری خواہش نفسانی کا نشانہ بنانے کی غرض سے لے بھاگنا یا اغوا کرنا:

جو کوئی بھی کسی شخص کو اس غرض سے کہ مذکورہ شخص کو کسی شخص کی غیر فطری خواہش نفسانی کا نشانہ بنایا جائے، یا اس طرح ٹھکانے لگایا جائے کہ کسی شخص کی غیر فطری خواہش نفسانی کا نشانہ بننے کے خطرے میں پڑ جائے، اس امر کے احتمال کے علم کے ساتھ کہ مذکورہ شخص کو بایں طور نشانہ بنایا جائے، یا ٹھکانے لگایا جائے گا، لے بھاگے یا اغوا کرے تو اسے موت یا پچیس سال تک کی مدت کے لئے قید سخت کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا اور اگر سزائے قید دی گئی ہو تو اسے تیس کوڑوں تک کی سزا بھی دی جائے گی۔

۱۳:...کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض کیلئے فروخت کرنا:

جو کوئی بھی کسی شخص کو اس نیت سے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت عصمت فروشی یا کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع کی غرض سے یا کسی ناجائز اور غیر اخلاقی مقصد کے کام میں لگایا جائے گا یا استعمال کیا جائے گا یا اس امر کے احتمال کا علم رکھتے ہوئے کہ مذکورہ شخص کو کسی بھی وقت مذکورہ غرض کے لئے کام میں لگایا جائے گا، استعمال کیا جائے گا، فروخت کرے، اجرت پر چلائے یا بصورت دیگر حوالے کرے تو اُسے حبس دوام اور تیس کوڑوں تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

تشریحات:

الف:... جب کوئی عورت کسی طوائف یا کسی شخص کو جو کسی چکلے کا مالک یا منتظم ہو، فروخت کی جائے ،اجرت پر دی جائے یا بصورت دیگر حوالے کی جائے تو مذکورہ عورت کو بایں طور حوالے کرنے والے شخص کے متعلق، تاوقتیکہ اس کے برعکس ثابت نہ ہوجائے، یہ تصور کیا جائے گا کہ اس نے اسے اس نیت سے حوالے کیا تھا کہ اسے عصمت فروشی کے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

ب:... دفعہ ہٰذا اور دفعہ ۱۴ کی اغراض کے لئے ''ناجائز جماع'' سے ایسے اشخاص کے مابین جماع مراد ہے جو رشتہ نکاح میں منسلک نہ ہوں۔

۱۴:... کسی شخص کو عصمت فروشی وغیرہ کی اغراض سے خریدنا:

جو کوئی کسی شخص کو اس نیت سے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت عصمت فروشی کے لئے کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع کے لئے، یا کسی ناجائز اور غیر اخلاقی مقصد کے لئے کام میں لگایا جائے گا، یا استعمال کیا جائے گا، یا اس امر کے احتمال کا علم رکھتے ہوئے کہ مذکورہ شخص کسی بھی وقت کسی مذکورہ مقصد کے لئے کام میں لگایا جائے گا، یا استعمال کیا جائے گا،خریدے، اجرت پر رکھے یا بصورت دیگر اس کا قبضہ حاصل کرے تو اُسے حبس دوام اور تیس کوڑوں تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

تشریح:

کوئی طوائف یا کوئی شخص جو کسی چکلے کا مالک یا منتظم ہو کسی عورت کو خریدے، اجرت پر رکھے، یا بصورت دیگر اس کا قبضہ حاصل کرے،تو تاوقتیکہ اس کے

برعکس ثابت نہ ہوجائے، یہ تصور کیا جائے گا کہ اس عورت پر اس نیت سے قبضہ کیا گیا تھا کہ اسے عصمت فروشی کے مقصد کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

۱۵:... کسی شخص کا فریب سے ناجائز نکاح کا یقین دلاکر ہم بستری کرنا:

ہر وہ شخص جو فریب سے کسی عورت کو جس سے جائز طریق پر اس نے نکاح نہ کیا ہو، یہ باور کرائے کہ اس نے اس عورت سے جائز طور پر نکاح کیا ہے اور اسے اس یقین کے ساتھ اپنے ساتھ ہم بستری پر آمادہ کرے، تو اسے پچّیس سال تک کی مدّت کے لئے قید سخت اور تیس کوڑوں تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

۱۶:... کسی عورت کو مجرمانہ نیت سے ورغلانا یا نکال کر لے جانا یا روک رکھنا:

جو کوئی بھی کسی عورت کو اس نیت سے نکال کرلے جائے یا ورغلا کر لے جائے کہ وہ کسی شخص کے ساتھ ناجائز جماع کرے یا کسی عورت کو مذکورہ نیت سے چھپائے یا روک رکھے تو اسے سات سال تک کی مدت کے لئے کسی بھی قسم کی سزائے قید اور تیس کوڑوں تک کی سزا دی جائے گی اور وہ جرمانے کا بھی مستوجب ہوگا۔

۱۷:...سنگسار کرنے کی سزا کی تعمیل کا طریقہ کار:

دفعہ ۵ یا دفعہ ۶ کے تحت دی گئی سنگسار کرنے کی سزا کی تعمیل حسبِ ذیل طریقے سے کی جائے گی، یعنی: ان گواہوں میں سے جنھوں نے سزایاب مجرم کے خلاف گواہی دی ہو ایسے گواہ جو دستیاب ہوں، اسے سنگسار کرنا شروع کریں گے اور سنگساری کے دوران اسے اس طرح گولی ماری جائے گی کہ موت واقع ہوجائے، جس

کے بعد سنگساری کرنا اور گولی چلانا موقوف ہوجائے گا۔

۱۸:...کسی جرم کے ارتکاب کے اقدام کی سزا:

جو کوئی بھی اس آرڈی نینس کے تحت قید یا کوڑوں کی سزا کے مستوجب کسی جرم کے ارتکاب کا یا مذکورہ کسی جرم کے ارتکاب کئے جانے کا سبب بننے کا اقدام کرے اور مذکورہ اقدام میں جرم کے ارتکاب سے متعلق کوئی عمل کرے تو اسے اس جرم کے لئے مقررہ طویل ترین مدت کی نصف مدت تک کے لئے قید کی سزا یا تیس کوڑوں تک کی سزا یا ایسے جرمانے کی سزا جو اس جرم کے لئے مقرر پر دی جائے گی یا کوئی سی دو یا تمام سزائیں دی جائیں گی۔

۱۹:... مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) بعض احکام کا اطلاق اور ترمیم:

ا:... بجز اس کے کہ اس آرڈی نینس میں صریحاً اس کے برعکس مذکور ہو، مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) کے باب دوم کی دفعات ۳۴ تا ۳۸، باب سوم کی دفعات ۶۳ تا ۷۲ اور ابواب پنجم اور پنجم الف، کے احکام کا اس آرڈی نینس کے تحت جرائم کی نسبت مناسب تبدیلیوں کے ساتھ اطلاق ہوگا۔

۲:...جو کوئی بھی اس آرڈی نینس کے تحت کسی جرم مستوجب حد میں اعانت کا مجرم ہو تو وہ مذکورہ جرم کے لئے تعزیر کے طور پر مقرر کردہ سزا کا مستوجب ہوگا۔

۳:...مجموعہ تعزیرات پاکستان (ایکٹ نمبر ۴۵ بابت ۱۸۶۰ء) میں:

الف:... باب ۱۶ کی دفعہ ۳۶۶، دفعہ ۳۷۲، دفعہ ۳۷۳، دفعہ ۳۷۵ اور دفعہ ۳۷۶، اور باب ۲۰ کی دفعہ ۴۹۳، دفعہ ۴۹۷ اور دفعہ ۴۹۸ منسوخ ہوجائیں گی، اور:

ب:... دفعہ ۳۶۷ میں، الفاظ اور سکتہ ’’یا کسی شخص کی غیر فطری خواہش نفسانی کا‘‘ حذف کردیئے جائیں گے۔

۲۰:... مجموعہ ضابطہ فوجداری (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) کا اطلاق ترمیم:

ا:... مجموعہ ضابطہ فوجداری، ۱۸۹۸ء (ایکٹ نمبر ۵ بابت ۱۸۹۸ء) جس کا حوالہ بعد ازیں اس دفعہ میں ضابطہ کے طور پر دیا گیا ہے کے احکام کا اس آرڈی نینس کے تحت مقدمات کی نسبت مناسب تبدیلیوں کے ساتھ اطلاق ہوگا: مگر شرط یہ ہے کہ اگر شہادت میں یہ ظاہر ہو کہ مجرم نے کسی دیگر قانون کے تحت کسی مختلف جرم کا ارتکاب کیا ہے تو اسے اگر عدالت اس جرم میں سماعت کرنے اور اس کے لئے سزا دینے کی مجاز ہو، اس جرم کا مجرم قرار دیا جاسکے گا اور سزا دی جاسکے گی۔

۲:...سزائے موت کی توثیق سے متعلق ضابطہ کے احکام کا، اس آرڈی نینس کے تحت سزاؤں کی توثیق کے لئے مناسب تبدیلیوں کے ساتھ اطلاق ہوگا۔

۳:...ضابطہ کی دفعہ ۱۹۸، دفعہ ۱۹۹، دفعہ ۱۹۹ الف یا دفعہ ۱۹۹ ب کے احکام کا اس آرڈی نینس کی دفعہ ۱۵ یا دفعہ ۱۶ کے تحت قابل سزا کسی جرم کی سماعت پر اطلاق نہیں ہوگا۔

۴:...ضابطہ کی دفعہ ۳۹۱ کی ذیلی دفعہ (۳) یا دفعہ ۳۹۳ کے احکام کا اس آرڈی نینس کے تحت دی گئی کوڑوں کی سزا کی نسبت اطلاق نہیں ہوگا۔

۵:...ضابطہ کے باب ۲۹ کے احکام کا اس آرڈی نینس کی دفعہ ۵ یا دفعہ ۶ کے تحت دی گئی سزاؤں کی نسبت اطلاق نہیں ہوگا۔

۶:...ضابطہ میں دفعہ ۵۶۱ منسوخ ہوجائے گی۔

۲۱:...عدالت کا افسر صدارت کنندہ مسلمان ہوگا:

اس عدالت کا افسر صدارت کنندہ جو اس آرڈی نینس کے تحت کسی مقدمے یا اپیل کی سماعت کرے مسلمان ہوگا: مگر شرط یہ ہے کہ اگر ملزم غیر مسلم ہو تو افسر

صدارت کنندہ غیر مسلم ہوسکتا ہے۔

۲۲:...استثنا:

اس آرڈی نینس میں کسی امر کا ان مقدمات پر جو اس آرڈی نینس کے آغاز نفاذ سے عین قبل کسی عدالت کے سامنے زیرِ سماعت ہوں یا ان جرائم پر جن کا مذکورہ آغاز نفاذ سے قبل ارتکاب ہوا ہو، اطلاق پذیر ہونا متصور نہیں ہوگا۔

(نفاذِ حدود کے متعلق قوانین، ص:۳۵ تا ۴۵)

حدود آرڈی نینس کے خلاف غوغا آرائی اور اس کا پسِ منظر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

آج سے ۲۷ سال پیشتر فروری ۱۹۷۹ء میں نافذ ہونے والے ''حدود آرڈی نینس'' کے خلاف سالِ رواں کے ماہ جون میں ''ذرا سوچئے'' کے عنوان سے اچانک مزاحمتی تحریک اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اخبارات، مجلّات اور ٹی وی میں اشتہارات، بیانات اور مذاکروں کی مد میں اس پر بے دریغ کروڑوں روپیہ صرف کیا گیا، این جی اوز اور لادِین طبقہ، جو اسلام اور اسلامی اَحکام کے خلاف اُدھار کھائے بیٹھا تھا، ایک دَم میدان میں آگیا۔ دُوسری طرف ان کی حمایت و تائید میں صدر، وزیرِاعظم، وفاقی و صوبائی وزراء اور ارکانِ اسمبلی بھی یک زبان ہوکر بولنے لگے، ان سب کا مطالبہ تھا اور ہے کہ: ''حدود آرڈی نینس کو یکسر ختم کیا جائے یا کم ازکم اس میں ترمیم کرکے اس کا ''زہر'' نکالا جائے۔'' اس موقع پر علماء، اربابِ دِین اور دِین دار مسلمانوں کا تشویش میں مبتلا ہونا ایک فطری اَمر تھا، کہ اچانک اور ایک دَم یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوگیا؟ اس کے پیچھے کون سی قوّتیں ہیں؟ اور ان کے کیا عزائم و مقاصد ہیں؟ اگر خدانخواستہ اس تحریک کی راہ نہ روکی گئی، تو اسی طرح یکے بعد دیگرے ایک ایک اسلامی دفعات کے خلاف تحریک اُٹھتی رہے گی، اور آہستہ آہستہ پاکستان سے اسلامی اقدار کا صفایا

ہوجائے گا۔

کہیں ایسا نہ ہو کہ آج حدود آرڈی نینس نشانے پر ہو، کل امتناعِ قادیانیت آرڈی نینس اور اس سے اگلی بار قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے قومی اسمبلی کے فیصلہ کی باری آجائے؟

اور ان سب سے فراغت کے بعد پاکستان کی اسلامی حیثیت وتشخص پر ہاتھ صاف کرکے اُسے مادر پدر آزاد ایک سیکولر ملک کا درجہ دے دیا جائے؟ جہاں نہ کسی دِین و مذہب کا نام ہو، نہ شرافت، دیانت اور شرم وحیا کا...!

بلاشبہ روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵رمئی ۲۰۰۶ء کے ادارتی نوٹ کے مطالعے سے بھی ہمارے اس اندیشے کو تقویت ملتی ہے کہ اس قانون میں ترمیم کو آڑ بنا کر مُسلّمہ دِینی عقائد و ایمانیات میں تحریف و تبدیلی کا آغاز کیا جائے گا، چنانچہ روزنامہ ''جنگ'' کا ادارتی نوٹ ملاحظہ ہو:

> ''جیو ٹی وی چینل نے ایک عرصے سے متنازع حدود آرڈی نینس پر پاکستان کے ہر مکتبِ فکر کے جید، معزّز اور محترم علمائے دِین سے رائے لینے کا سلسلہ شروع کیا ہے، جو یقیناً اس اعتبار سے قابلِ ذکر ہے کہ اس حوالے سے ملک میں شہریوں کو ان مسائل پر کھلے عام اظہارِ خیال کا موقع ملے گا، جن کو اَب تک چھونے کی بھی روایت نہیں تھی۔ مذہبی اُمور پر اس وقت دُنیا بھر میں جو صورتِ حال پائی جاتی ہے، جس طرح بین المذاہب ہم آہنگی کے لئے تبادلہ خیال ہو رہا ہے، اس تناظر میں حدود آرڈی نینس پر قومی مباحثے کا آغاز بلاشبہ ایک اہم پیش رفت ہے۔ پاکستان میں ایسی سوِل سوسائٹی کے قیام کے لئے ایک نمایاں کوشش ہے جہاں مذہب کو دُوسروں کے حقوق کے استحصال کے

> لئے استعمال نہ کیا جاسکے۔ اس میں بنیادی طور پر سوچنے کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔ ''ذرا سوچئے'' کی یہ تحریک ایسے معاشرے میں عقل و استدلال کا غلبہ قائم کرنے کا مثبت اقدام ہے، جہاں عقائد کے حوالے سے بھی سوچنے پر غیراعلانیہ پابندی ہو، جہاں قبائلی، جاگیردارانہ، سرمایہ دارانہ تمدن نے شہریوں کو اپنی مرضی سے زندگی گزارنے سے محروم کر رکھا ہو......''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵رمئی ۲۰۰۶ء)

آپ نے ملاحظہ کیا کہ فاضل اداریہ نویس نے بین السطور اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا کہ:

> ''......''ذرا سوچئے'' کی تحریک ایسے معاشرے میں عقل و استدلال کا غلبہ قائم کرنے کا مثبت اقدام ہے، جہاں عقائد کے حوالے سے بھی سوچنے پر غیراعلانیہ پابندی ہو......''

گویا ''حدود آرڈی نینس'' میں ترمیم و تبدیلی کا ہمالیہ اور اس کی چوٹی سر کرنے کے بعد ہمارا اگلا ہدف یا اگلا قدم، عقائد کی تبدیلی پر سوچنے کا ہوگا۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا کلمہ اور ایک مختصر سا جملہ ہے، مگر یہ اپنے اندر کس قدر خوف ناک زہر لئے ہوئے ہے؟ بادی النظر میں شاید اس کا اندازہ کسی کو نہ ہو، مگر تھوڑے سے غور و فکر سے احساس ہوگا کہ آئندہ اہالیانِ پاکستان کو عقائد و ایمانیات کے معاملے میں بھی آزادی دی جائے گی، اور انہیں اپنی عقل و استدلال کے زور پر صریح نصوص اور قطعی عقائد میں تبدیلی کی آزادی سے بھی نوازا جائے گا۔ دُوسرے لفظوں میں انہیں مذہب بدلنے اور ارتداد کی آزادی سے بھی سرفراز کیا جائے گا۔

گویا اس اسلامی ملک میں اب آئندہ جو شخص اپنی عقل اور عقلی استدلال سے اسلام کو ترک کرکے عیسائیت، قادیانیت، یہودیت یا ہندومت اختیار کرے گا،

اس کو اس کی بھی آزادی ہوگی۔

دیکھا جائے تو زنا حدود آرڈی نینس کی منسوخی کا مطالبہ کرنے والے بھی یہی چاہتے ہیں کہ یورپی اور مغربی معاشرے کی طرح جانوروں کی طرح انہیں سرِعام جنسی ملاپ اور شہوت رانی کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔ چونکہ زنا حدود آرڈی نینس ان کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا، اس لئے اس کی منسوخی کا مطالبہ کیا جارہا ہے، ورنہ بتلایا جائے اس کے سوا حدود آرڈی نینس کی منسوخی کے مطالبے کا کیا مقصد ہوسکتا ہے؟

بلاشبہ حدود آرڈی نینس کے خلاف برپا ہونے والی تحریک کئی اعتبار سے قابلِ غور اور لائقِ توجہ ہے، کیونکہ جس انداز سے حدود آرڈی نینس کے خلاف ''ذرا سوچئے'' کی تحریک اور میڈیائی جنگ نے دُنیا بھر میں شہرت و توجہ حاصل کی ہے، یہ بلاوجہ نہیں ہے، ضرور اس کے پیچھے کوئی خفیہ ہاتھ اور بھیانک پروگرام ہے! ہمارے خیال میں ''ذرا سوچئے'' کی مہم، اس کے پسِ پردہ محرکات اور اَسباب و وسائل کی طرف جس طرح توجہ کی جانی چاہئے تھی، علماء سے ہٹ کر شاید ہی کسی نے اس پر توجہ دی ہو! بلکہ ہمارے خیال میں عوام کیا، بہت سے پڑھے لکھے مسلمانوں کا ذہن و خیال بھی اس طرف نہیں گیا کہ ایک دَم یہ تحریک کیونکر اُٹھ کھڑی ہوئی...؟

اس لئے کہ حدود آرڈی نینس کوئی آج نافذ نہیں ہوا، بلکہ آج سے ستائیس سال قبل ۱۹۷۹ء میں اس کا نفاذ ہوا، اس کے نفاذ کے ایک عرصہ بعد ۱۹۸۸ء تک جنرل محمد ضیاء الحق صاحب حین حیات رہے، ان کے بعد یکے بعد دیگرے غلام اسحٰق خان، فاروق لغاری، رفیق تارڑ، بےنظیر صاحبہ، نواز شریف، پھر مکرّر بےنظیر صاحبہ اور نواز شریف صاحب برسرِاقتدار رہے، ان کے بعد جناب جنرل پرویز مشرف صاحب مسندنشینِ اقتدار ہوئے اور ان کے اقتدار کو بھی سات سال کا طویل عرصہ گزر چکا، اس دوران کسی کو بھی حدود آرڈی نینس کی تبدیلی یا منسوخی کا خیال نہیں آیا اور اس میں کسی قسم کی کوئی خرابی نظر نہیں آئی...! اسی طرح اس عرصے میں وجود میں آنے والی اسمبلیوں

اور سینیٹ نے بھی اس کے خلاف کوئی آواز نہیں اُٹھائی، تو کیوں...؟

آخر کیا وجہ ہے کہ اس سال جون میں اچانک حدود آرڈی نینس کی خرابیاں ایک ایک کرکے سامنے آنے لگیں اور سب کے سامنے اس میں تالاب کے ''کیڑے'' اُبلنے لگے؟ سوال یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتنا عرصہ تک پردہ خفا میں کیونکر رہا؟ اور اس ''گندگی'' پر کسی کی نگاہ کیوں نہیں گئی...؟

''اللہ بھلا کرے'' روزنامہ جنگ، عوام، ڈیلی نیوز، دی نیوز اور جیو نشریات کا کہ انہوں نے اپنی تمام تر ''صلاحیتیں'' اس ''نیک کام'' میں صَرف کرنا شروع کردیں، چنانچہ جہازی سائز کے اشتہارات، تنقیدی مضامین، مغرب زدہ دانشوروں کے مقالات، نام نہاد علماء کے مکالمے اور خبریں شائع کرکے اس کے خلاف باقاعدہ میدانِ کارزار گرم کردیا، اور ایسا محسوس ہونے لگا جیسے دُنیا بھر کی ساری خرابیاں، خواتین پر ظلم و ستم کی ساری شکلیں اور انسانی حقوق کی پامالی کی ساری صورتیں اس میں ہی پنہاں ہیں! اور اس کے ازالہ کے لئے یہ ''جہادِ مقدس'' شروع کیا گیا ہے۔

ایک طرف اگر ''ذرا سوچئے'' کے عنوان سے روزنامہ جنگ، عوام، ڈیلی نیوز اور دی نیوز کے صفحات اس ''بُرائی'' کے خاتمے کے لئے وقف ہوگئے، تو دُوسری طرف ہمارے اربابِ اقتدار کا سارا ''زورِ خطابت'' بھی اس کے خلاف صَرف ہونے لگا، اس کے علاوہ این جی اوز، انسانی اور خواتین کے حقوق کی نام نہاد تنظیمیں اپنے تمام ساز و سامان اور کیل کانٹوں سے مسلح ہوکر اس کے خلاف صف آرا ہوگئیں، اس تمام پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھیئے! تو اندازہ ہوگا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

اس سے پہلے کہ دال میں اس کالک کا کھوج نکالا جائے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ اس اچانک و یک دَم اُٹھنے والی ''ذرا سوچئے'' کی تحریک کے کیا اسباب اور پس پردہ کیا محرکات ہیں؟ اور وہ کون سی قوتیں ہیں، جن کے زور پر اُٹھنے والی یہ تحریک میڈیا پر چھا گئی...؟

لہٰذا اس کے مطالعے اور اس پر غور وفکر کی بھی ضرورت ہے کہ حدود آرڈی نینس کیا ہے؟ اور اس میں وہ کون سی خرابیاں، نقائص اور سقم ہیں جو ہمارے ان ''مہربانوں'' کے لئے سوہانِ رُوح ہیں؟ اور انہیں کسی کروٹ چین نہیں لینے دیتے؟ یا ہمارے ان بزرجمہروں اور ان کے آقاؤں کو مضطرب و پریشان کئے ہوئے ہیں؟ اسی طرح اس تحقیق کی بھی ضرورت ہے کہ اس میں ایسی کون سی ''غیرشرعی'' چیزیں شامل ہیں؟ جن کی وجہ سے غیرملکی این جی اوز سے لے کر ہمارے اربابِ اقتدار طبقے تک سب ہی آتشِ زیرپا ہیں؟

دِینِ اسلام چونکہ عفت وعصمت اور پاکی و پاکیزگی کا مذہب ہے، اور وہ اپنے ماننے والوں کو تقویٰ، طہارت اور شرم وحیاء کی تعلیم وتلقین کرتا ہے، اور ایسے تمام جرائم سے اجتناب کی تعلیم دیتا ہے جس سے معاشرے کا امن وامان تہ و بالا ہونے کا امکان ہو، اسی طرح اسلام چونکہ شرافت و دیانت کا درس دیتا ہے، اس لئے وہ اپنے ماننے والوں کو ایسے تمام کاموں سے بھی منع کرتا ہے، جس سے معاشرہ اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہوسکتا ہو یا جن سے انسانی اخلاق کی بنیادیں متزلزل اور انسانی اقدار پامال ہونے کا اندیشہ اور خدشہ ہو۔

اسی مقصد کی تکمیل کے لئے اسلام نے اپنے ماننے والوں کے لئے جرم و سزا کا فلسفہ جاری فرمایا، بلاشبہ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے کہ اس نے جرم کی نوعیت کو مدِنظر رکھ کر اس کی مناسبت سے نرم وگرم اور ہلکی اور سخت سزاؤں کا تعین فرمایا۔

چنانچہ اسی مناسبت سے اسلامی آئین و دستور میں جرائم کی روک تھام کے لئے سزاؤں کو تین اقسام میں منقسم فرمایا گیا:

اوّل:... حدود۔ دوم:... قصاص۔ اور سوم:... تعزیرات۔ ان سب کی تعریف حسبِ ترتیب ملاحظہ ہو:

حدود:... جن جرائم کی سزائیں شارع علیہ السلام نے بیان فرمائیں اور قرآن وسنت میں ان کو نقل کیا گیا، انہیں ''حدود'' کہا جاتا ہے، مثلاً: حدِّ زنا، حدِّ سرقہ، حدِّ قذف اور حدِّ خمر وشراب وغیرہ۔

قصاص:... انسانی اعضاء اور اتلافِ جان سے متعلق وہ جرائم، کہ جن کی سزاؤں میں مساوات اور برابری ممکن ہو، شارع علیہ السلام نے ان کی تفصیلات بیان فرمائی ہوں اور قرآن وسنت میں ان کو نقل کیا گیا ہو، ایسے جرائم کی سزا کے اجراء کو ''قصاص'' کہا جاتا ہے، جیسے کسی کا کان، ناک، آنکھ، ہاتھ، پیر ضائع کرنا یا کسی بے قصور انسان کا قتل کرنا وغیرہ، چنانچہ ایسے مجرم کے بھی وہی اعضا کاٹے اور تلف کئے جائیں گے، جو اس نے کسی بےقصور ومعصوم انسان کے کاٹے یا تلف کئے ہوں، اور اگر خدانخواستہ اس نے کسی کی ناحق جان لے کر اس کو قتل کردیا ہو، تو اسے بھی قصاص اور بدلے میں قتل کیا جائے گا۔

تعزیرات:... وہ تمام جرائم، جن کی سزا کی تفصیلات شارع علیہ السلام کی زبانِ وحی ترجمان یا قرآنِ کریم میں مذکور نہ ہوں، ان کی سزا کے لئے وقت کے حکمران، قاضی، جج اور عدالتِ اسلامیہ کو اختیار دیا گیا ہے، چنانچہ ایسے جرائم کی روک تھام کے لئے مذکورۃ الصدر حضرات جو سزا تجویز کریں، اسے ''تعزیر'' کہا جاتا ہے اور شریعتِ مطہرہ نے اس کی کوئی حد مقرّر نہیں کی، تاہم تعزیری سزا چھوٹے اور معمولی جرائم میں تھوڑی، جبکہ بڑے اور قبیح و شدید جرائم میں شدید وقبیح اور عبرتناک بھی تجویز کی جاسکتی ہے۔

زنا، چونکہ بدترین جرم ہے اور قرآنِ کریم نے اُسے فاحشہ اور بدترین راہ قرار دیا ہے، اور اس سے معاشرتی قدریں پامال اور انسانی اخلاقیات کی عمارت متزلزل ہوتی ہے، اسی طرح اس سے نسلِ انسانی کی جڑیں کھوکھلی اور تباہ و برباد ہوجاتی ہیں، بہیمیت، درندگی اور شیطنت کو اس سے فروغ ملتا ہے، اس سے اسلامی معاشرے

میں بغض و عناد اور نفرت و عداوت پروان چڑھتے ہیں اور اس سے کسی شریف انسان کی بہو، بیٹی اور ماں، بہن کی عزّت محفوظ نہیں رہ سکتی، اسی کے پیشِ نظر اس کی قباحت و شناعت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

"وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓی اِنَّهٗ کَانَ فَاحِشَةً، وَسَآءَ سَبِیْلًا." (بنی اسرائیل:۳۲)

ترجمہ:... "اور پاس نہ جاؤ زنا کے، وہ ہے بے حیائی اور بُری راہ۔"

لیکن اگر کوئی شخص اس قبیح جرم کا مرتکب پایا جائے اور اس کا جرم، اقرار یا چار گواہوں سے ثابت ہوجائے تو بلاشبہ وہ کسی رُو رعایت کا مستحق نہیں ہے۔

اگرچہ شریعتِ مطہرہ نے ایسے ننگِ انسانیت اور بدترین جرائم کی روک تھام کے لئے مجرموں کو کڑی اور شدید سزائیں دینے، سنگسار کرنے اور غیرشادی شدہ ہونے کی صورت میں سو، سو دُرّے مارنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ: ایسے جرائم کے مرتکبین پر مسلمانوں کو ترس نہیں کھانا چاہئے، جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے:

"اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا کُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ وَّلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِیْ دِیْنِ اللهِ" (النور:۲)

ترجمہ:... "بدکاری کرنے والی عورت اور مرد، سو مارو ہر ایک کو دونوں میں سے سو، سو دُرّے اور نہ آوے تم کو ان پر ترس اللہ کا حکم چلانے میں۔"

اس کے ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنے کے لئے ان سزاؤں کے نفاذ کے وقت وہاں موجود اور حاضر بھی رہنا چاہئے، چنانچہ فرمایا گیا:

"وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ" (النور:۲)

ترجمہ:... "اور دیکھیں ان کا مارنا کچھ لوگ مسلمان۔"

مگر بایں ہمہ نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے کہ:

"ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم"

(مشکوٰة ص:۳۱۱، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... "جتنا ہوسکے مسلمانوں سے حدود کو ساقط کرنے کی کوشش کرو۔"

یہی وجہ ہے کہ زِنا کے ثبوت کو چار عینی گواہوں یا اقرار کے کڑے معیار کے ساتھ مشروط کیا گیا، اس کے علاوہ یہ بھی فرمایا گیا کہ اگر کوئی شخص اپنی مِلک یا نکاح کے شبہ کی غلط فہمی کی بنا پر اس جرم کا مرتکب ہوا ہو تو اس پر بھی حدِّ زنا لاگو نہیں ہوگی۔ ان تفصیلات و تصریحات سے واضح ہوا ہوگا کہ زنا کی سزا میں سختی اس لئے روا رکھی گئی ہے کہ یہ بھیانک جرم فساد فی الارض کا سبب اور ذریعہ بنتا ہے۔

حدود و قصاص کا قانون آج کا نہیں، اور نہ ہی یہ نیا اور جدید ہے، بلکہ آج سے چودہ سو سال پیشتر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یہ مرتَّب و مدوّن ہوکر نافذ ہوگیا تھا، اور عہدِ اسلام، بلکہ جب تک کرۂ ارض پر مسلمانوں کا اقتدار رہا، یہ قانون نافذ العمل رہا۔

لیکن شومیٔ قسمت! جب متحدہ ہندوستان پر بدیسی حکمران مسلط ہوگئے اور ہندوستان کو برطانیہ کی نوآبادیات کا درجہ دے دیا گیا، تو جہاں دُوسرے اسلامی اَحکام و قوانین کو معطل کردیا گیا، وہاں حدود و قصاص ایسے عدل و انصاف اور اعتدال پر مبنی اُصول و قوانین کو بھی حرفِ غلط کی طرح مٹادیا گیا۔

ہندوستان سے انگریزوں کے بستر بوریا لپیٹ کر چلے جانے کے بعد، ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ انگریزی باقیات کا بھی صفایا کردیا جاتا، مگر افسوس! کہ ان کے اَخلاف و جانشینوں نے ان کی "اصلاحات" اور ان کی جاری کردہ تعزیراتِ ہند کو "مقدس

دستاویز'' سمجھ کر جوں کا توں باقی رکھا اور اس پر ٹھیک اسی طرح عمل ہوتا رہا، جس طرح انگریزی اقتدار میں ہوتا تھا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ایک عرصے تک تو یہ ملک آئین و دستور کی چھتری سے محروم رہا۔ خدا خدا کرکے جب اسے دستور و آئین کے اعزاز سے نوازا گیا تو اس میں بھی بیشتر حصہ تعزیراتِ ہند کا شامل تھا۔ ۱۹۷۳ء کا آئین اگرچہ سابقہ دستوروں سے کسی قدر جامع اور مفید تھا، مگر اس میں بھی حدود و قصاص کے قوانین کا اس قدر وضاحت وصراحت سے تذکرہ نہیں تھا۔

جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحبؒ جب اس ملک کی قسمت کے مالک ہوئے اور ان کو اس ملک کی اسلامائزیشن کا خیال ہوا، تو انہوں نے اپنے تئیں اس ملک میں بہت سے اسلامی قوانین کو آرڈی نینس کی شکل میں نافذ کرنے کی کوشش کی، انہیں میں سے ایک ''حدود آرڈی نینس'' بھی تھا، جس کے ایک حصے کو ''زنا حدود آرڈی نینس'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

اگر این جی اوز، نام نہاد مفکرین اور زنا حدود آرڈی نینس کے مخالفین تعصب کی عینک اُتار کر اس کے متن کو پڑھیں تو انہیں اندازہ ہوگا کہ اس میں مردوں سے زیادہ خواتین کی عزّت وعصمت کا تحفظ کیا گیا ہے۔

ہاں! وہ لادِین طبقہ اور این جی اوز جو ڈالروں کی چمک اور خواہشاتِ نفسانی سے مجبور ہیں، یا وہ لوگ جو مادر پدر آزادی اور جانوروں کی طرح سربازار مرد و زن کے ملاپ کی خواہش رکھتے ہیں، بلاشبہ یہ آرڈی نینس ان کی نظر میں سراسر ظالمانہ ہے اور اسے ختم ہونا چاہئے۔

دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس پر اعتراض کرنے والوں کی اکثریت، دِین و دیانت اور علم وعمل کے اعتبار سے تہی دست ہے، جبکہ اس آرڈی نینس کی تیاری میں مرحوم جنرل ضیاء الحق صاحب نے ایسے دس افراد پر مشتمل کمیٹی تشکیل دی تھی، جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے فن اور پیشے کے اعتبار سے ماہر اور فاضل تھا، چنانچہ اس کمیٹی

کے ممبران میں چوٹی کے علماء، ماہرینِ قانون اور ریٹائرڈ جج صاحبان بھی شامل تھے۔ یوں علمائے کرام میں سے شریعت کورٹ کے ریٹائرڈ جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی، جسٹس پیر کرم شاہ ازہری، مولانا ظفر احمد انصاری، ڈاکٹر محمود احمد غازی، ماہرینِ قانون میں سے اے کے بروہی، خالد اسحاق، شریف الدین پیرزادہ اور ریٹائرڈ ججوں میں سے اے کے صمدانی، محمد افضل چیمہ اور صلاح الدین جیسے لوگ تھے۔

اگر بالفرض حدود آرڈی نینس کے خلاف اس درجے کے لوگوں کو کوئی اِشکال ہوتا تو شاید ان کی بات میں کوئی وزن بھی ہوتا، لیکن افسوس کہ حدود آرڈی نینس کے خلاف غوغا آرائی میں وہی لوگ پیش پیش ہیں، جن کا کسی اعتبار سے کوئی وزن نہیں اور نہ ہی دِینی اور عملی اعتبار سے ان کا کوئی مرتبہ و مقام ہے۔

کسی قدر غور وفکر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ایک خاص مقصد اور مخصوص نقطۂ نظر کے تحت حدود آرڈی نینس کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے اور اس کے خلاف فضا بنائی جارہی ہے، تاکہ سادہ لوح عوام کو اس سے بدظن کردیا جائے اور اگر کل کلاں اس کو کلی یا جزئی طور پر منسوخ یا ختم کیا جائے تو مسلم عوام کی طرف سے اس پر کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اس لئے اس آرڈی نینس کے نفاذ کے پورے ستائیس سال بعد امریکا بہادر اور اس کے حواریوں کے ایماء پر اس میں کیڑے نکالنے کی مہم پروان چڑھ رہی ہے۔

اگرچہ ملک بھر کے علماء، دِین دار طبقہ اور باشعور عوام نے اپنے تئیں اس کے دِفاع میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں برتی، چنانچہ اس کے حق میں اخباری بیانات، مذاکرے، مضامین اور مکالمات کا سلسلہ تاحال جاری ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ امریکا بہادر کے تعاون سے حدود آرڈی نینس کے خلاف جاری پُرزور مہم اور اس پر اعتراضات و اِشکالات کی بوچھاڑ و یلغار کے مقابلے میں علماء کی دِفاعی کوششوں کی حیثیت آفتاب کے مقابلے میں ذَرّے سے کچھ زیادہ نہیں ہے، تاہم ہمیں اُمید ہے کہ

اِن شاءاللہ فتح حق کی ہوگی اور باطل کا منہ کالا ہوگا۔

دیکھا جائے تو اس وقت پاکستان مسائل کی پٹاری ہے اور وہ اپنے قیام کے ۶۰ سالہ طویل عرصے کے بعد بھی تا ہنوز نومولود ہے۔ اس کے ساتھ یا اس کے بعد آزاد ہونے والے ممالک ترقی کی رفتار میں اس سے کہیں آگے نکل گئے ہیں، ان ممالک کی معیشت و اقتصاد کا معاملہ ہو یا عدل و انصاف کے حصول کا مسئلہ! وہ ہر میدان میں کسی ترقی یافتہ ملک سے پیچھے نہیں، مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آج تک پاکستان اپنے قیام کے مقصد کو نہیں پاسکا، بلکہ اس کے سیاہ وسفید کے مالک ابھی تک یہی فیصلہ نہیں کرسکے کہ یہ ملک کیوں بنایا گیا تھا؟ اس کے قیام کے مقاصد کیا تھے؟ اور ہمارے بزرگوں نے آگ وخون کے سمندر کیوں عبور کئے تھے؟ اس ملک کا قانون و دستور کیا ہونا چاہئے؟ یہاں حکومت و اقتدار کن لوگوں کا حق ہے؟ یہاں کا قانون اسلامی و شورائی ہوگا یا مغربی و جمہوری؟ یہ ملک اسلامی اقدار کا محافظ ہوگا یا مغربی اطوار کا؟ یہاں کا طرزِ زندگی اسلامی مساوات پر مبنی ہوگا یا طبقاتی اُتار چڑھاؤ پر؟ اس ملک کی قیادت کے اہل کن اوصاف کے حامل ہوں گے؟ کون کون لوگ اس کی قیادت وحکومت کے لئے نااہل ہوں گے؟ یہاں عوام، عدلیہ، انتظامیہ اور فوج کا کیا کردار ہوگا؟ اور ان کی کیا کیا ذمہ داریاں ہوں گی؟ اور جو اپنے فرائضِ منصبی میں کوتاہی کے مرتکب پائے جائیں گے، انہیں کن عواقب ونتائج کا سامنا کرنا ہوگا...؟

اخبارات، میڈیا، جرائد اور رسائل اُٹھا کر دیکھئے تو نظر آئے گا کہ ملک میں ہرطرف محرومیوں کا راج اور طبقاتی کشمکش کا دور دورہ ہے، چنانچہ اس ملک کا ایک طبقہ شاہی ٹھاٹ باٹ سے زندگی گزار رہا ہے، تو دُوسرا نان شبینہ کا محتاج ہے، اسی طرح ایک طرف اگر ملک کا اشرافیہ ملکی خزانے سے اپنے کچن سے لے کر اسمبلی تک کی تمام ضروریات وآسائشوں کے حصول کو اپنا حق سمجھتا ہے، تو دُوسری جانب وہی طبقہ مجبور و

مقہور عوام کو سر چھپانے کے لئے مکان، پیٹ بھرنے کے لئے روٹی اور پینے کے لئے صاف پانی کی بنیادی ضروریات اور مفت علاج و معالجے کی سہولت فراہم کرنے کا بھی روادار نہیں ہے۔

ایک طرف اگر طبقہ اشرافیہ کے لئے فلک بوس شاہی محلات ناکافی ہیں تو دُوسری طرف غریب کے سرچھپانے کی جھونپڑی بھی ناقابلِ برداشت ہے، یہی اشرافیہ اور طاقت ور طبقہ اگر کسی قانون شکنی کا مرتکب ہو تو قانون آنکھیں بند کرلیتا ہے، لیکن اس کے برعکس مظلوموں اور مقہوروں کے خلاف ملکی قوانین، عدلیہ اور انتظامیہ یک دَم حرکت میں آجاتی ہیں، بتلایا جائے کہ ہوش وحواس اور عقل وخرد رکھنے والی عوام اس منافقت اور دوغلے پن پر خاموش رہے گی؟ کیا عوام انسان نہیں؟ یا ان کے کوئی انسانی حقوق نہیں؟ کیا انہیں اپنے حقوق کے مطالبے کا حق نہیں؟ یا انہیں اپنے خلاف کئے جانے والے ان ناروا اقدامات پر احتجاج کا حق نہیں ہے...؟

چاہئے تو یہ تھا کہ ہمارے اربابِ اقتدار ملکی اَساس اور قیامِ پاکستان کے مقاصد پر توجہ دیتے اور موجودہ صورتِ حال کے ذمہ دار، نافذ، غیراخلاقی، غیرانسانی اور خالص مغربی قوانین وتعزیرات کو تبدیل کرتے اور اس کی جگہ اسلامی قوانین کو نافذ کرکے مسلمانوں کو اس کی برکات سے مستفید ہونے کا موقع فراہم کرتے، مگر اے کاش! ایسا نہ ہوسکا، شاید اس لئے کہ ایسا کرنے سے طبقہ اشرافیہ کے مفادات متأثر ہوتے، ان کی بے جا خواہشات کے منہ زور گھوڑے کا راستہ رُکتا تھا، اس لئے انہوں نے انگریز کے نافذ کردہ قوانین وتعزیرات کو جوں کا توں قبول کیا اور اسے ''مقدس دستاویز'' کا درجہ دے کر اس کو ہاتھ تک نہیں لگایا، اس کے برعکس اگر غلطی سے کسی حکمران نے، چاہے ناکافی ہی سہی، کسی قسم کی اسلامی دفعات نافذ کردیں، تو ان کو تنقید و ملامت کا ہدف بنایا گیا، صرف یہی نہیں بلکہ گزشتہ چودہ سو سال سے نافذ اسلامی قوانین کو ظالمانہ، غیرمتوازن اور موجودہ دور سے میل نہ کھانے والے کہہ کر ان کو صفحۂ

ہستی سے مٹانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ حدود آرڈی نینس کے خلاف غوغا آرائی کا جائزہ لیا جائے تو اس کے پسِ منظر میں بھی وہی اشرافیہ اور اس کے مفادات ہیں، جن پر ٹھیس انہیں برداشت نہیں، کیونکہ حدود آرڈی نینس کے ہوتے ہوئے نائٹ کلب، قحبہ گری، چکلا بازی اور شراب و کباب کی محفلیں سرِ عام گرم نہیں ہوسکتیں، اور عیاشی و بدمعاشی کو بھی فروغ نہیں مل سکے گا۔

اس لئے ہم حدود آرڈی نینس کے خلاف محاذ کھولنے والے اخبارات، نشریاتی اداروں، اربابِ اقتدار، این جی اوز اور ان کے سرپرستوں سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا نانِ شبینہ کی محتاج قوم، سرچھپانے کو جھونپڑی سے محروم اور ظلم وستم کی چکی میں پستی مظلوم عوام کے سارے مسائل حل ہوچکے ہیں؟ کیا ان کو پانی، بجلی، گیس اور علاج معالجے کی ساری سہولتیں مہیا ہوچکی ہیں؟ اور ان کی تعلیم و ترقی کے سارے مراحل طے پاچکے ہیں کہ اب حدود آرڈی نینس جیسے عدل و انصاف پر مبنی قانون کے خلاف کروڑوں کا سرمایہ خرچ کیا جارہا ہے؟ اگر نہیں، تو انہیں ہوش کے ناخن لیتے ہوئے ان اہم مسائل کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ جہاں تک دِین وشریعت اور اسلامی اُصول وقوانین کی بات ہے، یہ ان کا نہیں، علماء کا میدان ہے، ان کو یہ کام سپرد کریں اور خود اپنی ذمہ داریوں کی طرف توجہ دیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان ۱۴۲۷ھ)

حدود آرڈی نینس
اعتراضات اور جوابات!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

زنا حدود آرڈی نینس کا نفاذ بنیادی طور پر زناکاری، بدکاری، خواتین کی عزّت وعصمت کی حفاظت وتحفظ اور معاشرے سے بے حیائی کے خاتمہ اور روک تھام کے لئے کیا گیا تھا، بلاشبہ اس کے خاطر خواہ نتائج وثمرات بھی برآمد ہوئے، چنانچہ معصوم خواتین کی عزّت و ناموس کے درپے انسان نما درندے اور شہوت پرست بھیڑیئے اس سے کسی قدر خائف رہے اور بدکاری کے ''کاروبار'' میں کسی حد تک کمی آئی۔ اس لئے جو لوگ اسے اپنی عیاشی وفحاشی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے تھے، وہ شروع ہی سے اسے ختم کرنے یا اس میں من مانی ترامیم کرکے اسے بے اثر بنانا چاہتے تھے، اس لئے انہوں نے جائز و ناجائز اعتراضات کرکے اس کو ظالمانہ آرڈی نینس باور کرانے کی اس لئے کوشش کی کہ کسی طرح یہ آرڈی نینس ختم ہوجائے اور وہ کھل کر مسلمانوں کی عفت مآب بہنوں، بیٹیوں اور ماؤں کی عزت وآبرو سے کھیل سکیں اور قانونی طور پر ان کی راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

دیکھا جائے تو ایسے بدکرداروں نے حدود آرڈی نینس پر اعتراضات کو اپنے ناپاک مقصد کی تحصیل کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا ہے، ورنہ انسانی حقوق اور

خواتین کے حقوق کی غیر مسلم و بدکردار تنظیموں اور ان کے فاشٹ کار پردازوں کو کسی کی عزّت و ناموس کی حفاظت سے کیا مطلب...؟ جبکہ ان میں سے اکثریت کا تعلق ان معاشروں سے ہے، جن کے ہاں عزّت و ناموس اور شرافت و دیانت نام کی کوئی شے نہیں ہے اور وہ باہمی رضا مندی سے سرِ عام زنا کاری اور شہوت رانی کو نہ صرف جائز سمجھتے ہیں بلکہ ان کے ہاں قانونی طور پر اس کو تحفظ حاصل ہے۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ آرڈی نینس صحیفۂ آسمانی ہے اور اس میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہیں، یا اس میں کسی کمی کوتاہی کا کوئی امکان نہیں، اور نہ ہی ہم اس کو تقدس کا درجہ دے کر اس کا دِفاع کرنا چاہتے ہیں، بلکہ ہمارے پیشِ نظر یہ ہے کہ اگر خدانخواستہ حدود آرڈی نینس کو ترمیم و تنسیخ کی سانگ پر چڑھایا گیا یا اس پر اصلاح و ترمیم کا رندہ چلایا گیا تو اس کی موجودہ شکل و صورت بھی باقی نہیں رہے گی، اور دِین دُشمن اور مسلمان خواتین کی عصمت و عزّت کے بدخواہ بھیڑیئے زنا کاری کریں گے اور سرِ عام دندناتے پھریں گے۔

چنانچہ معترضین کی حدودِ اَربعہ، ان کے اعتراضات اور طریقۂ واردات سے یہی محسوس ہوتا ہے کہ یہ ”حبِّ علی نہیں، بغضِ معاویہ ہے“ اور ان اعتراضات میں خواتین کی خیرخواہی سے زیادہ معترضین کے مذموم مقاصد و عزائم کی تکمیل کارفرما ہے، بلکہ اس سے ذرا آگے بڑھ کر دیکھئے تو اس کا مقصد بیرونی آقاؤں کی خوشنودی اور دلداری نظر آئے گی۔

چونکہ معترضین نے اپنے موقف کو اس شدّت سے بیان کیا ہے کہ ایک سیدھا سادا مسلمان اور خالی الذہن انسان، اس سے متأثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، پھر ان اعتراضات کو اخبارات، رسائل، جرائد اور ٹی وی مذاکروں میں اس شدّت سے اُچھالا گیا ہے کہ اس پر خاموش رہنا ضمیر گوارا کرتا ہے اور نہ ہی دیانت اس کی اجازت دیتی ہے۔

اگرچہ غور سے دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس کے معترضین کے اعتراضات

خالص سطحی اور اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے، تاہم جو اعتراضات اخبارات اور میڈیا کے حوالے سے ہماری نظروں سے گزرے ہیں وہ اور ان کے جوابات حسب ذیل ہیں:

اعتراض ۱:... کسی کو بدنام کرنے کے لئے اس آرڈی نینس کے تحت جھوٹے مقدمے کا اندراج کردیا جاتا ہے اور پولیس الزام ثابت کرنے سے پہلے ہی ملزم اور ملزمہ کو قید کرلیتی ہے۔

جواب:... جہاں تک اس اعتراض کا تعلق ہے، دیکھا جائے تو پولیس کی یہ کارروائی حدود آرڈی نینس کی کسی شق کی تعمیل میں نہیں ہوتی، ورنہ بتلایا جائے کہ کس شق میں اس کی طرف متوجہ کیا گیا ہے کہ پولیس الزام ثابت ہونے سے قبل ملزمان کو پکڑ کر جیل میں ڈال دے؟ لہٰذا یہ پولیس اور تفتیشی ایجنسیوں کا قصور ہے، حدود آرڈی نینس کا قصور نہیں۔

۲:... ایف آئی آر کا معنی ہے، پہلی اطلاعی رپورٹ، اب اگر کسی شخص نے کسی ملزم یا ملزمہ کے بارے میں ایسی اطلاعی رپورٹ درج کرائی ہے، تو یہ پولیس کا کام ہے کہ پہلے اپنے ذرائع سے اس اطلاعی رپورٹ کی صداقت و عدمِ صداقت کے بارے میں تحقیق و تفتیش کرے، اگر اطلاع غلط ہو تو ملزم اور ملزمہ کو گرفتار کرنے کے بجائے ان کا پیچھا چھوڑ دے اور رپورٹ درج کرانے والے سے صحیح صورتِ حال کے بارے میں معلومات حاصل کرے۔

دیکھئے! اگر آپ کسی سے پہلی اطلاعی رپورٹ کا حق ہی چھین لیں تو اس کا یہ معنی نہیں ہے کہ زنا کاری اور قحبہ گری کو کھلی چھوٹ مل جائے؟ کیونکہ اگر کسی کو ایسے مجرموں کی مجرمانہ سرگرمیوں کی اطلاع یا نشاندہی کی جرأت نہیں ہوگی تو اس کا معنی یہ ہوگا کہ لوگ کھلے عام بدکاری اور زنا کاری کے اَڈّے چلائیں گے مگر ان کی راہ روکنے والا کوئی نہیں ہوگا۔

اعتراض ۲:… مقدمہ سچا ہو یا جھوٹا؟ فیصلہ ہونے تک خواتین کو قید رکھا جاتا ہے، جس سے ان کی نیک نامی پر حرف آتا ہے اور معاشرہ انہیں قبول نہیں کرتا۔

جواب:… اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے جو پہلے سوال کے ضمن میں عرض کیا جاچکا ہے! تاہم کوئی بتلائے کہ اس میں حدود آرڈی نینس کا کیا قصور ہے؟ یہ تو پولیس اور تفتیشی ایجنسیوں کی ناقص کارکردگی اور پیچیدہ طریقۂ کار کی ''برکت'' ہے۔ اسے حدود آرڈی نینس کے سر کیوں منڈھا جارہا ہے؟

اعتراض ۳:… ایک خاتون کا حاملہ ہونا اس کے مجرم ہونے کا ثبوت سمجھا جاتا ہے، جب تک وہ یہ ثابت نہ کرے کہ اس کے ساتھ زنا بالجبر ہوا ہے۔

جواب:… دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس پر یہ اعتراض، حدود آرڈی نینس مخالفین کا طبع زاد ہے، ورنہ حدود آرڈی نینس کا پورا متن پڑھ جایئے، کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی ایسی حاملہ خاتون کو زناکار تصور کیا جائے۔

تاہم معترضین خود ہی بتلائیں کہ ایسے کسی امر کی کوئی اطلاع دے گا؟ یا عدالت کو اس کا الہام ہوگا؟ ظاہر ہے عدالت کو اس کا الہام ہونے سے تو رہا، اب جب کوئی اس کی اطلاع دے گا تو اُسے الزام لگانے پر اس کا ثبوت بھی پیش کرنا ہوگا، نہیں تو کل کلاں ہر حاملہ پر اس قسم کا الزام لگ سکتا ہے۔

۲:… معترضین خود ہی بتلائیں کہ اگر ایک غیرشادی شدہ خاتون حاملہ ہوجائے اور کوئی شخص عدالت کو اس کی اطلاع دے تو کیا مسلمان عدالت اور اس کے مسلمان جج کو حق نہیں پہنچتا کہ وہ اس اطلاع کی روشنی میں اس خاتون سے پوچھے کہ: بی بی! آپ کا ابھی تک نکاح نہیں ہوا تو یہ حمل کہاں سے آیا؟ اب اگر وہ عورت اپنی مظلومیت کی داستان سنائے اور زنا بالجبر کا ثبوت دے کر عدالت کو مجرم کی گردن ناپنے کی طرف متوجہ کرے، تو یہ عورت پر ظلم ہے یا اس سے خیرخواہی؟ نہیں تو کیا اس طرح کے ناجائز حمل اور بدکاری کی کھلی شکلوں کی اطلاع بھی نہ دی جائے؟ کیا اس سے

معاشرے میں بدمعاشی و فحاشی کو فروغ نہیں ملے گا؟

معترضین ہی بتلائیں کہ ایسی اطلاعات پر عدالت کا نوٹس نہ لینا یا تفتیش نہ کرنا، بے باپ کے بچوں کی افزائش اور زناکاری کو تحفظ فراہم کرنے کے مترادف نہیں ہوگا؟ کیا اس طرح زنا بالجبر کے مرتکب درندوں کو تحفظ کی چھتری فراہم نہیں ہوگی؟ کیا متأثرہ خاتون سے اس کے ساتھ کئے گئے ظلم کی بابت پوچھنا اور ظالم کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کے لئے تفتیش بھی عورت پر ظلم کہلائے گی؟ بریں عقل و دانش ببابد گریست!

اعتراض ۴:… عصمت دری کی شکایت دائر کرنے والی خاتون کے بیان کو اعترافِ گناہ قرار دے کر موردِ الزام ٹھہرایا جاتا ہے؟

جواب:… یہ اعتراض بھی خالص حدود آرڈی نینس کو بدنام کرنے کے لئے تراشا گیا ہے، ورنہ بتلایا جائے کہ حدود آرڈی نینس کی کس دفعہ اور شق میں اس کو ذکر کیا گیا ہے کہ ایسی عورت کے بیان کو اعتراف جرم تصوّر کیا جائے؟

خلاصہ یہ کہ اگر مندرجہ بالا یہ چاروں صورتیں کہیں پائی جاتی ہیں تو پولیس کی ''کرم نوازی'' کا ثمرہ اور اس کی ناقص کارکردگی، پیچیدہ طریقۂ کار اور تفتیشی ایجنسیوں کی عوام دُشمنی کا مظہر ہے۔ بتلایا جائے اس میں حدود آرڈی نینس کا کیا قصور ہے؟

لہٰذا ان خرابیوں کا یہ حل نہیں کہ حدود آرڈی نینس کو منسوخ کردیا جائے، بلکہ اس کا حل یہ ہے کہ خرابی پیدا کرنے والے افراد اور محکموں کی اصلاح کی جائے، اور خرابی کی جڑ اور بنیاد کو اکھیڑ پھینکا جائے۔

اعتراض ۵:… زنا کا الزام ثابت نہ کرنے والوں کے خلاف خودبخود حدِ قذف کیوں لاگو نہیں ہوتی؟ اس لئے موردِ الزام ٹھہرائے جانے والے کو حدِ قذف کے لئے علیحدہ درخواست کیوں دائر کرائی جاتی ہے؟

جواب:… بنیادی طور پر ہونا تو ایسے ہی چاہئے تھا، جیسا کہ فتاویٰ سراجیہ میں ہے:

''اذا قذف محصنًا او محصنة بصريح وعجز عن اثباته بأربعة شهداء، حده الامام ثمانين سوطًا.''

(فتاویٰ سراجیہ ص:۶۱)

ترجمہ:... ''جب کوئی شخص کسی پاک دامن مرد یا عورت پر صراحتاً زنا کی تہمت لگائے اور الزام کو چار گواہوں کے ذریعہ ثابت کرنے سے عاجز ہو جائے، تو امام (یا قاضی) اس تہمت لگانے والے پر اَسّی کوڑے کی حدِ قذف جاری کردے۔''

لیکن اگر دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس کے مرتبین نے اس میں بھی خواتین کو تحفظ فراہم کرنے کے لئے ایسا کیا ہے، اور اس کا فائدہ بھی خواتین کو ہی ہے۔

حدود آرڈی نینس کے خلاف محاذ آرائی کرنے والوں کے پاس اگر ذرّہ بھر عقل و شعور ہوتا یا انہیں خواتین کے ساتھ کچھ بھی خیرخواہی ہوتی تو ان کو اس کی افادیت کا کھلی آنکھوں مشاہدہ ہوتا، مگر افسوس! کہ ان کی آنکھوں پر مغرب اور مغربی آقاؤں کی اندھی تقلید کی پٹی بندھی ہوئی ہے، اس لئے انہیں حدود آرڈی نینس کی خوبیوں میں بھی سو سو نقائص اور بُرائیاں نظر آتی ہیں۔

اے کاش! کہ معترضین تعصب کی عینک اُتار دیتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ اس دفعہ کا فائدہ سراسر خواتین ہی کو ہے، مثلاً: اگر ایک خاتون کسی شخص پر زنا بالجبر کا الزام لگاتی ہے اور وہ کسی وجہ سے اپنا مدعا ثابت نہیں کر پاتی، مثلاً: اس کے پاس شہادتوں کا نصاب پورا نہیں، یا دُوسرے شواہد و قرائن اس کا ساتھ نہیں دیتے، جبکہ حقیقت میں وہ واقعی مظلومہ ہے، کیا ایسی صورت میں عدالت اس پر خودبخود حدِ قذف جاری کردے؟ اگر ایسا کردیا جائے تو کیا اس بیچاری پر دُہرا ظلم نہیں ہوگا؟ کہ ایک تو اس کی عصمت دری ہوئی اور اُوپر سے اس پر حدِ قذف بھی لاگو ہوجائے...!

جبکہ حدِ قذف کے لئے نئے سرے سے درخواست کی صورت میں اس

خاتون کو کم از کم یہ فائدہ تو ہوگا کہ جس ملعون نے یہ گھناؤنا جرم کیا ہے، پہلے تو وہ اپنے مجرمانہ ضمیر کی وجہ سے حدِ قذف کا کیس دائر ہی نہیں کرے گا، اور زنا کے الزام سے بَری ہونے پر وہ: ''چھوٹی جان لاکھوں پائے'' کے مصداق اس مظلومہ کا پیچھا چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوگا، اگر بالفرض اس نے حدِ قذف کا مقدمہ دائر کر بھی دیا تو اس کو نئے سرے سے اپنے تئیں بے قصور ثابت کرنا ہوگا، اور عین ممکن ہے کہ وہ اس دوران اپنے کسی قول، فعل اور بیان و اقرار سے خود ہی اپنے جال میں پھنس جائے؟ بتلایا جائے کہ اس میں عورت کا فائدہ ہے یا مرد کا...؟

ان حقائق کی روشنی میں اگر بغور دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس کی مخالفت کرنے والے، عورت کا نہیں، مرد کا مقدمہ لڑ رہے ہیں۔

اعتراض ۶:... حدود آرڈی نینس کا اطلاق غیرمسلموں پر بھی کیا جاتا ہے، جبکہ اسلامی ریاست میں شریعت کا تقاضا ہے کہ غیرمسلم اپنے طور طریقوں کے مطابق زندگی گزار سکتے ہیں اور ان پر مقدمات ان کی مذہبی تعلیم کے مطابق چلنے چاہئیں۔

جواب:... بلاشبہ شخصی معاملات میں ہر مذہب کے لوگوں کو مکمل آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنے طور طریقوں کے مطابق ان کا فیصلہ کروائیں، مثلاً: نکاح، طلاق اور وراثت وغیرہ میں ہر مذہب کے لوگ آزاد ہیں اور وہ اپنے پرسنل لاء کے مطابق فیصلے کرواسکتے ہیں، لیکن حدود و قصاص کا معاملہ اس سے مختلف ہے، کیونکہ جن قوانین کا تعلق معاشرے کے امن و امان اور جرائم کی بیخ کنی سے ہو، ان کا اطلاق بلاتفریق تمام شہریوں پر کیا جائے گا، اور پوری دُنیا میں بھی یہی اُصول رائج ہے، مثلاً مغرب یا امریکا میں اگر ایک مسلمان مرد یا خاتون ظلم کا شکار ہوتے ہیں تو وہ یہ مطالبہ نہیں کرسکتے کہ ظالم کو اسلامی قانون کے مطابق سزا دی جائے، بلکہ اس پر وہاں کے ملکی قانون کا اطلاق ہوگا، چنانچہ فتاویٰ شامی میں ہے:

''والحاصل ان الزانيين اما مسلمان او ذميان

او مستأمنان، او الرجل مسلم والمرأة ذمية، او مستأمنة او بالعكس او الرجل ذمی والمرأة مستأمنة او بالعكس فهی تسع صور، والحد واجب عند الامام فی الكل الا فی ثلاث، اذا كانا مستأمنين او احدهما."

(شامی ج:۴ ص:۲۵)

ترجمہ:..."خلاصہ یہ کہ زنا کرنے والے دونوں مسلمان ہوں گے یا دونوں ذمی یا دونوں مستأمن، یا مرد مسلمان اور عورت ذمیہ یا مستأمنہ یا اس کے برعکس، یا مرد ذمی اور عورت مستأمنہ یا اس کے برعکس، پس یہ کل نو صورتیں ہوگئیں، حضرت اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب صورتوں میں حد لاگو ہوگی، سوا ان صورتوں کے کہ زناکار دونوں مستأمن ہوں یا ان میں سے مرد یا عورت مستأمنہ ہو۔"

اس لئے اگر کوئی غیرمسلم کسی مسلمان خاتون کے ساتھ زیادتی کا ارتکاب کرے، تو اس پر بھی مذہبی تفریق کی بنا پر سزا میں تخفیف نہیں کی جائے گی، کیونکہ اگر مذہبی تفریق کی بنا پر مجرم جوڑے میں سے غیرمسلم کو ہلکی اور مسلمان کو کڑی سزا دی جائے، تو اس سے جرم کے ارتکاب کا دروازہ کھل جائے گا، مثلاً: زنا کے مسلمان مجرم کو تو کوڑے مارے جائیں اور غیرمسلم کو اس سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے، تو اس سے معاشرے میں جرائم کی شرح بڑھ جائے گی، پھر چونکہ اسلامی سزاؤں کا مقصد ہی جرم کا سدِباب اور ان کی بیخ کنی ہے، اس انداز سے جرائم کم نہیں ہوں گے بلکہ غیرمسلم مجرموں کو جرائم کے ارتکاب پر مزید جرأت ہوجائے گی، اس کے علاوہ اس تفریق میں ناانصافی کا پہلو بھی نمایاں ہوگا۔

چنانچہ اگر ایک مسلمان خاتون کے ساتھ غیرمسلم زنا کرتا ہے تو اسلامی اور ملکی

قوانین کے اعتبار سے مسلمان عورت پر تو حد جاری کی جائے اور غیرمسلم کو اس سے مستثنیٰ قرار دے کر اس پر ہلکی سزا جاری کی جائے تو کیا یہ عورت سے ناانصافی نہ ہوگی؟ یہی وجہ ہے کہ قریب قریب تمام فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ حدود کا تعلق ملکی قوانین سے ہے اور ان کا اطلاق ملک میں بسنے والے تمام شہریوں پر ہوگا، چونکہ مستأمن اسلامی مملکت کا شہری نہیں ہے، اس لئے وہ اس سے مستثنیٰ ہوگا۔

بغور دیکھا جائے تو حدود آرڈی نینس کے اس قانون کے ذریعے بھی مسلمان خواتین کی عزّت و عصمت کے تحفظ کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس میں مسلمانوں کے دِین و ایمان کے تحفظ کو بھی مدِنظر رکھا گیا ہے، اس لئے کہ اگر غیرمسلموں کو ان سزاؤں سے مستثنیٰ قرار دے دیا جائے، تو اس بات کا شدید خدشہ ہے کہ لوگ ایسے جرائم کے ارتکاب کے بعد سزا سے بچنے کے لئے اپنے آپ کو غیرمسلم کہہ کر اپنی آخرت برباد نہ کربیٹھیں...!

چنانچہ قانونِ زکوٰة میں غیرمسلموں کے استثناء کے سلسلے میں اس کا تجربہ ہوچکا ہے کہ بینک سے زکوٰة کی کٹوتی سے بچنے کے لئے بہت سے دُنیا پرستوں نے یہ فارم پُر کرکے دے دیا کہ: "چونکہ ہم غیرمسلم ہیں، اس لئے ہماری زکوٰة نہ کاٹی جائے" لیکن اگر زکوٰة کے ساتھ جزیہ کے قانون کا نفاذ بھی ہوتا تو لوگ یوں اپنا دِین و ایمان برباد نہ کرتے۔

اعتراض ۷:... گواہوں کے معیار کا تعین کرتے ہوئے حدود آرڈی نینس میں مذہب اور جنس کی بنیاد پر تمیز کی گئی ہے اور یہ شریعت کے منافی ہے۔

جواب:... زنا کے معاملے میں گواہوں کی تعداد، جنس اور مذہب کی تعیین کا معاملہ حدود آرڈی نینس کے مرتبین کا خودساختہ یا طبع زاد نہیں ہے، بلکہ اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں ثبوتِ زنا کے لئے گواہوں کی تعداد کا حکم دو جگہ پر وارِد ہوا ہے:

الف:...سورۂ نساء میں بدکاری کرنے والی خواتین کے خلاف سزا سے متعلق ابتداء میں جو حکم نازل ہوا، اس میں فرمایا گیا:

"وَالّٰتِیْ یَأْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِکُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْکُمْ...." (النساء:۱۵)

ترجمہ:..."اور وہ جو کوئی بدکاری کرے تمہاری عورتوں میں سے، تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔"

یہاں وضاحت کے ساتھ چار مرد گواہوں کے نصاب کو فرما کر بتلایا گیا کہ: تم اپنوں میں سے، یعنی مسلمانوں میں سے گواہ لاؤ۔ "منکم" کا لفظ وضاحت کے ساتھ اس پر دلالت کرتا ہے کہ وہ چاروں مرد ہوں، کیونکہ "کم" ضمیر مذکر کی لائی گئی ہے، اسی طرح "منکم" کا یہ لفظ بھی بتلاتا ہے کہ یہ گواہ مسلمان برادری کے ہوں، ظاہر ہے کہ کافر و غیر مسلم تو مسلمانوں میں سے نہیں ہوسکتے۔

چنانچہ اس کی تعیین میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"اگر کسی کی زوجہ کا مرتکبِ زنا ہونا معلوم ہو تو اس کے لئے چار گواہ مسلمانوں میں سے عاقل، بالغ، اور آزاد قائم ہونے چاہئیں۔" (تفسیر عثمانی)

ب:...اسی طرح سورۂ نور میں ہے:

"وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً...." (النور:۴)

ترجمہ: "اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں پاک دامنوں کو پھر نہ لائیں چار مرد شاہد، تو مارو ان کو اَسّی دُرّے۔"

اس آیت میں بھی "یرمون" "لم یأتوا" اور "فاجلدوهم" مذکر صیغے لاکر

گویا اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ زنا کے معاملے میں چار مسلمان مرد ہی گواہ ہوں گے، اور اس میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔

لہٰذا حدود آرڈی نینس پر اعتراض کرنے والوں کو سوچنا چاہئے کہ ان کے اس اعتراض کی زد میں حدود آرڈی نینس نہیں، بلکہ قرآنِ کریم آتا ہے، نہیں...نہیں! بلکہ معترضین کے اندھیرے میں پھینکے گئے اس تیر کا نشانہ...نعوذ باللہ...اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، کیا کوئی مسلمان یہ برداشت کرسکتا ہے کہ وہ، قرآن، صاحبِ قرآن اور اللہ تعالیٰ کی بیان کردہ حدود کی شہادت کے معیار پر اعتراض کرے؟ اگر کوئی بدبخت ایسا کرتا ہے تو کیا اسے مسلمان سمجھا جائے گا؟ ہرگز نہیں...!

رہی یہ بات کہ حدود میں غیر مسلم اور خواتین کی گواہی قبول کیوں نہیں کی جاتی؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ زنا کی تہمت کا معنی یہ ہے کہ زنا ثابت ہوجانے کی صورت میں زانی اور زانیہ دونوں کو نہایت کڑی سزا سے دوچار ہونا پڑے گا اور اگر وہ دونوں شادی شدہ ہوں تو ان کو سنگسار کرکے موت کے گھاٹ اُتارا جائے گا، اب بتلایا جائے کہ کیا کسی مسلمان کے بارے میں ایسی شدید اور آخری درجے کی سزا کے لئے کسی ایسے آدمی کی گواہی اور شہادت کا اعتماد کیا جائے گا؟ جو اس سے دِین و مذہب میں اختلاف رکھتا ہو؟ اور اس کی جان و مال کو حفاظت کی نگاہ سے نہ دیکھتا ہو، بلاشبہ مسلمان کے خلاف غیر مسلم کی شہادت پر اعتماد کرنا، عدل و انصاف سے میل نہیں کھاتا، بلکہ اس سے ملزم کو اپنے خلاف ناانصافی کا شبہ ہوسکتا تھا، اس لئے فرمایا گیا کہ وہ گواہ تم میں سے یعنی مسلمان ہوں تاکہ ہر اعتبار سے مجرم پر اِتمامِ حجت ہوجائے اور اس کو کسی قسم کے اعتراض یا بدگمانی کا موقع نہ ملے۔

رہی یہ بات کہ حدود و قصاص میں خواتین کی گواہی کیوں معتبر نہیں ہے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ عدالت میں گواہی اور شہادت کا تحمل کوئی اعزاز یا پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ یہ ایک بھاری ذمہ داری ہے، اگر بالفرض کسی خاتون کو عین عدالت میں یہ

احساس دامن گیر ہوجائے کہ میری شہادت کی بنا پر یہ اشخاص موت سے دوچار ہوجائیں گے اور وہ خاتون اپنی فطری کمزوری، رحم دِلی اور افتادِ طبع سے مجبور ہوکر اس گواہی سے منحرف ہو جاتی تو اس پر حدِ قذف لگنے کا اندیشہ تھا، اس لئے شریعتِ مطہرہ نے اس کو اس مصیبت سے بچانے کے لئے ادائے شہادت سے مستثنیٰ قرار دیا۔

اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ عورت کی گواہی کہیں بھی معتبر نہیں، کیونکہ بہت سے ایسے معاملات جو خواتین سے متعلق ہوتے ہیں، ان میں ان کی شہادت و گواہی معتبر ہے، مگر چونکہ حدود و قصاص کا معاملہ نہایت سنگین تھا، اس لئے تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گواہی سے خواتین کو محفوظ فرمادیا۔

اس کے علاوہ زنا کی شہادت میں یہ کڑی شرط بھی ہے کہ میں نے اس معاملے کو اپنی آنکھوں سے اس طرح دیکھا ہے جیسے سرمے کی سلائی، سرمہ دانی میں، ظاہر ہے اس قدر وضاحت سے دیکھنا اوّلاً تو عورت کے لئے اس کی فطری شرم و حیاء اور مزاج کے خلاف ہے، اگر بالفرض کسی خاتون نے ایسا بے حیائی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا ہو تو کیا کوئی خاتون عدالت میں اور وکلاء کی موجودگی میں اس قدر کھلے الفاظ میں اس کی گواہی دے سکے گی؟ ہمارے خیال میں تو کوئی شریف زادی ایسا نہیں کرسکتی اور جو اس قدر بے باک ہو، اس کی شرافت ہی محلِ نظر ہے۔

لہٰذا احترامِ نسوانیت کو مدِنظر رکھتے ہوئے شریعتِ مطہرہ نے ایسے مقدمات میں خواتین کو گواہی سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے چار مردوں کی گواہی کو معیارِ شہادت قرار دے دیا، جو عین عدل و انصاف اور فطرتِ سلیمہ کے مطابق ہے۔

اعتراض ۸:... اگر زنا بالرضا کے لئے شہادتیں ناکافی ہوں تو پھر آرڈی نینس کے ذریعہ تعزیرات کا سہارا لیا جاتا ہے جو عدل کے منافی ہے۔

جواب:... اگر معترضین کو عقل و شعور سے کچھ علاقہ اور تعلق ہوتا تو وہ حدود آرڈی نینس کے مرتبین اور حدود آرڈی نینس کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے ان پر

داد و تحسین کے ڈونگرے برساتے، مگر افسوس کہ یہاں بھی انہوں نے روایتی کٹ حجتی سے کام لیا ہے۔

حدود کا مسئلہ جہاں بہت حساس ہے اور اس پر شدید سزا کا حکم دیا گیا ہے، وہاں اس میں احتیاط کے پہلو کو بھی بطورِ خاص مدِنظر رکھا گیا ہے، اسی لئے زنا کی حد نافذ کرنے کے لئے کڑی سے کڑی شرائط عائد کی گئی ہیں، تاکہ کوئی بدبخت کسی معصوم اور بے گناہ پر بے جا تہمت نہ لگا سکے۔ اس لئے ثبوتِ زنا کے لئے دُوسری حدود سے ہٹ کر چار گواہوں کی شرط رکھی گئی ہے، کیونکہ ثبوتِ زنا سے دو افراد متأثر ہوں گے اور مرد و زن دونوں پر حد جاری ہوگی اور کسی فرد کے خلاف ثبوتِ جرم کے لئے دو گواہ لازمی ہوتے ہیں، اسی لئے حدِ زنا میں چار گواہ رکھے گئے ہیں اور ان کی عینی شہادت کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ ہاں! البتہ جہاں یہ نصاب پورا نہ ہو، وہاں ملزموں پر حدِ زنا کی سزا تو جاری نہ ہوگی، مگر اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ ایسے آدمی کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ گواہوں کے نصاب اور معیار کے پورا نہ ہونے کی صورت میں اگر مجرم کو چھوڑ دیا جائے تو جرائم کی شرح میں اضافہ اور مجرموں کے حوصلے بڑھنے کے امکانات ہیں، اس لئے ایسی صورت میں ان افراد کے معاملے کو تعزیر کے ساتھ جوڑا گیا، تاکہ مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچا کر بے حیائی، بے شرمی اور ظلم و تعدی کی راہ روکی جائے اور مسلمان شہریوں کی ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کی عزّت و عصمت محفوظ رہ سکے۔

چنانچہ مفتیٔ اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ اس سلسلے میں وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ جن صورتوں میں حدِ شرعی کسی شبہ یا کسی شرط کی کمی کی وجہ سے ساقط ہوجائے تو یہ ضروری نہیں کہ مجرم کو مکمل چھٹی مل جائے، جس سے اس کو جرم پر اور جرأت پیدا ہو، بلکہ حاکم اس کے مناسب حال اس کو تعزیری

سزا دے گا، اور شریعت کی تعزیری سزائیں بھی عموماً بدنی اور جسمانی سزائیں ہیں، جن میں عبرت انگیز ہونے کی وجہ سے انسدادِ جرائم کا مکمل انتظام ہے۔ فرض کیجئے! کہ زنا کے ثبوت پر صرف تین گواہ ملے اور گواہ عادل وثقہ ہیں، جن پر جھوٹ کا شبہ نہیں ہوسکتا، مگر از رُوئے قانونِ شرع چوتھا گواہ نہ ہونے کی وجہ سے اس پر حد جاری نہیں ہوتی، لیکن اس کا یہ معنی نہیں کہ اس کو کھلی چھٹی دے دی جائے، بلکہ حاکمِ وقت اس کو مناسب تعزیری سزا دے گا، جو کوڑے لگانے کی صورت میں ہوگی۔ یا چوری کے ثبوت کے لئے جو شرائط مقرّر ہیں، ان میں کوئی کمی یا شبہ پیدا ہونے کی وجہ سے اس پر حدِ شرعی ہاتھ کاٹنے کی جاری نہیں ہوسکتی، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ بالکل آزاد ہوگیا، بلکہ اس کو دُوسری تعزیری سزائیں حسبِ حال دی جائیں گی۔

اسی طرح زخموں کے قصاص کا بھی یہی حال ہے، یہ بات آپ پہلے معلوم کرچکے ہیں کہ حدود یا قصاص کے ساقط ہوجانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ مجرم کو کھلی چھٹی مل جائے بلکہ حاکمِ وقت تعزیری سزا جتنی اور جیسی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، اس لئے یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اگر خون کے مجرم کو اولیائے مقتول کے معاف کرنے پر چھوڑ دیا جائے تو قاتلوں کی جرأت بڑھ جائے گی اور قتل کی واردات عام ہوجائیں گی، کیونکہ اس شخص کی جان لینا تو ولیٔ مقتول کا حق تھا، وہ اس نے معاف کردیا، لیکن دُوسرے لوگوں کی جانوں کی حفاظت حکومت کا فرض اور لوگوں کا حق ہے، وہ اس حق کے تحفظ کے لئے اس کو عمر قید کی یا دُوسری قسم کی سزائیں دے کر اس خطرہ کا انسداد کرسکتی ہے۔“

(معارف القرآن ج:۳)

اعتراض ۹:... حدود آرڈی نینس کی سزا کا ذکر کرتے ہوئے یہ خیال نہیں رکھا گیا کہ جرم کی نوعیت اور مجرم کے حالات کیا تھے؟ جن میں جرم سرزد ہوا، مثلاً: قرآن میں لونڈی کی سزا نصف یعنی پچاس کوڑے ہے۔

جواب:... معترضین کا یہ اعتراض نہایت حماقت و سفاہت پر مبنی ہے، اس لئے کہ کیا کسی جرم کے ارتکاب پر مجرم کا کوئی عذر قابلِ قبول ہوتا ہے؟ یا کسی عذر کی بنا پر جرم معاف ہوجائے گا؟ یا اس کے جرم کی سزا میں تخفیف ممکن ہے؟ اگر ایسا ہو تو ہمارے خیال میں چونکہ کوئی مجرم ایسا نہیں ہوتا، جو اپنے جرم کے ارتکاب کی کوئی جھوٹی سچی تأویل اور عذر پیش نہ کرتا ہو، لہٰذا اس کا معنی یہ ہے کہ کسی مجرم کو سزا نہیں ملنی چاہئے؟ حالانکہ جرم، جرم ہے اور اس کے ارتکاب کی کوئی سی تأویل یا کوئی سا عذر بھی کیوں نہ پیش کیا جائے، ناقابلِ سماع ہوگا۔ خصوصاً ایسے جرائم، جن کے ارتکاب سے معاشرے کی اخلاقی حالت، بگڑتی اور دگرگوں ہوتی ہو، شرم و حیاء کا جنازہ نکلتا ہو، شرافت و دیانت کا دیوالیہ ہوتا ہو، بے حیائی و بے شرمی کی ترویج ہوتی ہو، نسلیں تباہ و برباد ہوتی ہوں اور کسی عفت مآب کی عزّت وعصمت چوراہے پر قربان ہوتی ہو، ان میں کسی عذر و معذرت اور تأویل تسویل کی قبولیت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

غالباً معترضین کے اعتراض کا مقصد یہ ہوگا کہ چونکہ آج کل معاشرہ بے راہ روی کا شکار ہے، چونکہ بے حجابی و بے پردگی عام ہے، چونکہ ننگی فلموں اور نائٹ کلبوں کا دور دورہ ہے، چونکہ گھر گھر میں ٹی وی کی ایمان کش نشریات، اخبارات و رسائل کے اخلاق سوز فلمی صفحات اور اشتہارات جذبات انگیز ہیں، چونکہ ویڈیو فلموں اور کمپیوٹر کی حیا سوز ویب سائٹس کا گھر گھر میں راج ہے، اس لئے ان حالات میں اگر کوئی زنا کا ارتکاب کرے تو اس کو ریلیف ملنا چاہئے اور اس پر چنداں قدغن نہیں ہونی چاہئے، اگر ایسا ہے تو بلاشبہ ان کی عقل و فہم پر ماتم کرنا چاہئے، کیونکہ یہ لوگ خرابی کی جڑوں،

بے شرمی اور بے حیائی کے سوتوں کو بند کرنے کو تو تیار نہیں، البتہ اس کے برعکس ان پر قدغن لگانے والے حدود آرڈی نینس کی منسوخی کا مطالبہ کرکے ان کی روز افزوں ترقی کے خواہش مند ہیں، یہی وجہ ہے کہ اشتہارات، ڈراموں اور فلموں کے ذریعہ بے حیائی کی اشاعت کی جارہی ہے، جنسی اسکینڈلوں کو عام کیا جارہا ہے، پردے کو ترقی کی راہ میں رُکاوٹ باور کرایا جارہا ہے، عورتوں کو گھروں سے باہر نکلنے اور بے حجابی کی ترغیب دی جارہی ہے، عشق و محبت کی پینگیں بڑھانے، گھروں سے بھاگ کر لَو میرج کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے، بتلایا جائے کہ! جہاں فلمی اداکاروں، گلوکاروں اور حیاباختہ افراد کو اہمیت دے کر انہیں نمایاں کیا جارہا ہو، اور ان کو حسنِ کارکردگی پر ایوارڈ دیئے جارہے ہوں تو وہاں بے حیائی، بے شرمی، زناکاری و بدکاری کو عروج نہیں ہوگا تو کیا ہوگا؟ کیا اس کی روک تھام کے لئے کوئی قانون و دستور نہیں ہونا چاہئے...؟

بتلایا جائے کہ! جب معاشرہ اس طرح کی بے راہ روی کی آخری حدوں کو چھو رہا ہو، کیا اسے اس فساد و بگاڑ سے بچانے اور معاشرے کو اسلامی بنانے کے لئے ایسے جرائم کی روک تھام پر قدغن لگانی چاہئے یا یہ کہہ کر چھوڑ دیا جائے کہ چونکہ ان حالات میں چوری، ڈکیتی، بدمعاشی، زناکاری اور قتل و غارت گری سے بچنا مشکل ہے، لہٰذا ایسے مجرموں کے خلاف کسی قسم کا دستور و قانون بنانے اور نافذ کرنے کے بجائے انہیں آزاد چھوڑ دیا جائے، جب معاشرے کی حالت اچھی ہوگی، جب جرائم چھوڑنے کی فضا پیدا ہوگی، تب جرم و سزا کا قانون نافذ کیا جائے گا۔ کیا خیال ہے! کوئی عقل منداس منطق کو قبول کرنے پر آمادہ ہوگا...؟

بلاشبہ ایسے ہی سنگین حالات میں جرم اور مجرموں کی راہ روکنے اور ایسے بدفطرت عناصر کا قلع قمع کرنے کے لئے ایسے سخت قوانین نافذ کئے جاتے ہیں، تاکہ ماحول امن و امان کا گہوارہ اور معاشرہ مثالی اسلامی بن سکے۔

دیکھا جائے تو جو لوگ حدود آرڈی نینس پر اعتراض کرتے ہیں وہ دراصل

معاشرے کو اسلامی اور ماحول کو امن و امان کا گہوارہ نہیں دیکھنا چاہتے، چنانچہ وہ ان لچر اعتراضات کے ذریعہ اس سے فرار کی راہ نکالنا چاہتے ہیں۔

یہاں یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ حدِ زنا کا قانون کوئی جامد و ساقط نہیں کہ یہ ہرحال میں لاگو ہوکر ہی رہے گا، بلکہ اس کی سزاؤں کے نفاذ کے لئے کچھ شرائط و قیود ہیں۔ یہ تو عدالتوں کا کام ہے کہ وہ مقدمے کی تفصیلات، جرم کے محرکات اور ملزم پر لگائے گئے الزامات کے پس منظر اور پیش منظر کو سامنے رکھ کر ان شرائط و قیود کی پابندی کرتے ہوئے مقدمے کا فیصلہ اور سزاؤں کا اجراء کرے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعتِ اسلامی میں ذرا سے شائبہ پر بھی حدِ زنا ساقط ہوجاتی ہے، عہدِ نبوّت اور عہدِ صحابہؓ میں حدود کے کیس بہت ہی کم تعداد میں وجود میں آئے اور جتنا کچھ منظرِ عام پر آئے وہ سب کے سب ان کے تھے جو احساسِ جرم سے مجبور ہوگئے اور انہوں نے اعتراف و اقرار کرکے اپنے آپ کو سزا کے لئے پیش کیا، اسی طرح آج بھی دیکھا جائے تو اس قانون کی انہیں کڑی شرائط کا نتیجہ ہے کہ ۱۹۷۹ء سے آج تک پورے ستائیس سال میں حدِ زنا کی سزا کا نفاذ نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قانون کو ختم کرنے یا اس کو منسوخ کرنے کی بجائے اس کے ذریعہ یا اس کی قوت و زور پر معاشرے اور افراد کی اصلاح کی جائے۔

اعتراض ۱۰:... زنا بالرضا اور زنا بالجبر کی سزاؤں میں فرق ہونا چاہئے، جبکہ حدود آرڈی نینس میں ایسا نہیں ہے؟

جواب:... بلاشبہ زنا بالرضا کی سزا کا ذکر تو پہلے آچکا، اب رہی یہ بات کہ زنا بالجبر کی سزا کیا ہے؟

اس سلسلے میں عرض ہے کہ زنا بالجبر کے مرتکب زانی کی زنا بالرضا سے زیادہ سزا کا قرآن و حدیث میں کہیں کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور واقعتاً حدود آرڈی نینس میں ایسا ہی ہے، بتلایا جائے اس میں حدود آرڈی نینس اور اس کے مرتبین کا کون سا جرم

ہے؟ چنانچہ معترضین کا یہ اعتراض کہ زنا بالرضا اور زنا بالجبر میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، قرآن وسنت سے ناواقفی کی علامت ہے، جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ زنا بالجبر کا الگ تذکرہ نہیں ہے، خالص جھوٹ اور افتراء ہے، کیونکہ حدود آرڈی نینس کی دفعہ ۶ میں واضح طور پر زنا بالجبر کا علیحدہ ذکر کرتے ہوئے لکھا گیا ہے، ملاحظہ ہو:

زنا بالجبر:۱:...کسی شخص کو زنا بالجبر کا مرتکب کیا جائے گا، اگر وہ مرد یا وہ عورت کسی ایسی عورت یا مرد کے ساتھ، جیسی بھی صورت ہو، جس کے ساتھ وہ مرد یا وہ عورت نکاح صحیح میں نہ ہو، مندرجہ ذیل حالات میں سے کسی میں، جماع کرے، یعنی:

الف:...مظلوم کی مرضی کے خلاف،

ب:...مظلوم کی رضا مندی کے بغیر،

ج:...مظلوم کی رضا مندی سے، جبکہ یہ رضا مندی مظلوم کو ہلاکت کا خوف دِلا کر حاصل کی گئی ہو،

د:...مظلوم کی رضا مندی سے، جبکہ مجرم جانتا ہو کہ وہ مظلوم کے ساتھ نکاح صحیح میں نہیں ہے، اور یہ کہ رضا مندی کا اظہار اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ مظلوم باور کرتا ہے یا کرتی ہے کہ مجرم وہ دُوسرا شخص ہے جس کے ساتھ مظلوم کا نکاح صحیح ہوچکا ہے، یا جس سے نکاح صحیح ہوتا وہ باور کرتا ہے یا کرتی ہے۔

تشریح:...زنا بالجبر کے جرم کے لئے مطلوبہ جماع کے لئے دخول کافی ہے۔

۲:...زنا بالجبر مستوجبِ حد ہے اگر اس کا ارتکاب دفعہ:۵، کی ذیلی دفعہ:۱، میں مصرحہ حالات میں کیا گیا۔''

اور زنا مستوجب حد کی دفعہ:۱، کا مضمون یہ ہے کہ:

الف:...''اس کا ارتکاب ایسے مرد نے جو بالغ ہو اور

فاتر العقل نہ ہو، ایسی عورت کے ساتھ کیا ہو، جس کے ساتھ نہ تو اس کا نکاح ہوا ہو اور نہ اسے نکاح ہونے کا شبہ ہو،

ب:...اس کا ارتکاب ایسی عورت نے جو بالغ ہو، اور فاتر العقل نہ ہو، ایسے مرد کے ساتھ کیا ہو، جس کے ساتھ نہ تو اس کا نکاح ہوا ہو اور نہ اسے نکاح ہونے کا شبہ ہو۔''

اس کے علاوہ زنا بالجبر کی تفصیلات بیان کرنے کے بعد اس کی سزا کو زنا بالرضا سے شدید تر کرتے ہوئے اس آرڈی نینس میں ان الفاظ میں اس کی وضاحت کی گئی ہے:

''۳:...جو کوئی بھی زنا بالجبر مستوجبِ حد کا مجرم ہو تو، اس آرڈی نینس کے احکام کے تابع:

الف:...''اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن ہو تو اسے جائے عام پر سنگسار کیا جائے گا۔

ب:...اگر وہ مرد یا وہ عورت محصن نہ ہو تو اسے جائے عام پر ایک سو کوڑوں کی سزا اور ایسی دیگر سزا دی جائے گی، جس میں موت کی سزا شامل ہے، جسے عدالت حالاتِ مقدمے کا لحاظ رکھتے ہوئے مناسب تصوّر کرے۔''

زنا بالجبر اور اس کی سزا کے بارے میں حدود آرڈی نینس میں اس قدر واضح ہدایت اور تصریحات کے باوجود معترضین کا یہ کہنا کہ زنا بالجبر اور زنا بالرضا اور ان کی سزاؤں میں کوئی فرق نہیں کیا گیا، صریح بددیانتی اور کھلا جھوٹ نہیں...؟

اعتراض ۱۱:...زنا بالرضا اور زنا بالجبر کے لئے معیارِ شہادت میں فرق روا نہیں رکھا گیا۔

جواب:...اُصول اور ضابطے کے اعتبار سے اور کسی بےقصور کو زنا بالجبر کے

الزام سے بچانے کا تقاضا تو یہی ہے کہ زنا بالجبر کے ثبوت کو بھی کڑے معیارِ شہادت سے منسلک کیا جائے، چنانچہ چار گواہوں کی شرط اسی ضرورت کے تحت لگائی گئی ہے، تاکہ کل کوئی بدباطن اُٹھ کر کسی معصوم یا معصومہ پر زنا بالجبر کا الزام لگا کر اس کو حد نہ لگوا سکے، یا اس کی عزّت وآبرو اور جان کے درپے نہ ہونے پائے۔

ہاں! البتہ اس میں اتنا مزید سہولت دی گئی ہے کہ اگر زنا بالجبر کا مجرم اپنے جرم کے ثبوت مٹانے میں کامیاب ہوگیا ہو اور مظلوم اپنی داستان ظلم واَلم سناتا ہے اور دُوسرے شواہد وقرائن بھی اس کی مظلومیت کی تائید کرتے ہیں، تو ایسے مجرم کو اگرچہ زنا کی سزا تو جاری نہیں کی جاسکے گی، مگر اُسے تعزیر کا مستحق قرار دے کر اس کے خلاف ایسی سخت کارروائی کی جائے کہ آئندہ کسی بدبخت کو ایسی کارروائی کی جرأت نہ ہوسکے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ حدود آرڈی نینس کو مؤثر ومفید بنانے کے لئے اس کی راہ میں حائل تمام رُکاوٹوں کو دُور کیا جاتا، پولیس اور تفتیشی ایجنسیوں کے پُرپیچ اور پیچیدہ تفتیشی طریقۂ کار کو تبدیل کرکے اُسے سہل اور آسان بنایا جاتا اور اس کے ذریعہ معاشرے کی بہتری اور ماحول کو پُرامن بنانے کی تدبیریں کی جاتیں اور پاکستان کو ایک مثالی اسلامی معاشرے میں ڈھالا جاتا، مگر افسوس! کہ لادِین قوتوں کے اشارے پر ملکی وغیرملکی طاقتوں نے اُسے اپنے مفادات کے منافی جان کر، اس کے خلاف محاذ آرائی شروع کردی اور اس کو متنازعہ بنا کر اس کو مسخ یا ختم کرنے کی تحریک شروع کرکے اس پر طرح طرح کے اعتراضات و اِشکالات وارِد کئے اور قوم کو اس سے بدظن کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی۔

فانا للہ وانا الیہ راجعون

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

علمائے کرام کا قتلِ عام

سانحہ درگاہ بائی جی شریف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں پنوعاقل چھاؤنی سے متصل سندھ کی مشہور خانقاہ ''درگاہ بائی جی شریف'' پر مسلح ڈاکوؤں نے حملہ کرکے فائرنگ، اغوا اور قتل و غارت گری کی تاریخ میں ظلم و بربریت کی ایک نئی مثال قائم کی ہے۔ جس درندگی سے نہتے نمازیوں اور ایک برگزیدہ ہستی کو اغوا اور قتل کیا گیا، اس کی کچھ تفصیلات اخبارات میں آچکی ہیں، روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۶/جولائی ۱۹۹۲ء کی اشاعت میں لکھتا ہے:

''پنوعاقل (نامہ نگار/ رفیق احمد شیخ) مسلح ڈاکوؤں نے پنوعاقل کے قریب درگاہ بائی جی شریف پر حملہ کرکے اندھا دُھند فائرنگ کی اور مسجد کا گھیراؤ کرلیا، فائرنگ سے ۹ اَفراد موقع پر ہی ہلاک ہوگئے اور درجنوں زخمی ہوگئے، جبکہ ڈاکوؤں نے پینتیس نمازیوں کو اغوا کرلیا جن میں سندھ اور بلوچستان کے ممتاز عالمِ دِین اور بزرگ میاں عبدالستار دھاریجو شامل ہیں۔ تفصیلات کے مطابق پنوعاقل سے ڈیڑھ کلومیٹر دُور گاڑی بائی جی شریف پر اتوار اور پیر کی درمیانی شب ساڑھے نو بجے، جدید ہتھیاروں سے مسلح ڈاکوؤں نے، جن کی تعداد ایک درجن سے زائد تھی،

درگاہ بائی جی شریف پر ہلہ بول دیا، اور چاروں طرف سے محاصرہ کرکے وہاں پر آنے والے زائرین پر اندھا دُھند فائرنگ شروع کردی، ڈاکوؤں نے درگاہ شریف کی مسجد میں گھس کر نمازیوں پر اندھا دُھند فائرنگ کی، جو عشاء کی نماز باجماعت ادا کرنے وہاں آئے تھے، جس کے نتیجے میں پانچ نمازی سجدہ ہی میں جاں بحق ہوگئے۔ ڈاکوؤں نے درگاہ کے سجادہ نشین معروف دِینی شخصیت اور پیش اِمام حضرت میاں عبدالستار دھاریجو سمیت تقریباً پینتیس نمازیوں کو جو سجدے میں تھے وہاں سے اُٹھالیا اور اغوا کرکے ساتھ لے جانے لگے۔ اطلاع کے مطابق ڈاکو مغویوں پر تشدّد کرتے ہوئے انہیں اپنے ساتھ بھاگ چلنے پر مجبور کرتے رہے، اور اس دوران کوئی تیز بھاگنے سے رہ گیا تو ڈاکوؤں نے اسے وہیں گولی ماردی، اس طرح وہ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لوگوں کو مارتے اور لاشیں راستے میں پھینکتے رہے۔ پنوعاقل تھانہ کے ایس ایچ او تاج محمد نوناری پولیس کی بھاری جمعیت کے ساتھ پیدل بھاگتے ہوئے موقع پر پہنچے، لیکن اس دوران ڈاکو اپنی کاروائی مکمل کرکے فرار ہوچکے تھے۔''

روزنامہ ''جنگ'' ہی کی دُوسری خبر میں ہے:

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) پنوعاقل کے قریب پھلانی کے جنگلات میں ہفتے کی شام کو قانون نافذ کرنے والے ادارے کے اہل کاروں اور ڈاکوؤں میں مقابلہ ہوا جو رات گئے تک جاری تھا۔ آئی ایس پی آر کے ذرائع کے مطابق ڈاکو، جن افراد کو اغوا کرکے ساتھ لے گئے تھے، ان میں سے دو افراد ہلاک، ۵ زخمی اور ۳ ڈاکوؤں کے چنگل سے واپس آگئے ہیں۔

واپس آنے والے مغویوں نے بتایا ہے کہ ڈاکوؤں نے اغوا کے دُوسرے دن بائی جی شریف کے سجادہ نشین عبدالستار دھاریجو کو قتل کردیا تھا، جبکہ ہلاک شدگان میں عبدالستار دھاریجو کے داماد محمد صدیق دھاریجو اور ایک دُوسرا شخص حبیب اللہ سومرو شامل ہیں۔ ڈاکوؤں نے فائرنگ کرکے عبدالستار دھاریجو کے صاحبزادے عبدالجبار دھاریجو سمیت اس کے نواسے عبیداللہ دھاریجو، نعمت اللہ سومرو، رحیم بخش، مجیب الرحمٰن کو زخمی کردیا ہے، جبکہ تین افراد مختار احمد، مقبول احمد اور خالد حسین صحیح سلامت واپس پہنچے ہیں۔ آئی ایس پی آر کے ذرائع کے مطابق ڈاکوؤں اور قانون نافذ کرنے والے اداروں کے درمیان مقابلہ جاری ہے اور وہ مکمل طور پر گھیرے میں ہیں۔ اغوا ہونے والے تمام افراد شام سات بجے تک جنگلات سے باہر آگئے تھے اور مقابلے کے بعد ڈاکوؤں نے انہیں رہا کردیا تھا۔ سکھر سے نامہ نگار کے مطابق ڈاکوؤں نے درگاہ بائی جی کے سجادہ نشین عبدالستار دھاریجو سمیت آٹھ افراد کو قتل کرکے ان کی لاشیں دریا میں پھینک دیں۔ چھ مغویوں کو بدھ کے روز اور دو مغویوں کو جمعرات کو قتل کیا گیا۔ یہ بات اسپتال میں داخل پانچ بازیاب ہونے والے افراد نے جی او سی پنوعاقل سلیم ارشد اور کمشنر سکھر صلاح الدین قریشی اور ڈپٹی کمشنر سکھر محمد سرور خان کو بتائی۔ زخمیوں میں دو مغویوں کی حالت نازک بتائی جاتی ہے۔ ڈپٹی کمشنر نے اسپتال میں داخل زخمیوں کے لئے خون کی دس بوتلوں کا انتظام کردیا ہے، انہوں نے بتایا کہ ہفتے کو ہلاک ہونے والے دو مغویوں حبیب اللہ اور عبیداللہ کی لاشیں ان کے ورثاء کے حوالے کردی گئی ہیں۔ انہوں نے یہ

بھی بتایا کہ پنوعاقل کے ملحقہ جنگلات میں مغویوں کی بازیابی کے دوران چار ڈاکوؤں کے ہلاک ہونے کی اطلاع ملی ہے اور کئی ڈاکو زخمی بھی ہوئے ہیں، تاہم رات گئے تک ان کی شناخت نہیں ہوسکی۔ ڈپٹی کمشنر سکھر سرور خان نے اخباری نمائندوں کو بتایا کہ ہفتے کو ۱۹ افراد کو بازیاب کرایا گیا جن میں سے سات زخمی ہیں۔ پنوعاقل کے جی او سی میجر جنرل سلیم ارشد کی کمان میں سینکڑوں فوجی، آپریشن میں حصہ لے رہے ہیں۔ شدید زخمی ہونے کے باعث دو مغویوں نے راستے میں دَم توڑ دیا، جبکہ دیگر افراد کو زخمی حالت میں پنوعاقل چھاؤنی کے اسپتال میں داخل کردیا گیا ہے۔" (روزنامہ "جنگ" کراچی ۱۲؍جولائی ۱۹۹۲ء)

یہ وہ تفصیلات ہیں جو پریس کے ریکارڈ پر آگئی ہیں، ورنہ ان انسان نما درندوں کے چنگل سے رہائی پانے والے چشم دید گواہوں کی زبانی جو کچھ معلوم ہوا ہے وہ اس قدر لرزہ خیز ہے کہ زبان وقلم ان کے بیان کرنے میں ساتھ نہیں دیتے، چنانچہ مغویوں کو جس بے دردی سے شہید کیا گیا ان کی تفصیلات سننے کی تاب نہ لاکر حضرت مولانا میاں عبدالستار قدس سرہٗ کے چار مرید جاں بحق ہوگئے۔

درگاہ بائی جی شریف کے سجادہ نشین میاں عبدالستار دھاریجو کی خدانخواستہ کسی سے کوئی عداوت اور ذاتی دُشمنی نہیں تھی، وہ نہایت ہی پارسا، متقی، فرشتہ صفت اور مرنجان ومرنج طبیعت کے مالک انسان تھے۔ موصوف اپنے والد ماجد حضرتِ اقدس مولانا میاں صالح محمد صاحب (خلیفہ مجاز حضرت مولانا تاج محمود امروٹیؒ) کے سچے جانشین اور خلف الرشید تھے۔ آپ کو حضرتِ اقدس مولانا حماداللہ ہالیجوی قدس سرہٗ سے بھی اجازت وخلافت حاصل تھی، یوں آپ نجیب الطرفین بلند پایہ شیخ اور ثقہ عالمِ دِین تھے۔ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے مریدین ومتوسلین تھے اور بیسیوں ذاکرین

ایسے تھے جو شبانہ روز ارشادِ خداوندی:

"یَذْکُرُوْنَ اللهَ قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِھِمْ
وَیَتَفَکَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ." (آل عمران:۱۹۱)

ترجمہ:... "یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور
کروَٹ پر لیٹے، اور فکر کرتے ہیں آسمان و زمین کی پیدائش میں۔"

کے مصداق خانقاہ میں قیام پذیر ہوتے، چنانچہ جس روز یہ سانحہ پیش آیا، اس وقت بھی خانقاہ اور مسجد سے عام نمازی جاچکے تھے صرف سجادہ نشین اور ان کے مریدین عشاء کے بعد نوافل اور وتروں میں مصروف تھے کہ ان میں سے بعض کو نماز اور سجدہ ہی میں، اور بعض کو مسجد کے صحن اور خانقاہ میں شہید کردیا گیا، اور حضرت سجادہ نشین رحمۃ اللہ علیہ کو لے جاکر دُوسرے دن پہلے ان کی داڑھی مونڈی گئی اور نمازِ مغرب سے فراغت کے بعد لائن میں کھڑا کرکے گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کردیا گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ، اِنَّ لِلّٰہِ مَا أَخَذَ وَلَہٗ مَا أَعْطٰی وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَہٗ بِأَجَلٍ مُّسَمّٰی!

میاں عبدالستار صاحب قدس سرہٗ کے زندہ بچ جانے والے صاحبزادے نے بتلایا کہ والد صاحب نے ان انسان نما ابلیسوں سے کہا کہ ہم اللہ کی تقدیر پر راضی ہیں، اگر ہماری موت آپ کے ہاتھوں لکھی ہے تو شوق سے قتل کیجئے، مگر ہماری داڑھیاں نہ مونڈیئے۔ لیکن ان شقی القلب سفاکوں نے ایک بھی نہ سنی۔ ان کے صاحبزادے کا بیان ہے کہ ان ظالموں نے حضرت والد ماجد کو شہید کرنے کے بعد نہایت ہتک آمیز طریقے سے ان کی نعش کو گھسیٹ کر پانی میں بہادیا۔ یہ تو ان کی کرامت تھی کہ چار روز تک نعش پانی میں رہنے کے باوجود بھی بالکل صحیح سالم رہی، چنانچہ نعش نکال کر سنت کے مطابق تکفین و تدفین عمل میں لائی گئی۔

درگاہ بائی جی شریف کے سجادہ نشین اور ان کے بیس مریدین و اعزّہ کی شہادت اور درگاہ پر حملہ کسی ایک فرد، قوم اور برادری کا مسئلہ نہیں بلکہ اسلام اور اہلِ

اسلام اور دِین دار طبقے کے خلاف کھلی جارحیت ہے اور علمائے دِین و مشائخِ عظام کو ہراساں کرنے کی نہایت بدترین کوشش ہے، بلاشبہ بائی جی شریف کا سانحہ اہلِ علم اور اہلِ دِین کے لئے کھلا چیلنج ہے۔

اس دہشت گردی میں کس کا ہاتھ ہے؟ اور کون کون سی لابیاں اس کے پیچھے کام کر رہی ہیں؟ اس کی تحقیقات کرنا حکومت کا کام ہے، مگر یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ اس میں جہاں سفاک ڈاکو اور اغوا کنندگان مجرم ہیں، اس سے کہیں زیادہ حکومت اس کی قصوروار ہے، اس لئے کہ عوام کی جان و مال کا تحفظ حکومت کی ذمہ داری ہے، اگر کوئی حکومت اس کی ذمہ داری نہیں اُٹھاسکتی تو اسے مسندِ اقتدار پر قائم رہنے کا کوئی حق نہیں۔

ظلم و بربریت، دہشت گردی، قتل و غارت اور اغوا کی وارداتوں میں روز بروز اضافہ اس لئے ہو رہا ہے کہ اس کی روک تھام اور سدِ باب کے لئے صحیح اسلامی قانون کے نفاذ سے پہلو تہی کی جارہی ہے، ورنہ اگر اسلامی اَحکام نافذ ہوتے اور ڈاکوؤں اور قاتلوں کو سرِعام سزائیں دی جاتیں تو قتل و اغوا اور ڈکیتی پر کیونکر جرأت کی جاتی؟ اگر چور، ڈاکو اور قاتل برسرِ اقتدار نہ ہوتے ہوئے محض قتلِ عام اور ڈکیتی کے زور پر دہشت اور خوف و ہراس پیدا کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہیں تو حکومت اسلامی آئین نافذ کرکے یہ مقاصد کیوں نہیں حاصل کرسکتی؟ جس سے صاف ظاہر ہے کہ حکومت اس سلسلے میں سنجیدہ نہیں، ورنہ کیا بات ہے کہ اسلام کے نام پر برسرِ اقتدار آنے والی حکومت دو سال گزرنے کے باوجود اپنا وعدہ پورا نہیں کرسکی۔

یہ سانحہ جہاں حکومت کی مساہلت، لاپروائی اور بے حسی کا منہ بولتا ثبوت ہے، وہاں پاک فوج کے لئے بھی لمحہ فکریہ ہے کہ یہ سانحہ عین اس وقت ہوا جب صوبے میں فوجی آپریشن شروع ہوچکا تھا، اور ہوا بھی وہاں جہاں سب سے بڑی فوجی چھاؤنی ہے۔ فوج کی نگرانی اور اس کی انٹیلی جنس بہت حساس ہوتی ہے، لیکن اس کے

باوجود ڈاکو اطمینان سے آتے ہیں، گولیاں چلتی ہیں، قتل و غارت گری ہوتی ہے، اور وہ اطمینان سے اپنا کام تمام کرکے چلے جاتے ہیں اور علماء کو اغوا کرکے اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، لیکن فوج کو اس ساری کاروائی کی خبر تک نہیں ہوتی...! کیا فوج کی عظمت کم ہوگئی ہے؟ یا ڈاکو بہت زیادہ جری ہوگئے ہیں؟ یا پھر کوئی دُوسرا راز ہے؟ کہیں یہ ڈاکوؤں کی طرف سے فوجی آپریشن کے خلاف ایک تجرباتی الٹی میٹم تو نہیں...؟

بہرحال کچھ بھی ہو، یہ تحقیق کرنا اور اس کا سدِ باب کرنا حکومت کا کام ہے، اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ اسلامی نظام کا جلد از جلد نفاذ کرکے اپنے آپ کو قرآن پاک کی اس نصِ صریح کی وعید سے بچائیں جس میں فرمایا گیا ہے:

۱:... "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ." (المائدة:۴۷)

ترجمہ:... "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں فاسق۔"

۲:... "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ." (المائدة:۴۵)

ترجمہ:... "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں ظالم۔"

۳:... "وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ." (المائدة:۴۴)

ترجمہ:... "اور جو کوئی حکم نہ کرے اس کے موافق جو کہ اللہ نے اُتارا سو وہی لوگ ہیں کافر۔" (ترجمہ حضرت شیخ الہندؒ)

اس سفاکانہ واردات اور دہشت گردی کا نہایت افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اس سانحہ کو بیس دن ہو رہے ہیں، مگر ابھی تک مجرموں کی گرفتاری یا سرکوبی کی کوئی حتمی

صورتِ حال سامنے نہیں آئی۔ پھر اس سے بڑھ کر بے حسی کیا ہوگی کہ صدر اور وزیرِ اعظم کی جانب سے متأثرہ خاندان کے لئے ہمدردی کے چند کلمات تک ادا نہیں کئے گئے، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ! جس سے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا ایک فطری عمل ہے، اس لئے جو سیاست دان اس سانحہ کو حکومت کی ملی بھگت اور دِین دار طبقے کے استیصال کے حربے سے تعبیر کر رہے ہیں، اس سے ان کے موقف کو تقویت ملتی ہے۔

اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ اس قسم کے واقعات کی مؤثر طور پر روک تھام کریں، ورنہ جب دہشت گردی اور ظلم کی یہ آگ پھیلے گی تو اس کے شعلوں سے ایوانِ اقتدار بھی محفوظ نہیں رہ سکیں گے۔

(ماہنامہ "بینات" کراچی صفر ۱۴۱۳ھ مطابق اگست ۱۹۹۲ء)

انتظامیہ کی ناعاقبت اندیشی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

امامِ اہلِ سنت مخدوم العلماء حضرت مولانا قاضی مظہرحسین دامت برکاتہم، تلمیذ ومجاز شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّدحسین احمد مدنی قدس سرہٗ کو رات کی تاریکی میں شب خون مارکر ان کے گھر سے جرمِ بے گناہی میں گرفتار کرکے پابندِ سلاسل کردیا گیا ہے اور تادَمِ تحریر ان کی رہائی کی کوئی اطلاع نہیں۔ حضرت مولانا سن وسال کے اس پیٹے میں ہیں کہ کہیں آنے جانے کے بجائے زُہد وتکشف کی زندگی گزار رہے ہیں۔ یوں تو ساری زندگی تعلیم وتعلّم اور تصنیف وتالیف ہی ان کا محبوب مشغلہ رہا ہے، مگر اب ضعف وپیرانہ سالی کے باعث گھر، مسجد اور مدرسہ کے علاوہ کہیں زیادہ آنا جانا نہیں، اور صرف واردین وزائرین یا مستشردین کی اصلاح وتربیت اور وعظ وتلقین کے لئے وقف ہیں۔ انہیں ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت گرفتار کرکے ڈی ایس پی چوہدری محمد یوسف مرحوم کے قتل میں ملوّث کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی، مسجد ومدرسہ کے تقدس کو پامال کیا گیا، طلبہ اور اساتذہ پر تشدّد کیا گیا، مسجد ومدرسہ کو مقفل کیا گیا۔ جبکہ حقائق وواقعات یہ ہیں کہ ڈی ایس پی محمد یوسف سنی العقیدہ مسلمان تھے، اور ان کے حضرت مولانا سے عقیدت مندانہ تعلقات تھے۔ اس سلسلے میں تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت مدنی مسجد، چکوال نے ایک حقائق نامہ شائع کیا ہے، جس سے اس

سانحہ کے پسِ منظر اور پیشِ منظر کی نشاندہی ہوتی ہے، جسے قارئینِ ''بینات'' کے افادے کے لئے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

''بسم اللہ الرحمن الرحیم

چکوال کی ضلعی انتظامیہ نے تحریک خدام اہلِ سنت کی مرکزی قیادت کو سوچی سمجھی سازش کے تحت ڈی ایس پی چکوال کے قتل کا ملزم قرار دے دیا۔

تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت چکوال کا صوبائی حکومت سے پُر زور مطالبہ۔

بخدمت جناب چوہدری پرویز الٰہی صاحب قائم مقام گورنر پنجاب اسمبلی واسپیکر پنجاب اسمبلی وبخدمت جناب میاں محمد شہباز شریف صاحب وزیراعلیٰ پنجاب، وبخدمت جناب جہانزیب برکی آئی جی پنجاب پولیس۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جنابِ عالی! ہم آپ کی توجہ مؤرخہ ۸/اکتوبر ۱۹۹۸ء کو چکوال شہر میں رُونما ہونے والے اس المناک واقعے کی طرف دِلانا چاہتے ہیں، جس میں ڈی ایس پی چکوال چوہدری محمد یوسف مرحوم کو انتہائی ظالمانہ طریقے سے قتل کرکے، الزام تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت کی مرکزی قیادت پر عائد کیا گیا۔ ہم اس واقعے کے اصل حقائق آپ کے سامنے لانا چاہتے ہیں تاکہ آپ اپنی منصبی ذمہ داریوں کے پیشِ نظر انصاف کے تقاضے پورے کرسکیں۔

جنابِ والا! تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت ایک خالص مذہبی، نظریاتی اور امن پسند تنظیم ہے، جو قائدِ اہلِ سنت

حضرت مولانا قاضی مظہر حسین مدظلہٗ (خلیفہ مجاز شیخ الاسلام والمسلمین حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ) کی قیادت و سربراہی میں اہلِ سنت والجماعت کے حقوق و مفادات کے تحفظ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے، اور اس کی تمام تر جدوجہد آئینی و اخلاقی حدود کے اندر ہے۔ اس کی اُنتیس سالہ تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ اس نے کبھی جارحیت کا راستہ اختیار نہیں کیا، انتہائی حساس علاقہ ہونے کے باوجود آج تک چکوال میں مذہبی قتل و غارت گری نہیں ہوئی، جو تحریک خدام اہلِ سنت کی امن پسندی کی واضح دلیل ہے، حالانکہ ہر سال محرم وصفر کے دوران مخالفین جارحانہ ومتعصّبانہ طرز اختیار کرکے اسے مشتعل کرنے کی سرتوڑ کوشش کرتے ہیں۔ تحریک خدام کے امن پسندانہ کردار کی شہادت آج تک چکوال میں تعینات رہنے والی ہر ضلعی و مقامی انتظامیہ دے گی، حتیٰ کہ محرم وصفر کے دوران حفاظت وامن کے لئے آنے والے فوجی دستوں کے سینئر افسران بھی تحریک کے مثبت وامن پسند کردار کی شہادت دیں گے۔ لیکن بدقسمتی سے ضلع چکوال کی موجودہ انتظامیہ نے ایک سوچی سمجھی سازش کے تحت تحریک خدام کو نشانہ بنالیا اور اس کی مرکزی قیادت کو سنگین قسم کے مقدمات میں ملوّث کرکے گرفتار کرلیا۔

جنابِ والا! واقعات کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ چکوال کے محلّہ غربی قبرستان کا ایک وفد مولانا قاضی مظہر حسین کے پاس آیا کہ کچھ لوگ قبرستان کے اندر قوّالی کا اہتمام کررہے ہیں، اور ہمیں اس پر اعتراض ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ: ساز و مزامیر شرعاً حرام ہے، اور قبرستان میں تو انتہائی غیر مناسب ہے،

لیکن ہم قانون کو ہاتھ میں لینا پسند نہیں کرتے، آپ انتظامیہ کو درخواست دیں کہ وہ قانونی طریقے سے اس کو روکے۔ چنانچہ حضرت کے کہنے پر چوہدری ظفر علی خان کی قیادت میں اہلِ محلّہ کا ایک وفد مقامی انتظامیہ سے ملا اور انہیں تحریری درخواست دی، اور زبانی مذاکرات کئے، لیکن ضلعی انتظامیہ نے اس کا کوئی نوٹس نہ لیا۔ اس واقعے میں تحریک خدام کی مرکزی قیادت اور مرکزی دفتر کا اس سے زیادہ کوئی کردار نہیں کہ انہوں نے مقامی انتظامیہ کے ذریعہ اس محفل کو رُکوانے کی کوشش کی۔

جنابِ والا! عینی شاہدوں کی مصدقہ شہادتوں کے مطابق پولیس اور انتظامیہ کی نگرانی میں محفل شروع ہوئی، نعت خوانی ہوتی رہی، اور کسی قسم کی بدمزگی پیدا نہیں ہوئی، نعت خوانی کا سلسلہ ختم ہونے کے بعد اچانک اسٹیج سے اعلان کیا گیا کہ:

''یہ اعلان جناب اے سی صاحب چکوال کے حکم پر کیا جارہا ہے، کچھ شرپسند قوّالی میں گڑبڑ کرنا چاہتے ہیں، اس لئے پنڈال سے باہر جو لوگ کھڑے ہیں وہ پنڈال میں آجائیں تاکہ باہر پولیس آپ کی حفاظت کرسکے۔''

اس اعلان کے بعد لوگ پنڈال کے اندر چلے گئے اور قوّالیاں شروع ہوگئیں۔ تیسری قوّالی کے دوران چوہدری ظفر علی خان اور ان کے رفقاء نے انتظامیہ کو دوبارہ توجہ دِلائی کہ یہ سلسلہ اب بند کیا جائے، گفت وشنید کا سلسلہ کچھ آگے بڑھا، اور کشیدگی کی صورت پیدا ہوگئی۔ پولیس نے آنسو گیس استعمال کیا اور مجمع منتشر ہوگیا، کچھ دیر کے بعد پتہ چلا کہ ڈی ایس پی چوہدری محمد یوسف گولی لگنے سے جاں بحق ہوگئے ہیں۔

جنابِ والا! شہر سے باہر محلّہ میں ہونے والے اس المناک واقعے کے کچھ دیر بعد پولیس نے شہر کے وسط میں مدنی جامع مسجد اور اس سے متصل تحریک خدام اہلِ سنت کے مرکزی دفتر پر دھاوا بول دیا، دروازے اور تالے توڑ کر پولیس مسجد میں جوتوں سمیت گھس گئی، انتہائی جارحانہ طریقے سے توڑ پھوڑ کی گئی، ادارے کی گاڑی، مسجد کے پنکھے اور لائٹس اور دفتر کی اشیاء کو بُری طرح نشانۂ ستم بنایا گیا، دفتر کے عملے اور مسجد کے (قرآن پاک حفظ کرنے والے) چھوٹے چھوٹے طلباء کو نیند سے بیدار کر کے تشدّد و درندگی کا نشانہ بنایا گیا اور سب کو گرفتار کر کے تھانہ لے جایا گیا، ان میں دس دس، بارہ بارہ سال کے معصوم بچے بھی تھے۔ مسجد، مدرسہ اور دفتر سیل کر دیئے گئے، ابھی مسجد و مدرسہ کی بے حرمتی کو تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ پولیس کی فوج ظفرِ موج نے بچیوں کے مدرسہ تعلیم النساء پر چڑھائی شروع کر دی، تالے اور دروازے توڑ کر پولیس اندر گھس گئی، حضرت اپنی رہائش گاہ میں نمازِ فجر ادا کر رہے تھے، ان کا نواسہ خیارالحسن بیٹھک میں سو رہا تھا، پولیس نے اندر گھستے ہی اسے تشدّد کا نشانہ بنایا، طالبات کی بے حرمتی کی، پورے مدرسے کی جارحانہ طریقے سے تلاشی لی، جب کچھ نہ مل سکا تو حضرتِ اقدس، ان کے نواسہ اور ڈیوٹی پر موجود عملے کو حراست میں لے کر تھانہ لے گئی، اور پھر شہر کے متعدّد مقامات پر چھاپے مار کر تحریک کے بیسیوں کارکنوں کو حراست میں لے لیا گیا، اور پھر واقعے کے چوبیس گھنٹے بعد پولیس کی طرف سے جو ایف آئی آر سامنے آئی، اسے دیکھ کر دیانت و شرافت سر پیٹ کر رہ گئے، من گھڑت واقعات پر مبنی

اس جھوٹ کے پلندے کی اختراعی رپورٹ کے حوالے سے ہم چند باتیں جنابِ والا کی خدمت میں گوش گزار کرنا چاہیں گے:

۱:... پولیس رپورٹ کے مطابق فریقین کے درمیان شدید فائرنگ ہوئی۔ لیکن سینکڑوں افراد کے اس اجتماع میں شدید فائرنگ کے دوران ایک شخص بھی زخمی نہیں ہوا، جو اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ پولیس کا یہ موقف سراسر بے بنیاد ہے۔

۲:... پولیس رپورٹ کے مطابق ڈی ایس پی کو گولی تین چار فٹ کے فاصلے سے لگی اور وہ بھی سینے میں۔ سوال یہ ہے کہ ایسے موقع پر ڈی ایس پی جیسے ذمہ دار آفیسر کے اردگرد چند فٹ کے فاصلے پر اس کے حفاظتی گارڈ یا سرکاری اہل کاروں کے سوا کون ہوسکتا ہے؟ جبکہ مجمع کو آنسو گیس کے ذریعہ منتشر بھی کیا جاچکا تھا۔ اور مرحوم ڈی ایس پی سے خدام اہلِ سنت کے تعلقات بھی اچھے تھے۔

۳:... پولیس رپورٹ کے مطابق ڈی ایس پی پر گولی چلانے والے ملزم کو موقع پر گرفتار کیا گیا۔ حالانکہ پولیس ایف آئی آر میں جسے ملزم قرار دیتی ہے وہ حضرتِ اقدس کا نواسہ خیارالحسن ہے، جسے صبح نمازِ فجر کے وقت نیند سے بیدار کر کے حضرتِ اقدس کے ساتھ ان کے گھر سے حراست میں لیا گیا، اور وہ سرے سے موقع پر موجود ہی نہ تھا۔ اس کاروائی کے تناظر میں ہم اپنے خدشات کا برملا اظہار کرنا چاہتے ہیں۔

جنابِ والا!

۱:... کیا یہ کھیل باقاعدہ حکومتی منصوبہ بندی کے تحت مذہبی جماعتوں کو کریش کرنے کے لئے تو نہیں کھیلا گیا؟ اور اس

کے لئے سب سے پہلے تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت کو نشانہ بنایا گیا؟ اگر خدانخواستہ ایسا ہے تو یہ ملک وقوم کے لئے انتہائی بدنصیبی ہوگی۔

۲:... یا یہ بیوروکریٹ اور حکومت کے سیاسی مخالفین کی طرف سے حکومت کے خلاف کوئی منظّم سازش ہے، تاکہ مذہبی جماعتوں کا حکومت کے ساتھ تصادم قائم کرکے شریعت بل کی منظوری میں رُکاوٹیں کھڑی کی جائیں۔

لہٰذا ہم آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ:

۱:... ہائی کورٹ کے جج کے ذریعہ اس واقعے کی غیرجانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں اور اصل سازش بے نقاب کرکے مجرموں کو سخت ترین سزا دی جائے۔

۲:...حکومتی ذرائع سے ڈی ایس پی مرحوم کے ضلعی انتظامیہ کے ساتھ اندرون خانہ اختلافات کا پتہ چلایا جائے، تاکہ معلوم ہوسکے کہ اس کے اصل محرکات کیا ہیں؟

۳:... مولانا قاضی مظہر حسین سمیت تمام بے گناہ گرفتار شدگان کو فی الفور رہا کرکے ان کے خلاف مقدمات واپس لئے جائیں۔ والسلام

من جانب: تحریک خدام اہلِ سنت والجماعت
مدنی جامع مسجد، چکوال۔''

تحریک خدام اہلِ سنت کے حقائق نامہ اور حالات کے تناظر میں اس پُرتشدّد کاروائی کا پسِ منظر کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ناعاقبت اندیش انتظامیہ، ڈی ایس پی چوہدری محمد یوسف مرحوم کو قتل کرکے دوطرفہ کھیل کھیلنا چاہتی ہے۔

ایک طرف تو وہ حکومت اور مذہبی حلقوں میں بدظنی کی فضا پیدا کرکے حکومت

کے لئے مشکلات پیدا کرنا چاہتی ہے، دُوسری طرف وہ علماء کو ایسے جارحانہ اقدامات اور پُرتشدّد کاروائیوں کا ذمہ دار ٹھہراکر عوام کو مذہب اور مذہبی حلقوں سے دُور، اور مذہبی حلقوں کی عوام پر گرفت کو کمزور کرنا چاہتی ہے۔

حکومت اور انتظامیہ کو ہوش کے ناخن لینا چاہئے اور انہیں آگ کا یہ کھیل نہیں کھیلنا چاہئے، حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دامت برکاتہم اور دیگر بے گناہ مسلمانوں کو فوراً رہا کردینا چاہئے۔ خدانخواستہ اگر یہ آگ بھڑک اُٹھی تو ایسی بدامنی پھیلے گی جو خرمنِ حکومت کو جلاکر راکھ کردے گی۔

جناب وزیرِاعظم میاں نواز شریف کو براہِ راست دِلچسپی لے کر اس قضیہ کو حل کرنا چاہئے اور فوری طور پر حضرت مولانا اور دیگر گرفتار شدگان کو رہا کیا جائے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان المعظم ۱۴۱۹ھ مطابق دسمبر ۱۹۹۸ء)

ابھی تک قاتل گرفتار نہیں ہوسکے!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۳رصفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸رمئی ۲۰۰۰ء کو صبح دس بجے عاشقِ رسول، پاسبانِ ملتِ اسلامیہ اور قافلۂ امیرِ شریعت کے حدی خواں مرشد العلماء حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور ان کے ڈرائیور عبدالرحمٰن کو دن دہاڑے اور بھرے بازار میں شہید کردیا گیا۔ آج حضرتِ اقدسؒ اور آپ کے وفادار خادم کی شہادت کو ایک ماہ سے اُوپر ہوچکا ہے، مگر تادَمِ تحریر قاتل گرفتار نہیں کئے جاسکے، بلکہ ابھی تک قاتلوں کا کوئی سراغ بھی نہیں لگایا جاسکا۔ حالانکہ اس ملک کی فعال ایجنسیاں اگر کسی معاملے کی تہ تک پہنچنا چاہیں تو ممکن نہیں کہ کوئی مجرم ان سے بچ کر نکل سکے۔ پھر اب جبکہ اس ملک میں فوجی حکومت کا راج ہے اور پولیس کے علاوہ فوج بھی براہِ راست ملکی امن و امان میں دِلچسپی لے رہی ہے، تو کیسے یقین کیا جائے کہ ابھی تک ملکی ایجنسیاں قاتلوں تک نہیں پہنچ سکیں؟ یہ تو طے شدہ اَمر ہے کہ قاتلوں کو زمین نے نگلا ہے اور نہ وہ آسمان پر چڑھ گئے ہیں، بلکہ وہ اسی زمین کے لوگ تھے اور یہیں کہیں چھپے ہوئے ہیں، سوال یہ ہے کہ وہ کون سی ایسی جگہ ہے جہاں ہماری ان تفتیشی ایجنسیوں کی رسائی نہیں ہے؟ اور وہ کون سے ایسے عوامل و وجوہات ہیں جن کی بنا پر ہماری فوج اور پولیس اس معاملے میں سردمہری کا مظاہرہ کر رہی ہے؟ دُوسری طرف جناب جنرل پرویز مشرف

صاحب، صدرِ پاکستان اور کور کمانڈر جناب مظفر عثمانی صاحب اپنی ذاتی دِلچسپی کا اظہار بھی کرچکے ہیں، خصوصاً کور کمانڈر عثمانی صاحب متعلقہ افراد اور عملے کو اس طرف متوجہ کرتے بھی دِکھائی دے رہے ہیں، کیا واقعی پولیس، انتظامیہ، حکومت اور فوج بے بس ہے؟ یا خدانخواستہ وہ اس سلسلے میں سنجیدہ ہی نہیں ہے؟ موجودہ صورتِ حال سے عوام الناس میں یہ تأثر اُبھر رہا ہے کہ یا تو حکومت کو اس کیس کی سنگینی کا اندازہ نہیں ہے، یا پھر وہ اسے بھی لیت ولعل کے حربوں سے سرد خانے کی نذر کرنا چاہتی ہے۔ ہم اَربابِ اقتدار سے گزارش کریں گے کہ وہ ہمارے صبر کا مزید امتحان نہ لیں، اور قاتلوں کو فوراً گرفتار کرکے انہیں کیفرِ کردار تک پہنچائے، تاکہ آئندہ اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہو، اگر حکومت نے اپنی روایتی سستی کا مظاہرہ کیا تو وہ عوامی غیظ وغضب سے نہیں بچ سکے گی۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق اگست ۲۰۰۰ء)

علماء کشی کے سدِ باب کے لئے علماء کا اجتماع

نیک فال پیش رفت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

تقریباً آج سے پونے دو ماہ قبل جمعرات ۱۳؍صفر ۱۴۲۱ھ مطابق ۱۸؍مئی ۲۰۰۰ء کو صبح سوا دس بجے فقیہ الملت اور مرشد العلماء حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی قدس سرہٗ کو صبح گھر سے دفتر آتے ہوئے نصیر آباد، ایف بی ایریا کراچی، کے بھرے بازار میں دن دہاڑے دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہوئے، وفادار خادم اور ڈرائیور حاجی عبدالرحمٰن سمیت شہید کردیا گیا، ان کے صاحبزادے عزیز مولوی محمد یحییٰ لدھیانوی سلّمہٗ اور پھل فروش محمد نعیم کو زخمی کردیا گیا۔

اس سانحے پر کراچی، سندھ اور پورا ملک سراپا احتجاج بن گیا، اور پوری ملتِ اسلامیہ میں اضطراب کی شدید لہر دوڑ گئی۔ حکومت اور انتظامیہ نے اپنے اپنے انداز میں قاتلوں کی گرفتاری کے دعوے اور وعدے کئے، مگر دو ماہ کا عرصہ گزرنے کے باوجود قاتل گرفتار نہیں ہوسکے۔ اعلیٰ حکام، چیف ایگزیکٹو، صدر اور کور کمانڈر نے اپنے اپنے طور پر بھرپور تعاون اور قاتلوں کی گرفتاری کی یقین دہانی کرائی، مگر نتیجہ صفر رہا۔

دُوسری طرف پولیس، انتظامیہ اور ملکی ایجنسیوں نے اس سلسلے میں کسی خاص دِلچسپی کا مظاہرہ نہ کیا تو ملک بھر کے علماء نے اپنے طور پر اس معاملے میں غور وخوض کا

فیصلہ کیا، اور طے کیا کہ اس دہشت گردی کا سدِ باب ہونا چاہئے، اگر اس طرح ایک ایک کرکے علماء کو راستے سے ہٹایا جاتا رہا تو پاکستان میں اسلامی اقدار، دِین اور دِینی شعائر، مدارس، مساجد اور خود پاکستان کے اسلامی تشخص کو خطرہ لاحق ہوجائے گا، اور خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ یہاں دِین کا کام کرنا یا اسلامی شکل و شباہت اختیار کرنا بھی مشکل ہوجائے۔

سمرقند و بخارا کی تاریخ گواہ ہے کہ وہاں شروع میں اسی طرح ایک ایک کرکے علماء اور حاملینِ دِین کو تہ تیغ کیا گیا، پھر رفتہ رفتہ وہ منحوس وقت بھی آیا کہ وہاں گھر میں قرآن پاک رکھنا سب سے بڑا جرم قرار پایا۔ اسی طرح ان لادِین قوتوں نے پڑوسی ملک افغانستان میں بھی یہی کھیل کھیلنے کی کوشش کی، اور ایک ایک دن میں ہزاروں علماء کو شہید کیا جاتا رہا، مگر اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے علمائے اُمت، افغانستان کے غیور مسلمانوں اور طالبان کو انہوں نے اس یہودی سازش کو ناکام بنادیا، اور رُوس ان قدسی صفات علماء سے ٹکرا کر خود پاش پاش ہوگیا، اور جہاد کی برکت سے نہ صرف افغانستان اس یلغار سے محفوظ رہا، بلکہ ان کی مساعی کی برکت سے وسط ایشیا کے وہ ممالک جو گزشتہ ستر سال سے رُوس کے ظلم و استبداد کا شکار تھے، وہ بھی آزادی کا پھریرا لہرانے میں کامیاب ہوگئے۔ ٹھیک اسی طرح اب پاکستان میں بھی اسی قسم کے خطرات پیدا ہورہے ہیں کہ یہاں دِین کا کام کرنا اور مخلوقِ خدا کو خدا سے جوڑنا، دِین کی بات کرنا اور دِینی اقدار کو پروان چڑھانا، جرم بنتا جارہا ہے، بظاہر اس کو دہشت گردی اور فرقہ واریت کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن اگر دیکھا جائے تو اس کے پیچھے بہت بڑی اور گہری سازش ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ اس سیلابِ بلاخیز کے سامنے بند باندھا جائے اور اس کے لئے کوئی حکمتِ عملی متعین کی جائے، چنانچہ اکابر علماء سر جوڑ کر بیٹھے اور اس پر غور وخوض کیا تو طے کیا کہ پہلے مرحلے پر اسلام آباد میں ملک بھر کے چیدہ چیدہ علماء کا اجلاس بلایا جائے، اور اس سازش کے سدِ باب کی حکمتِ عملی طے کی

جائے، چنانچہ اس کے لئے پاکستان کے سرکردہ اور مقتدر علماء کو درج ذیل مضمون پر مشتمل ایک دعوت نامہ جاری کیا گیا:

''محترمی ومکرمی جناب ....زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

اُمید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوں گے۔ حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے سانحے نے پوری اُمتِ مسلمہ میں اضطراب کی لہر دوڑادی اور ہر فرد مجسمۂ سوال بن گیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے ساتھ دن دہاڑے اور ہزاروں افراد کی موجودگی میں اس درندگی کا مظاہرہ کیا جاسکتا ہے تو عام انسان کی جان کی کیا وقعت ہوگی؟ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ کچھ عرصے سے دِین اور اہلِ دِین کے خلاف ایک مخصوص طریقے سے گھناؤنی سازش ہو رہی ہے، جس کے نتیجے میں ہمارے اکابر اہلِ علم اور قابلِ فخر ہستیوں کو قاتلانہ حملوں کے ذریعہ چن چن کر شہید کیا جارہا ہے۔ گزشتہ کچھ عرصے سے یہ جان لیوا حملے ایسی شخصیات کے خلاف ہورہے ہیں جو خالص علمی اور اصلاحی خدمات میں مصروف، اور اس حوالے سے عوام وخواص میں معروف تھیں۔ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، حضرت مولانا عبدالسمیع شہیدؒ، اسلام آباد کی مرکزی جامع مسجد کے خطیب اور مسلکِ علمائے دیوبند کے لئے عظیم خدمات انجام دینے والے حضرت مولانا محمد عبداللہ شہیدؒ اور جامعہ اسلامیہ امدادیہ فیصل آباد کے شیخ الحدیث کے صاحبزادے مفتی محمد مجاہد شہیدؒ کو اس حوالے سے بطور مثال پیش

کیا جاسکتا ہے۔ بدقسمتی کی انتہا یہ ہے کہ یہ جاں گداز سانحے مسلسل پیش آرہے ہیں۔

یہ افسوسناک حوادث پیش آتے رہے اور ہم ان کو فراموش کرتے رہے، یہاں تک کہ یادگارِ سلف حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کی مظلومانہ شہادت کا واقعہ پیش آیا، اس سے ہمیں جو دھچکا لگا ہے آپ سے مخفی نہیں کہ وہ کتنا شدید اور جاں گسل ہے۔ لازم تھا کہ اس سانحے کے مضمرات کو بھانپ کر اور ان پے در پے پیش آنے والے حادثات کے باہمی خوفناک تعلق کا ادراک کرکے ہم ان کے سدِ باب اور علمائے کرام اور اکابرین کے تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے متفقہ لائحہ عمل ترتیب دیتے اور اسے اجتماعی سطح پر پورے ملک میں منظّم طریقے سے بروئے کار لاتے، لیکن افسوس! ایسا نہیں ہوا۔

حقیقت یہ ہے کہ ان حادثات کے اسباب اور مضمرات بہت خوفناک اور ہماری فوری اور بھرپور توجہ کے طالب ہیں۔ یہ بات اپنے پرائے سب کے سامنے روشن ہوچکی ہے کہ پاکستان کا اہلِ علم طبقہ اس وقت کفر کی یلغار کے سامنے واحد رُکاوٹ ہے۔ بیرونی دُنیا میں عالمی طور پر یہ باور کرلیا گیا ہے کہ پاکستانی علماء حضرات اور دینی ادارے وہ آخری دیوار ہیں جنھوں نے رہے سہے دِین کے گرد حفاظتی حصار کھینچ رکھا ہے، چنانچہ وہ ان کے خلاف بالواسطہ اور بلاواسطہ مربوط اقدامات کرنے کے ساتھ اب انہیں براہِ راست ہدف بنانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہوچکے ہیں۔

اگر بات کسی ایک فرد یا ادارے کی ہوتی تو ہماری

بے توجہی اور لاتعلقی کا شاید عذر ہوسکتا تھا، لیکن یہ پورے مکتبۂ فکر، تمام طبقات اور سارے مسلکی حلقوں کا معاملہ ہے، بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ پورے دِین کا معاملہ ہے، اس لئے کہ حاملینِ دِین پر حملہ دِین پر حملہ ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم فوری طور پر جمع ہوکر ان المناک واقعات کے سدِ باب کے لئے غور کریں اور آئندہ کے لئے ایسا لائحہ عمل تیار کریں کہ جس کے بعد اس قسم کے واقعات کا اعادہ نہ ہو۔ اس لئے مشاورت سے طے کیا گیا کہ اسلام آباد میں چیدہ چیدہ علمائے کرام کا اجلاس درج ذیل پروگرام کے مطابق منعقد ہو۔ آپ کی علمی اور تدریسی خدمات اپنی جگہ بہت اہم ہیں، مگر اس اجلاس میں شرکت ملک اور دِین کی ضرورت ہے۔ اس لئے اس میں شرکت فرماکر مسلکِ حقہ سے وابستہ لاکھوں مسلمانوں کی راہ نمائی فرمائیں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

الداعیان:

۱:...شیخ المشائخ خواجہ خان محمد صاحب — امیر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت

۲:...شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صفدر — شیخ الحدیث جامعہ نصرت العلوم گوجرانوالہ

۳:...مولانا قاری سعید الرحمٰن — مہتمم جامعہ اسلامیہ راولپنڈی

۴:...مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب — مہتمم جامعہ علومِ اسلامیہ، بنوری ٹاؤن کراچی

۴:...مولانا فضل رحیم صاحب — نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور

۵:...حضرت مولانا نذیر احمد صاحب — مہتمم جامعہ اسلامیہ امدادیہ، فیصل آباد

۶:...مولانا مفتی محمد جمیل خان — نائب مدیر اقرأ روضۃ الاطفال

۷:...مولانا محمد اسفندیار خان — شیخ الحدیث جامعہ دارالخیر، کراچی

۸:...مفتی نظام الدین شامزی — شیخ الحدیث جامعہ علومِ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

۱۰:...مولانا حسن جان صاحب — شیخ الحدیث جامعہ امداد العلوم، پشاور

۱۱:...حضرت مولانا عبدالغنی صاحب — (چمن) کوئٹہ

نظام الاوقات:

بتاریخ:...۲۹؍ربیع الاوّل ۱۴۲۱ھ مطابق ۲؍جولائی ۲۰۰۰ء

بروز:..اتوار بوقت:...صبح ۹ بجے

بمقام:...جامعہ محمدیہ، ایف سکس فور، چائنا چوک، اسلام آباد

رابطہ فون نمبر:...مولانا ظہور علوی:... 816690 - 273998

مولانا نذیر فاروقی:... 282733، مولانا قاضی عبدالرشید:... 567378

بحمداللہ ان اکابرینِ دیوبند اور مسلکِ حقہ کے سرخیل زعماء کی طرف سے جن جن اکابر کو دعوت دی گئی، وہ سب اس اجلاس میں شریک ہوئے، جن کی تعداد دو سو سے زیادہ تھی، نہایت بھرپور اور نمائندہ اجلاس ہوا، جس میں عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت اور جمعیت اہلِ سنت والجماعت کے اکابر نے خصوصی کردار ادا کیا۔

اس اجلاس میں حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے سانحۂ شہادت کے مضمرات اور انتظامیہ کی جانب سے قاتلوں کی گرفتاری میں سرد مہری یا ناکامی کے سلسلے میں غور و خوض کیا گیا اور اس کا جائزہ لیا گیا کہ اب تک سرزمینِ پاکستان کو جن علمائے دیوبند اور علمائے حقہ کے خون سے رنگین کیا گیا، اس کے پسِ پردہ کیا محرکات تھے؟

نہایت شدّت سے یہ احساس سامنے آیا کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک کے ۵۳ سالہ عرصے میں مسلسل اور یکے بعد دیگرے پاکستانی علماء اور علمائے دیوبند ہی کو کیوں نشانہ بنایا جاتا رہا؟ جبکہ پورے ہندوستان میں آج تک کسی عالم کو

دہشت گردی کا نشانہ نہیں بنایا گیا۔ دُوسری جانب دُنیا میں قتل ہونے والے ہر شخص کے قتل کا سراغ مل جاتا ہے، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ اس محسن کش سرزمینِ پاکستان میں شہید ہونے والے علماء میں سے آج تک ایسے کسی قاتل کا سراغ نہیں مل سکا، کیا علماء کے قاتلوں کو زمین نگل جاتی ہے یا وہ آسمان پر چڑھ جاتے ہیں...؟

اس اجلاس میں طے کیا گیا کہ حکومت سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ قیامِ پاکستان سے لے کر شہیدِ اسلام حضرتِ اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ تک شہید کئے جانے والے تمام علمائے کرام کے قاتلوں اور ان کے پسِ پردہ محرکات اور سازش کو بے نقاب کرے، بصورتِ دیگر ہم راست اقدام کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔

اسی طرح اجلاس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے قاتلوں کی گرفتاری کے لئے حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے وہ تمام راستے اختیار کئے جائیں جن کی شریعت اجازت دیتی ہے، اور ان تمام اُمور سے احتراز کیا جائے جو علمائے کرام کے وقار اور احترام کے خلاف ہوں یا ان سے مسلمانوں کی جان و مال اور قومی املاک کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، چونکہ یہ ملک ہمارا ہے اور ہمارے اکابر نے قربانیوں اور محنتوں سے اسے حاصل کیا ہے، اس لئے ہم نہیں چاہتے کہ اسے کسی بھی قسم کا کوئی نقصان پہنچے۔

اجلاس میں اس سہ رُکنی تفتیشی کمیٹی کی توثیق کی گئی جو حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا مفتی محمد جمیل خان اور جناب حافظ عبدالقیوم نعمانی پر مشتمل ہے، اور طے کیا گیا کہ یہ کمیٹی حکام کو علمائے کرام کے احساسات و جذبات سے آگاہ کرے گی اور ان پر دباؤ ڈالے گی۔

اجلاس میں ملک بھر کے اکابر علماء کی ایک نمائندہ بھاری بھرکم کمیٹی تشکیل دی گئی، جو آئندہ ایسے تمام معاملات کو نمٹائے گی اور علمائے دیوبند کی تمام جماعتوں اور ان کے راہ نماؤں کے درمیان رابطے کا کام کرے گی، اور آئندہ کے لائحہ عمل کے لئے

وقفے وقفے سے مختلف شہروں میں اجلاس منعقد کرکے رائے عامہ ہموار کرے گی اور علمائے کرام کے تحفظ کے لئے لائحہ عمل وضع کرے گی۔

اجلاس میں طے کیا گیا کہ امریکہ، ہندوستان اور مغرب کی جانب سے علمائے کرام کے خلاف سازشوں کو بے نقاب کرکے ان کی نمائندہ تنظیموں اور این جی اوز کی اسلام دُشمن سرگرمیوں کے خلاف مزاحمت کی حکمتِ عملی طے کی جائے گی۔

طے کیا گیا کہ اس نمائندہ کمیٹی کے رابطہ سیکریٹری جناب مولانا مفتی محمد جمیل خان ہوں گے، جبکہ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری، مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، مولانا اعظم طارق، مولانا قاضی عبداللطیف، مولانا قاری سعیدالرحمٰن، مولانا عطاء المہیمن، مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، حافظ عبدالقیوم نعمانی، مولانا قاضی عصمت اللہ، مولانا ضیاء القاسمی، مولانا زرولی خان، مولانا محمد عبداللہ بکھر، مولانا منظور احمد چنیوٹی، مولانا بشیر احمد شاد، مولانا محمد اسفندیار خان، مولانا سلیم اللہ خان، مولانا عبدالمجید کہروڑپکا، حافظ حسین احمد، مولانا محمد اسعد تھانوی، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا عبدالغفور ندیم، مولانا محمد یوسف کشمیری پلندری، مولانا قاضی نثار احمد، مولانا فضل رحیم، مولانا تنویرالحق تھانوی، اس کمیٹی کے ارکان ہوں گے۔

اجلاس میں طے کیا گیا کہ اس کمیٹی کا پہلا اجلاس ۱۷-۱۸/جولائی ۲۰۰۰ء کو جامعہ علومِ اسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ہوگا، اور اس وقت تک کی صورتِ حال کا جائزہ لے کر آئندہ کا لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔ ملک بھر کے علمائے کرام، سیاسی، مذہبی جماعتوں کے ذمہ داران، اور دِینی مدارس کے اکابر، خصوصاً جمعیت اہلِ سنت والجماعت کے عہدیداران اور جامعہ محمدیہ ایف سکس فور، چائنا چوک اسلام آباد، کے مدیر جناب مولانا ظہور علوی، مولانا نذیر احمد فاروقی اور جناب مولانا قاضی عبدالرشید صاحب قابلِ صد تبریک ہیں کہ انہوں نے اس اجلاس کو کامیاب بنایا، جبکہ مؤخر الذکر حضرات نے نہایت سلیقے سے شرکائے اجلاس کی میزبانی فرمائی، اور علمائے

حق کو اس سلسلے میں ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنے اور ان میں تحریک پیدا کرنے کا اعزاز حاصل کیا، اسی طرح وہ تمام حضرات بھی جنھوں نے اس اجلاس کی کامیابی میں کسی بھی طرح کی سعی وکوشش فرمائی ہے، شکریہ کے مستحق ہیں۔

اس اجلاس کو کامیاب بنانے میں یوں تو مسلک کے تمام اکابر علماء کی مساعی قابلِ قدر ہیں، خصوصاً مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق اور مولانا محمد اعظم طارق نے جس خلوص و اِخلاص، ایثار وقربانی، اتحاد و یگانگت، فکری ہم آہنگی اور اپنے مشترکہ دُشمن کے معاملے میں مسلکی یکجہتی کا مظاہرہ کیا، وہ قابلِ صد تبریک ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا عزیزالرحمٰن جالندھری، مولانا مفتی محمد جمیل خان اور مولانا حافظ عبدالقیوم نعمانی کی اَن تھک کوششیں قابلِ صد تحسین ہیں۔

آخر میں ہم اَربابِ حکومت کی خدمت میں گزارش کرنا چاہیں گے کہ وہ علمائے کرام کو کسی انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور نہ کریں، بلکہ اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اس قسم کے واقعات کا حقیقی اور واقعاتی انداز میں سدِ باب کریں، اور ان پاکستان اور اسلام دُشمن مہروں کی گرفتاری اور سزا کو یقینی بنائیں، اور ملکی ایجنسیوں کو متنبہ کریں کہ وہ تفتیش کا رُخ موڑنے کی بجائے اصل مجرموں تک پہنچنے کی کوشش کریں، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان ''اَبابیلوں'' کے اجتماع کے ہاتھوں ان کی ابرہی قوت وحشمت پیوندِ خاک ہوجائے۔

اجلاس میں متفقہ طور پر درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

۱:... علمائے کرام کا یہ نمائندہ اجتماع حکومتِ پاکستان سے مطالبہ کرتا ہے کہ شہیدِ ختمِ نبوّت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ نائب امیر عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت، اُستاذِ حدیث جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، کے سانحۂ شہادت پر غم و غصّے کا اظہار کرتے ہوئے یہ کہنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا کہ اس سانحے سے پورے عالمِ اسلام میں پاکستان کا وقار مجروح ہوا ہے، اور یہ بات عام طور پر کہی جانے لگی ہے کہ

حکومتِ پاکستان دِینی راہ نماؤں اور علمائے کرام کے تحفظ میں ناکام ہوگئی ہے اور غیرمحسوس طور پر دِینی راہ نماؤں کے مسلسل قتل کی مذموم کاروائیوں کی حوصلہ افزائی ہو رہی ہے۔

۲:... یہ اجتماع اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اس سے قبل دہشت گردی کا شکار ہونے والے اکابر علمائے کرام اور شہداء کے قاتلوں کی گرفتاری میں سرکاری سطح پر سنجیدگی کا اظہار کیا گیا ہوتا تو اس شرمناک تسلسل کی روک تھام ہوسکتی تھی، لیکن اس سلسلے میں حکومتی اداروں کی مجرمانہ غفلت کے تساہل کے باعث اہلِ علم کے قتل کا سلسلہ جاری ہے اور حکومت خود کو اس ذمہ داری سے کسی صورت بَری قرار نہیں دے سکتی۔

۳:... یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ اور ان سے قبل شہید ہونے والے سرکردہ علمائے کرام کے قتل کے اسباب وعوامل کی نشاندہی کے لئے سپریم کورٹ کے جج کی سربراہی میں عدالتی کمیشن قائم کیا جائے اور اس کی رپورٹ کی روشنی میں قاتلوں کی گرفتاری اور قتل کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں، ورنہ عوام یہ سمجھنے پر مجبور ہوگی کہ دِینی راہ نماؤں کے وحشیانہ قتلِ عام کی اس منظّم سازش کو خود حکومتی اداروں کی سرپرستی حاصل ہے۔

۴:... یہ اجتماع چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف سے مطالبہ کرتا ہے کہ ملک کے تمام دِینی حلقوں کے متفقہ مطالبے کو منظور کرتے ہوئے دستورِ پاکستان کی اسلامی دفعات بالخصوص قراردادِ مقاصد، تحفظِ ختمِ نبوّت کی دفعات اور تحفظ ناموسِ رسالتؐ کی دفعات کو عبوری آئین میں باقاعدہ طور پر شامل کیا جائے اور ملک کی اسلامی نظریاتی حیثیت کے تحفظ کا دستوری اعلان کرکے ملک کے دِینی حلقوں اور عوام کو مطمئن کیا جائے۔

۵:... یہ اجتماع حکومتی اداروں اور پالیسیوں میں غیرملکی سرمایہ پر چلنے والی

این جی اوز کے بڑھتے ہوئے اثر ونفوذ پر گہری تشویش واضطراب کا اظہار کرتا ہے اور اس رائے کا اظہار ضروری سمجھتا ہے کہ اس طرح ملک کے تمام محکموں اور اداروں کو رفتہ رفتہ بین الاقوامی اداروں کے کنٹرول میں دیا جارہا ہے، جس سے پاکستان کی خودمختاری اور قومی آزادی خطرے میں پڑگئی ہے۔ یہ اجتماع جنرل پرویز مشرف سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ حکومتی اداروں کو این جی اوز کے حصار اور تسلط سے نجات دِلاکر قومی آزادی اور خودمختاری کے تحفظ کا اہتمام کریں۔

۶:... یہ اجتماع ملک بھر میں کیبل نیٹ ورک اور مختلف ٹی وی چینلز کے ذریعہ فحاشی اور بے حیائی کے مسلسل فروغ کو پاکستان کی اسلامی حیثیت اور قومی ثقافت کے خلاف ایک خوفناک سازش سمجھتا ہے اور اس سلسلے میں پشاور کے علمائے کرام کے پُرجوش احتجاج کا خیرمقدم کرتے ہوئے اس کی مکمل حمایت کرتا ہے، اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مغربی اور بھارتی ثقافت کے فروغ اور بے حیائی اور فحاشی کی ترویج کی اس شرمناک مہم کا نوٹس لیا جائے اور اس کی روک تھام کے لئے مؤثر اقدامات کئے جائیں۔ نیز یہ اجتماع جھنگ میں کیبل نیٹ ورک کے خاتمے کے سلسلے میں مولانا محمد اعظم طارق کی کوشش کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہے اور دُوسرے شہروں کے علمائے کرام سے بھی اس کی پیروی کرنے کی اپیل کرتا ہے۔

۷:... یہ اجتماع اس پر تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ دستورِ پاکستان کے معطل ہونے کے اعلان کے بعد سے ملک بھر میں قادیانیوں کی سرگرمیوں میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، اور مختلف محکموں مثلاً واپڈا، پی آئی اے اور دیگر قومی اداروں میں قادیانی افسران اور ملازمین کی شرانگیزیاں بڑھ گئی ہیں، اور مسلمان ملازمین کو تنگ کیا جارہا ہے، جس کی تازہ مثال یہ ہے کہ چناب نگر میں بجلی میٹروں کی چیکنگ کے دوران سرکردہ قادیانیوں بالخصوص ڈوگر فیملی کے افراد کی بجلی چوری پکڑی گئی، مگر ان کے خلاف کوئی مقدمہ درج کرنے کی بجائے انکوائری کرنے والے ملازمین کو انتقامی کاروائی کا

نشانہ بنایا جارہا ہے، جس کی پشت پناہی قادیانی لیفٹیننٹ کرنل ایاز محمود کر رہا ہے۔

۸:... یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ مختلف محکموں میں قادیانی افسران کی اس قسم کی سرگرمیوں کا نوٹس لیا جائے اور ان کی شرانگیز کاروائیوں کی روک تھام کرکے مسلمانوں کو مطمئن کیا جائے۔

۹:... یہ اجتماع ملک کے موجودہ پریشان کن حالات اور ہر طرف مچی ہوئی افراتفری کا سب سے بڑا سبب موجودہ فرسودہ نوآبادیاتی نظام کو سمجھتا ہے، جو فرنگی حکمرانوں نے ہم پر مسلط کیا تھا، اور ہم آزادی کے اعلان کے بعد بھی نصف صدی سے اسے بدستور قائم رکھے ہوئے ہیں اور اس ملعون نظام نے ہماری قومی زندگی کو خوفناک خلفشار سے دوچار کردیا ہے، اور اس دَلدل سے نکلنے کی کوئی سبیل نظر نہیں آرہی، اس لئے یہ اجتماع حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس پورے نظام سے ملک کو نجات دِلاکر ملک میں اسلام کے عادلانہ نظام کا مکمل نفاذ عمل میں لایا جائے کیونکہ اس کے بغیر ملک کے حالات کی اصلاح کا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہا۔

۱۰:... یہ اجتماع دِینی مدارس کے نظام میں مداخلت کے سلسلے میں حکومت کے ذمہ دار حضرات کے متضاد بیانات کو تشویش کی نظر سے دیکھتا ہے، اور مدارس کے سروے کے لئے فارموں کی تقسیم کو حکومتی اعلان کے منافی قرار دیتے ہوئے اعلان کرتا ہے کہ دِینی مدارس کے آزادانہ نظام اور خودمختاری کے خلاف کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی، اس لئے حکومت اس سلسلے میں واضح اعلان کرکے ملک کے عوام اور دِینی حلقوں کو مطمئن کرے۔ نیز یہ اجتماع اعلان کرتا ہے کہ دِینی مدارس کے نصاب یا نظام میں کسی قسم کی مداخلت برداشت نہیں کی جائے گی۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۱ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۰ء)

دہشت گردی کی تازہ لہر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۲؍ذوالقعدہ ۱۴۲۱ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۲۰۰۱ء بروز اتوار صبح پونے آٹھ بجے کراچی کی مشہور دِینی درس گاہ جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی کے اساتذہ کی وین پر جامعہ کے قریب ناتھاخان گوٹھ سے پہلے دوموریہ ریلوے پل پر پہلے سے گھات لگائے دہشت گردوں نے چاروں طرف سے گھیر کر فائرنگ کی، اور مدرسہ کے جید اساتذہٴ کرام، شیخ الحدیث حضرت مولانا عنایت اللہ، اُستاذِ حدیث حضرت مولانا سیّد حمیدالرحمٰن، رفیق دار الافتاء حضرت مولانا مفتی محمد اقبال، مفتی محمد اقبال کے صاحبزادے طالب علم محمد طلحہ اقبال اور ڈرائیور عبدالحمید کو بے دردی سے شہید کردیا، جبکہ مفتی عبدالستار، مفتی محمد اقبال شہیدؒ کے دُوسرے صاحبزادے یاسر اقبال اور سیکورٹی گارڈ محمد رمضان کو شدید زخمی کردیا۔ دہشت گرد اس سفاکانہ کاروائی کے بعد نہایت اطمینان سے فائرنگ کرتے ہوئے فرار ہوگئے۔ عینی شاہدین کے مطابق دہشت گرد پہلے سے پوزیشن سنبھال کر بیٹھے تھے، کسی خوف وخطر کے بغیر انہوں نے یہ کاروائی مکمل کی اور موقع سے فرار ہوگئے۔ دہشت گردی کی اس دِل آزار ظالمانہ اور بہیمانہ کاروائی کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصے سے ایسی کاروائیاں تقریباً روزمرّہ کا معمول بن گئی

ہیں، اور آئے دن پیشہ ور دہشت گرد، علمائے کرام کے پاک خون سے ہاتھ رنگین کرتے ہیں، ان کی جانوں سے کھیلتے ہیں اور اپنی کمین گاہوں میں چھپ جاتے ہیں۔ حکومتی ایجنسیاں اور انتظامیہ اس وقت پہنچتی ہیں جب یہ سارا کھیل مکمل ہوجاتا ہے۔ اگر مسلمان، انتظامیہ کی غفلت، لاپروائی، سرد مہری اور دہشت گردی کی ان ظالمانہ کاروائیوں کے خلاف کسی قسم کے احتجاج اور غم و غصّے کا اظہار کریں یا ان میں فطری اشتعال پھیلے تو دہشت گردوں کے بجائے اُلٹا ان معصوموں کی گرفتاریاں شروع ہوجاتی ہیں، جس سے حالات کا رُخ یکسر بدل جاتا ہے، اور تجربہ ہے کہ ایسے موقع پر حکومت جان بوجھ کر اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ ایسی کاروائیاں کرواتی ہے جس سے ان واقعات کی اہمیت کو کم کیا جاسکے۔

چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ ایک طرف دہشت گردی کا اتنا بڑا واقعہ ہوا، اور دُوسری طرف جامعہ فاروقیہ، اس کے طلبہ اور عوام پر بلاجواز ایک مذہبی عبادت گاہ سے فائرنگ کرائی گئی، مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچایا گیا، گاڑیاں جلائی گئیں اور پورے علاقے کو ہنگاموں کی نذر کردیا گیا، حتیٰ کہ جامعہ کے زندگی بھر کے وفادار رفقاء اور مخلص اساتذہ کا ان کی مادرِ علمی میں جنازہ پڑھنا دوبھر کردیا گیا۔

جامعہ فاروقیہ کے خلاف دہشت گردی اور جید علمائے کرام کی شہادت کا یہ واقعہ اپنی نوعیت کا پہلا واقعہ نہیں، بلکہ اس سے قبل حضرت مولانا عبداللہ اسلام آباد، مولانا عبیداللہ چترال، مولانا مفتی محمد مجاہد فیصل آباد، حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی عبدالسمیع، ڈرائیور عبدالحمید، مولانا انیس الرحمٰن درخواستی اور حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور ان کے ڈرائیور عبدالرحمٰن رحمہم اللہ تعالیٰ جیسے معصوموں اور اکابرین علمائے دیوبند کو ٹھیک اسی انداز سے نہایت بے دردی سے شہید کیا گیا، مگر ان میں سے کسی کے قاتل گرفتار نہیں ہوئے، اگر بالفرض کوئی قاتل گرفتار ہوا بھی تو وہ عدلیہ اور انتظامیہ کی ''شفقت'' سے صاف بچ کر نکل گیا۔

ایسے واقعات کے بعد حکومت اور اس کی ایجنسیاں اپنے آپ کو بے قصور ثابت کرنے کے لئے اخبارات و جرائد کے ذریعہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہیں کہ یہ فرقہ واریت کا شاخسانہ ہے، کبھی کہا جاتا ہے کہ یہ مذہبی جنونیوں کی کاروائی ہے، کبھی اسے دہشت گردوں اور ملک دُشمنوں کے کھاتے میں ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، اور کبھی اس کو ملکی امن و امان خراب کرنے والی بیرونی ایجنسیوں کی کاروائی کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن اگر حالات و واقعات کا بغور جائزہ لیا جائے تو یہ سب کچھ ایجنسیوں اور حکومت کا فریب، دھوکا، حقائق کو چھپانے کا بھونڈا انداز اور بیوروکریسی کی مکروہ چال ہے، اس لئے کہ اگر یہ سب صحیح اور دُرست مان لیا جائے تو سوال یہ ہے کہ کیا حکومت اور اس کی دسیوں ایجنسیاں دہشت گردوں کے مقابلے میں اس قدر بے بس ہیں کہ دہشت گرد جب اور جس کو چاہیں دن دہاڑے دہشت گردی کا نشانہ بنائیں اور صاف بچ کر نکل جائیں؟ اگر ایسا ہے تو عوام یہ پوچھنے کا حق رکھتی ہے کہ ملکی بجٹ کا بیشتر حصہ جن ایجنسیوں پر صَرف ہوتا ہے وہ کیا کرتی رہتی ہیں؟ بہرحال یہ بات ہماری سمجھ سے بالاتر ہے کہ انتظامیہ کی ناک کے نیچے یہ سب کچھ ہوتا رہے اور قاتل و دہشت گرد اپنی کاروائی مکمل کرکے موقع سے بچ کر نکل جائیں۔

اگر کسی قدر غور و فکر اور تدبر و تأمل سے کام لیا جائے تو صاف اور واضح طور پر نظر آتا ہے کہ یہ سارا کھیل نیو ورلڈ آرڈر کی تکمیل کے لئے کھیلا جارہا ہے اور پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کے انتظامات ہو رہے ہیں، چونکہ فرعون امریکہ اور اس کے اتحادی جانتے ہیں کہ پاکستان اسلام کا قلعہ ہے اور یہاں کے مسلمان، علمائے کرام اور دِینی مدارس دُنیا بھر کے مسلمانوں کو افرادی اور اخلاقی امداد مہیا کرتے ہیں، جب تک ان کا صفایا نہ کردیا جائے اس وقت تک ان کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے انہوں نے اپنے گماشتوں کے ذریعہ یہ حکمتِ عملی اپنائی ہے کہ نہایت رازداری اور

منصوبہ بندی سے علماء کو راستے سے ہٹایا جائے، اور دُوسری جانب اسلام دُشمن افراد اور قوّتوں کی سرپرستی کرکے دینی قوّتوں کی کمر توڑ دی جائے۔

چنانچہ بیک وقت پاکستان میں علماء کشی، مفلوک الحال اسلامی ریاست افغانستان پر اقتصادی پابندیوں کا نفاذ، اور افغان عوام کی نسل کشی، مجاہد تنظیموں پر پابندی، دِینی مدارس کے خلاف آپریشن، ان کو بدنام کرنے کی غرض سے ان کے خلاف طرح طرح کے الزامات اور علماء کو نہتا کرنے کے اَحکامات و بیانات کی کڑیوں کو ملاکر دیکھا جائے تو اسلام دُشمنوں کے ارادوں اور عزائم کی تصویر کا صحیح رُخ بالکل نمایاں ہوکر سامنے آجاتا ہے۔

ان حالات و واقعات کا جائزہ لے کر مسلمانانِ پاکستان اور خصوصاً علمائے کرام کی ذمہ داری دوہری ہوجاتی ہے کہ وہ سر جوڑ کر بیٹھیں، اپنے دُشمن کو پہچانیں اور مضبوط حکمتِ عملی طے کرکے کفر کے اس سیلاب کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کریں، اب وقت آگیا ہے کہ عصبی، گروہی اور فروعی اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے دُشمن کے سامنے سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر اس کے عزائم کو خاک میں ملادیں۔

اگر خدانخواستہ اس نازک موڑ پر بھی تدبر و تفکر سے کام نہ لیا گیا تو دُشمن ایک ایک کرکے سب کو ختم کرنے کے اپنے ناپاک منصوبے میں کامیاب ہوجائے گا، اور ہم قوم و ملک اور اللہ کے مجرم قرار پائیں گے، **ولا فعل اللہ ذٰلک!**

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالحجہ ۱۴۲۱ھ مطابق مارچ ۲۰۰۱ء)

پنجاب پولیس کا سیاہ کارنامہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

۲۳؍مارچ کی رات ایک بجے لاہور پولیس اور انتظامیہ نے یہ سیاہ کارنامہ انجام دیا کہ تحریکِ پاکستان کے عظیم کارکن، عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے نائب امیر، قطب الاقطاب حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفۂ اَرشد اور ممتاز رُوحانی پیشوا حضرت سیّد نفیس شاہ الحسینی زیدہ مجدہٗ کی عدم موجودگی میں ان کے گھر میں گھس کر چادر و چار دیواری کا تقدس پامال کیا، ان کے اکلوتے اور مریض صاحبزادے ممتاز خطاط جناب سیّد انیس الحسن زیدی کو گھر سے باہر نکال کر چار گھنٹے تک مجرموں کی طرح کھڑا کئے رکھا، اور گھر کی ایک ایک چیز کو اتھل پتھل کرکے تلاشی لی، جب رات گئے حضرت نفیس شاہ صاحب زید مجدہٗ اپنے معزّز مہمان اور حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ کے نواسے کے ہمراہ ایک جلسے سے خطاب فرماکر گھر واپس تشریف لائے تو ان کے ہمراہ آنے والے تمام خدام کو ہتھکڑی لگاکر لے جایا گیا، حضرت شاہ صاحب اور معزّز مہمان اس دِل دوز منظر کو دیکھ کر ہکا بکا اور اُنگشت بدنداں رہ گئے، اور یہ سوچنے پر مجبور ہوگئے کہ شاید حکومت اور پولیس کو ملک میں اس اَسّی سالہ بزرگ کے علاوہ دُوسرا کوئی مجرم نظر نہیں آتا؟ کیا پاکستان اسی لئے بنایا گیا تھا کہ یہاں بزرگوں کی توہین کی جائے گی؟ ان کی پگڑیاں اُچھالی جائیں گی...؟

پاکستان میں آئے دن علماء قتل ہوتے ہیں، مذہبی راہ نماؤں کو نشانہ بنایا جاتا ہے اور دہشت و بربریت کا ننگا ناچ ہوتا ہے، یہ سب کچھ پولیس اور انتظامیہ کی ناک کے نیچے ہوتا ہے، مگر آج تک کوئی مجرم گرفتار نہیں ہوا، کسی مجرم کے گھر کا محاصرہ نہیں ہوا، لیکن ایک خدارسیدہ بزرگ اور صوفی منش انسان کے گھر کا محاصرہ، گھر میں کودنا اور ان کی اس طرح ہتک وتوہین اور بے اکرامی اور وہ بھی عین اس وقت جب ان کے پاس ہندوستان کے ایک بزرگ تشریف فرما ہوں، کس چیز کی غمازی کرتا ہے؟ کیا ہماری پولیس کا یہی کام رہ گیا ہے؟ حکومت، فوج اور پولیس کا کام بزرگوں اور شرفاء کی جان و مال اور عزّت وعظمت کا تحفظ ہوتا ہے یا ان کی توہین و ہتک...؟ پھر جبکہ چند گھنٹوں کے اس ڈرامے کے بعد خود پولیس اور انتظامیہ معذرت خواہانہ انداز میں ان سب ''مجرموں'' کو بے قصور تصوّر کرتے ہوئے چھوڑ بھی دیتی ہے، کیا یہ اس بات کی علامت نہیں کہ یہ ایک سوچی سمجھی سازش تھی، جس سے مسلمانوں کو مجبور کیا جارہا ہے کہ وہ حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوں۔

اربابِ حکومت ہوش کے ناخن لیں اور ایسے بدقماش افسران کے خلاف تأدیبی کاروائی کریں اور ان تمام بدباطنوں کو کیفرِ کردار تک پہنچائیں، یہ لوگ محبِّ وطن نہیں، بلکہ ملک دُشمن ہیں، اگر اس سانحے میں ملوّث مجرم پولیس افسران کے خلاف کاروائی نہ کی گئی تو اس کے نتائج ملک وقوم کے حق میں نہایت سنگین ہوں گے۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی محرم ۱۴۲۲ھ مطابق اپریل ۲۰۰۱ء)

خطرناک سازش

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۸؍مئی ۲۰۰۱ء بروز جمعہ ایک بجے کراچی میں بریلوی مکتبِ فکر کی سنی تحریک کے سربراہ جناب سلیم قادری صاحب کو دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہوئے دن دہاڑے قتل کردیا گیا، اس قتل و غارت گری کی جتنا بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ کچھ عرصے سے پاکستان میں اس قسم کی دہشت گردی روزمرّہ کا معمول بن گئی ہے، اور آئے دن کسی نہ کسی مکتبِ فکر کے عالم یا مقتدر راہ نما کو نشانہ بناکر راستے سے ہٹادیا جاتا ہے، اور قوم و ملک کو ہیجان میں مبتلا کرکے ان کے اعصاب کو شل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دو سال قبل انہیں تاریخوں میں ملک کی نام وَر شخصیت حکیم محمد سعید کو اور گزشتہ سال محسنِ ملت اور پاسبان ناموسِ رسالت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کو شہید کیا گیا، اور اَب جناب سلیم قادری صاحب کو نشانہ بنایا گیا۔

اب تک ہوتا یہ آیا ہے کہ ایسے واقعات کے بعد حکومت و انتظامیہ چند دنوں تک روایتی بیانات اور سرگرمیوں کا مظاہرہ کرتی ہے، اور کسی نہ کسی حکومت مخالف جماعت اور مذہبی دھڑے کو اس میں زبردستی ملوّث کرنے کی کوشش کرتی ہے، اور یہ باور کرانے کی سعی کی جاتی ہے کہ یہ مذہبی دہشت گردی ہے۔ لیکن چند دنوں کے بعد جب اس ڈرامے کی حقیقت کھل جاتی ہے تو حسبِ معمول طویل خاموشی اختیار کرلی

جاتی ہے۔ کچھ یہی معاملہ اس بار بھی ہوا کہ جناب سلیم قادری کے قتل کے بعد بڑے زور شور سے یہ راگ اَلاپا گیا کہ اس قتل میں فلاں فلاں جماعتیں ملوّث ہیں، لیکن اس واقعے کو آج بیس دن سے زیادہ ہوچکے ہیں، مگر حکومت اور انتظامیہ اپنے دعوے کو دلائل سے ثابت کرنے میں ناکام رہی ہے۔

دراصل حکومت اس حکمتِ عملی سے مسلمانوں اور خصوصاً مذہبی حلقوں کو آپس میں لڑانا چاہتی ہے، اور ان کو دست و گریباں کرکے پاکستان پر سے مذہبی قوّتوں کی گرفت کو کمزور کرنا چاہتی ہے، اور مذہبی قوّتوں کے اس انتشار سے فائدہ اُٹھاکر ملک کو سیکولرازم کے گہرے غار میں دھکیلنا چاہتی ہے۔

لادِین قوّتیں اور دِین بیزار عناصر اس ملک کو پھلتا پھولتا دیکھنا نہیں چاہتے، ان کو اندیشہ ہے کہ اگر یہاں مذہبی قوّتوں کو نہ کچلا گیا، اور عوام کو ان سے بدظن نہ کیا گیا تو عین ممکن ہے کہ یہاں نفاذِ اسلام کا مطالبہ زور پکڑلے، اور ہمیں یہاں سے بوریا بستر سمیٹنا پڑے۔ اس لئے ان کی حکمتِ عملی یہ رہی ہے کہ: ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' یعنی عوام کو سرپھٹول سے فرصت ہوگی اور نہ وہ صحیح سمت قدم اُٹھانے کی کوشش کریں گے۔ اس لئے اس بات کی ضرورت ہے کہ عوام، مذہبی حلقے اور علمائے کرام اس خطرناک سازش کا ادراک کریں، اپنے دُشمن کو پہچانیں، مستقبل میں پیش آنے والے بھیانک حالات کا سدِ باب کریں، آپس کی سرپھٹول سے اجتناب کریں اور ملک و ملت کے دُشمنوں کے عزائم کی تکمیل سے گریز کریں، کیونکہ جو لوگ حکیم محمد سعید، حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے قاتل ہیں، وہی جناب محمد سلیم قادری کے قاتل ہیں۔

ان لابیوں کی غالباً یہ کوشش تھی کہ ملک کی دو بڑی مذہبی جماعتوں کو آپس میں دست و گریباں کرکے خاموش تماشائی کا کردار ادا کریں، لیکن اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ان ہر دو طبقات کے اہلِ فہم و خرد حضرات کو جنھوں نے اس گھناؤنے کھیل

اور گہری سازش کو بروقت ناکام بنا کر دِین دُشمنوں کے عزائم کو خاک میں ملا دیا ہے۔

ہمارے خیال میں ملک کی تمام مقتدر مذہبی جماعتیں سر جوڑ کر بیٹھیں اور اس خطرناک صورتِ حال کا جائزہ لیں اور طے کریں کہ ہم آئندہ کسی مرحلے میں ایک دُوسرے کو موردِ الزام ٹھہرانے کے بجائے اپنے مشترکہ دُشمن کا تعاقب کریں گے۔

اگر ضرورت ہو تو اس کے لئے چند معاملہ فہم، متحمل مزاج، اہلِ علم کی ایک مشترکہ کمیٹی بنائی جائے جو آپس کی اس قسم کی غلط فہمیوں کا تدارک کیا کرے، اور ما بہ النزاع معاملات میں اس کمیٹی کا فیصلہ آخری فیصلہ قرار دیا جائے، اور اس کمیٹی کے ارکان اپنے اپنے گروہ کے جذباتی کارکنوں کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں، اور انہیں باور کرائیں کہ ہماری جذباتیت سے معاملہ بننے کے بجائے بگڑنے کا زیادہ اندیشہ ہے، اور اس سے مذہب و مسلک کی خدمت تو کیا ہوگی، اس کا سارا فائدہ اسلام دُشمنوں کو ہوگا۔ اُمید ہے کہ اس تھوڑی سی محنت و کوشش سے حالات کا دھارا یکسر بدل جائے گا۔

مدارسِ عربیہ، دِینی جماعتوں اور علماء کے بارے میں ہند و پاک کی حکومتوں، لادِین اور اسلام دُشمن عناصر اور ملکی میڈیا کا تھوڑے بہت فرق کے ساتھ تقریباً انداز و مزاج ملتا جلتا ہے، موجودہ حالات کی مناسبت سے جناب مولانا محمد یحییٰ نعمانی (مدیر ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ) نے ہندوستانی مسلمانوں کو جن خطوط پر چلنے، اور انہیں جس حزم و احتیاط اور صبر و تحمل کی طرف متوجہ کیا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ اسے بطور تتمہ یہاں نقل کردیا جائے:

''اس میں کسی شک و شبہے کی گنجائش نہیں ہے کہ بی جے پی کے زیر قیادت حکومت اور یوپی اور دیگر ریاستوں کی وہ حکومتیں جن میں بی جے پی کی شرکت ہے، دِینی مراکز و مدارس اور دِینی تحریکوں کو انتہائی مشکوک نظر سے دیکھتی ہیں۔ اور یہ بات

بھی ہمارے لئے واضح ہے کہ اس سلسلے میں بی جے پی اور شدّت پسند ہندو تنظیمیں عمداً و دانستہ مسلمانوں اور ان کے دِین دار طبقے کی تصویر مسخ کرنے کے لئے طرح طرح کے ہتھکنڈے اپنا رہی ہیں۔ حکومتوں کا اثر انتظامیہ اور پولیس پر جتنا گہرا ہونا چاہئے، مختلف اسباب کی وجہ سے بی جے پی کی حکومتوں کا اس سے کافی زیادہ ہوتا ہے۔ ان اسباب میں سے ایک اور سب سے اہم سبب یہ ہے کہ ملکی ذرائع ابلاغ اور تعلیمی ڈھانچے پر مسلم دُشمن طبقے کے غلبے نے پڑھے لکھے غیر مسلموں کے ایک بڑے حصے کو مسلمانوں اور ان کی مذہبی تحریکوں سے آخری حد تک خوف زدہ کردیا ہے۔ انہوں نے مسلمانوں پر تشدّد اور عدم تحمل بلکہ مذہبی دہشت گردی کا الزام اتنا دہرایا اور مختلف رُونما ہونے والے واقعات کی تفسیر (Interpretation) مسلمانوں کی مذہبی شدّت سے اتنی کی کہ ایک عام تأثر یہ بن گیا ہے اور بنایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کی مذہبی تحریکوں سے ہندوستان کی عام آبادی کو خطرہ ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ یہی تعلیم یافتہ طبقہ اور اسی میڈیا کا ذہنی طور پر تربیت یافتہ طبقہ پولیس میں آتا ہے، یہی انتظامیہ کے اہم عہدوں کو سنبھالتا ہے، اور عدلیہ کے مناصب بھی اسی کے ہاتھ میں آتے ہیں۔

اس ماحول میں اور اس صورتِ حال کے زیر اثر ہماری دِینی تحریکوں اور مراکز پر جتنی بھی شک کی نگاہیں پڑتی ہیں وہ غیر متوقع قطعاً نہیں ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ عناصر چاہتے ہیں کہ ہمارے ان مراکز سے کچھ بے احتیاطیاں سرزد ہوں تاکہ ان کو اپنے مقاصد پورا کرنے کا موقع ملے۔ اس لئے انتہائی سخت ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک طرف تو سنجیدہ لائحہ عمل اختیار کرکے حکومت اور انتظامیہ کو من گھڑت افسانے گھڑنے سے روکا جائے، اور اس سلسلے میں جو کچھ بھی کیا جاسکتا ہو اس سے دریغ نہ کیا جائے۔ اس وقت ایک بڑی کمی یہ نظر آرہی ہے کہ اس ضرورت کے عام احساس کے باوجود اس سلسلے میں کوئی متحد و منظّم کام نہیں ہو پارہا ہے۔

دُوسری طرف اس کی بھی انتہائی شدید ضرورت ہے کہ خود ہماری دِینی تحریکیں اور مراکز و مدارس زبردست احتیاط برتیں، اور خیال رکھیں کہ ان کے ذمہ

داروں، ارکان و ملازمین اور ان سے مربوط کسی بھی شخص سے کوئی قابلِ اعتراض کام منسوب نہ کیا جاسکے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض عناصر ہمارے دِینی رُجحان رکھنے والے نوجوانوں کو استعمال کرنا چاہتے ہیں، اس لئے بڑوں کو شدید نگرانی رکھنے کی ضرورت ہے کہ کہیں نادانی میں ہمارے ناتجربہ کار اور نتائج سے ناواقف لوگ کسی ایسے ہی عنصر کے دام میں نہ آجائیں۔ ہمارے مدارس اور دِینی اداروں کا آمد وخرچ کا حساب بھی واضح، صاف اور درجِ رجسٹر ہونا چاہئے، اور ہر طرح سے اس کو قانون کے مطابق رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے، داخلے اور مدرسے کے مہمانوں کے سلسلے میں بھی بدلتے حالات کے پیشِ نظر خوب احتیاط کی جانی چاہئے۔

اس سلسلے میں ایک اہم دِینی مسئلہ یہ ہے کہ اُمت کی اجتماعی پالیسی کے مطابق عمل کرنا ہر فرد اور ہر ادارے کا فرض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلے میں اتنی واضح ہدایات دی ہیں کہ اس امر میں کسی شبہے کی گنجائش نہیں رہتی کہ کسی فرد یا چند افراد کو اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی ماحول میں یا کسی صورتِ حال کے تناظر میں اُمت کا طرزِ عمل طے کرنے لگیں یا خود کوئی اپنے لئے راہِ عمل چن لے۔

اللہ کا غیر معمولی فضل ہے کہ ہندوستانی مسلمان مکمل طور پر ایسے عقل و ہوش رکھنے والے اہلِ علم و دِین سے محروم نہیں ہوئے ہیں جو ہر طرح کے حال میں اُمت کی پالیسی متعین کرنے کے سلسلے میں ان کو دِینی راہ نمائی دے سکیں۔ یہ ضرور ہے کہ ہماری کوئی متحدہ امارت کی شکل نہیں بن پائی ہے ...کاش! یہ دِینی فریضہ بھی ہم ادا کرسکیں... مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر علاقے اور ہر مزاج کے علماء اور متوازن نظر رکھنے والے مسلم راہ نماؤں کا پورا سوچا سمجھا فیصلہ ہے کہ موجودہ حالات اور امکانات کے اندر مسلمانوں کو ہر قسم کے اشتعال انگیز کاموں سے زبردست پرہیز کرنا چاہئے، ہر وہ طریقۂ کار جو ملک کے ماحول کو مشتعل بنادے، یا جس سے ہمارے بدخواہوں کو موقع ملے کہ وہ ہمارے دِینی اداروں اور تحریکوں کو موردِ الزام قرار دے کر ان کے خلاف

کارروائیاں کریں، ہمارے لئے سخت مہلک اور موجودہ صورتِ حال میں ہمارے سامنے سنگین مسائل پیدا کرنے والا ہے۔ یہ اُمت کا اجتماعی فیصلہ ہے، کسی ایک دو شخص حتیٰ کہ کسی چھوٹی بڑی تنظیم کو اس کے علاوہ کوئی راہ اختیار کرنے کی اجازت اللہ کے رسولؐ کی شریعت نہیں دیتی۔ گویا شرعی اصطلاح میں یہ "مفارقۃ الجماعۃ" ...یعنی مسلمانوں کی عام راہ سے الگ راہ اختیار کرنا ہے اور حرام... ہے، چاہے ناسمجھی کی وجہ سے اس کو کتنا ہی اچھا کیوں نہ سمجھا جارہا ہو۔

ہمارا دِینی فریضہ ہے کہ ہم جہاں رہیں دِین اور دِینی دعوت کے احیاء کی جدوجہد کرتے رہیں، ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر حال میں اُمتِ مسلمہ کی مادّی ومعنوی حفاظت وترقی کی کوشش کرتے رہیں، مگر کوئی جدوجہد اپنے گرد وپیش کے زمینی حقائق سے لاپروا ہوکر نہیں کی جاسکتی، جدوجہد وہی کامیاب ہوسکتی ہے جو اپنے موجودہ امکانات و حالات کے مطابق ہو۔ ہم پر ظلم ہو رہا ہے، ہمارے حقوق غصب ہو رہے ہیں، ہماری حرمتیں پامال ہو رہی ہیں، ہمارے دِینی وجود کو ختم کرنے کی جارحانہ و پُرتشدّد کوششیں ہو رہی ہیں، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ غیظ وغضب کے عالم میں اپنے حدودِ اربعہ (Limitations) اور اپنے امکانات سے ہی غافل ہوجائیں۔

اللہ اپنے دِین کا حامی و ناصر ہے، ہم بس اس کے مکلّف ہیں جو ہم کرسکتے ہیں، اور صحیح ترتیب اور صحیح اُصول پر اتنا کرنے پر اللہ کی مدد کا یقینی وعدہ ہے۔ اس وقت ان زیادتیوں کو روکنے کے لئے جو گنجائشیں ہمارے پاس ہیں ان کے مطابق کام کریں، اور اللہ کو راضی کرنے اور اُمت کی بنیادی دِینی اصلاح اور تعمیر وتنظیم کے لئے جو کام ضروری ہیں وہ اگر کرتے رہیں تو زیادہ دیر ان بادلوں کے چھٹنے میں نہیں لگے گی، اِن شاء اللہ!

ایک مرتبہ پھر اس بات کو دہرانے کی ضرورت ہے کہ انفرادی دِینی اعمال میں تو کسی حد تک افراد کو اپنا راستہ طے کرنے کی آزادی ہوسکتی ہے، مگر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے تعلق کی نوعیت اور مختلف مظالم کے جواب میں مسلمانوں کے اجتماعی

ردِّعمل کو طے کرنے کے سلسلے میں کوئی فرد ہی نہیں مسلمانوں کی کوئی جماعت بھی آزاد نہیں ہے، اور اگر کوئی مسلمانوں کے عام دھارے سے ہٹ کر اور ان کے اہلِ حل و عقد کے فیصلے کے خلاف کچھ کرتا ہے تو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کو اس کے طرزِ عمل سے بڑے نقصانات پہنچ سکتے ہیں، بلکہ وہ شرعی اصطلاح ''شذوذ عن الجماعۃ'' یعنی مسلمانوں کی اجتماعیت کو توڑنے کا بھی مرتکب قرار پائے گا، جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا و آخرت میں سنگین قابلِ مؤاخذہ گناہ قرار دیا ہے۔

موجودہ حالات اور پے در پے رُونما ہونے والے تشویشناک واقعات ہمارے نوجوانوں کو برانگیختہ کر رہے ہیں، وہ ان میں ایک فکرمندی اور تشویش و اضطراب پیدا کر رہے ہیں، جس کے نتیجے میں ان کے اندر جوشِ عمل اور اپنی ملت اور اپنے دِین کے لئے کچھ کرنے کا انتہائی مبارک جذبہ پیدا ہو رہا ہے، یہ یقیناً بہت قابلِ قدر اور اُمید افزا صورتِ حال ہے، اور موجودہ فکر انگیز حالات کا ایک بہت خوش کن مثبت پہلو ہے۔

اس لئے ضروری ہے کہ نوجوانوں کے اس فکر و اضطراب کی قدر کی جائے، اور ان کے سامنے اپنی پوری پالیسی اور لائحہ عمل کی اطمینان بخش تشریح کی جائے، ان کو کچھ عملی کام دیئے جائیں، اور اس کی پوری کوشش کی جائے کہ ان کا اضطراب، ذہنی انتشار اور رَدِّعمل کی صورت نہ اختیار کرلے، اس کے لئے نوجوانوں کو کسی اشتعال انگیز کاروائی کے خطرناک نتائج سے باخبر کیا جائے اور صحیح لائحہ عمل کی معقولیت اور اس کی متوقع کامیابی کو بیان کیا جائے، اور اس سلسلے میں انبیاء علیہم السلام کے اُسوہ کو دلیل کے طور پر پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اس کا بھی اطمینان دِلایا جائے کہ اُمت کی پالیسی اپنے امکانات اور گرد و پیش کے حالات کے مطابق رہے گی، یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو۔

سیرتِ نبوی ہمارے لئے ایک بہترین راہ نما ہے، جس کی روشنی میں مختلف زمانوں اور الگ الگ علاقوں کے حالات کے سلسلے میں ہم بہت اہم راہ نمائی حاصل

کرسکتے ہیں، یہاں ایک اور بات یہ بھی عرض کرنے کو جی چاہتا ہے کہ ہمارے مدارس میں سیرتِ نبویہ کے گہرے تجزیاتی مطالعے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی الگ الگ زمانوں کی حکمتِ عملی جاننے کی کوشش بہت کم ہوتی ہے، ہمارے مدارس کے فارغین ہی ملت کی راہ نمائی کرتے ہیں، نبوی حکمتِ عملی سے وہ جتنا زیادہ اور گہری واقفیت رکھتے ہوں گے، اتنا ہی حالات کے نشیب و فراز اور پردے کے پیچھے کے عوامل کو وہ زیادہ جانیں گے، اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔''

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۲ھ مطابق جولائی ۲۰۰۱ء)

خصوصی عدالت کا انصاف...!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

آج سے چار سال قبل یکم رجب ۱۴۱۸ھ بروز اتوار جامعہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ کی گاڑی پر فائرنگ کرکے مدیر جامعہ مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی عبدالسمیع اور ڈرائیور محمد طاہر کو شہید کردیا گیا، قاتل گرفتار کرلئے گئے، عینی شاہدین کے ذریعہ انہیں شناخت کرایا گیا، سب سے بڑھ کر ان درندہ صفت قاتلوں نے نہایت ڈھٹائی سے اس گھناؤنے جرم کا اعتراف کیا، نہ صرف یہی بلکہ انہوں نے پولیس کے سامنے اپنے اس بدترین عزم کا اظہار کیا کہ: ”اگر ہم رہا ہوگئے تو آئندہ بھی اپنی ان سفاکانہ اور مجرمانہ سرگرمیوں کو جاری رکھیں گے اور علماء کو اپنے راستے سے ہٹاتے رہیں گے۔“

انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں مجرموں کے اقراری بیان کی روشنی میں مقدمہ چلا، ان پر فردِ جرم عائد ہوئی اور عدالت نے انہیں موت کی سزا سنائی، مگر دھونس، دھاندلی یا نوٹوں کی چمک نے انسدادِ دہشت گردی کے جج کو اس فیصلے میں بعض ایسی خامیاں چھوڑنے پر مجبور کیا کہ جب مجرموں نے اس فیصلے کے خلاف ہائی کورٹ میں اپیل کی تو پہلے ہی مرحلہ میں ان کی سزائیں کالعدم قرار دے دی گئیں، اور عدالتِ عالیہ نے قرار دیا کہ چونکہ انسدادِ دہشت گردی کی عدالت کے جج حاکم علی

عباسی نے سماعت کے دوران سنگین غلطیاں کی ہیں، اس لئے اس فیصلے میں دی گئی سزا کو برقرار نہیں رکھا جاسکتا، چنانچہ عدالتِ عالیہ نے حکم دیا کہ مقدمہ دوبارہ نئے سرے سے انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں چلایا جائے، اور فیصلے میں موجود خامیوں کا ازالہ کرکے انصاف کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

مارچ ۱۹۹۹ء میں جب عدالتِ عالیہ نے اس مقدمے کو انسدادِ دہشت گردی کی عدالت میں واپس بھیجا، تو قاتلوں کو پھانسی گھاٹ کی کوٹھڑیوں سے نکال کر عام قیدیوں کے وارڈ میں منتقل کردیا گیا، اور اس کے تھوڑے ہی دنوں بعد معلوم ہوا کہ سرکار کی مہربانی سے اب انہیں قاتلوں کی فہرست سے نکال کر معزّز شہریوں کے درجے پر ترقی دے دی گئی ہے، اور اب وہ روایتی جیل کی بجائے ”بی کلاس“ کی سہولتوں سے مالا مال ہیں۔ حکومت وانتظامیہ کی اس کھلی جانب داری پر احتجاج کرتے ہوئے جب اس سلسلے میں چیف سیکریٹری سندھ سے رابطہ کیا گیا، تو انہوں نے صاف طور پر کہا کہ میں اس سلسلے میں آپ کی کسی قسم کی مدد کرنے سے قاصر ہوں، اس لئے کہ عدالت کی طرف سے مجرموں کو بی کلاس دینے کا حکم دیا گیا ہے۔

مارچ ۱۹۹۹ء سے جون ۲۰۰۱ء تک تین سال تک یہ مقدمہ چلتا رہا، اس طویل عرصہ تک انصاف نہ ملنے کے باوجود بھی شہداء کے وارث مطمئن تھے کہ دیر آید درست آید کے مصداق ضرور ہماری اشک شوئی ہوگی، ہمارے زخموں پر مرہم رکھا جائے گا اور مجرم اپنے کیفرکردار کو پہنچ کر رہیں گے، خصوصاً جب سے فوج نے ملکی نظم و نسق اور اقتدار سنبھال لیا تو حصولِ انصاف کی توقعات مزید روشن ہوگئیں، اور یہ سمجھا جانے لگا کہ اب اِن شاء اللہ عدالت آزادی سے انصاف کے تقاضے پورے کرے گی اور ملک وقوم کا نام روشن کرے گی۔ ورثاء کا خیال تھا کہ فوجی حکومت کے دوران عدالت کسی کے دباؤ میں نہیں آئے گی اور نہ ہی اس کو کوئی خارجی اثرات متأثر کرسکیں گے، لیکن ۲۶/جون ۲۰۰۱ء کے اخبارات کی اس خبر سے ان کی توقعات کا وہ شیش محل

چکنا چور ہوگیا، جس میں کہا گیا ہے کہ:

''مولانا حبیب اللہ مختار کا قتل: ملزمان عدم ثبوت کی بنا پر بری۔ ۱۹۹۸ء میں سزا کے بعد سپریم کورٹ کے فیصلے کے تحت مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی۔''

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے جج عبدالحمید ابڑو نے ۲؍نومبر ۱۹۹۷ء کو بزنس ریکارڈر روڈ پر فائرنگ کرکے جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مہتمم مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مفتی عبدالسمیع، مولانا طاہر کو ہلاک اور مولانا بشیر احمد نقشبندی کو زخمی کرنے کے الزام میں ملوث سپاہ محمد پاکستان کے کارکن سلیم جعفری اور سید تنویر عباس رضوی کو عدم ثبوت کی بنا پر بری کرنے کا حکم دیا ہے، ملزمان کو ۱۹۹۸ء میں انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے جج حاکم علی عباسی نے سزائے موت کا حکم سنایا تھا، مئی ۲۰۰۱ء میں مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی ملزمان نے ہائیکورٹ میں انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیل کی، جہاں سے مقدمے کو دوبارہ چلانے کا حکم ہوا، اس فیصلے کے خلاف سرکار نے سپریم کورٹ میں اپیل کی جہاں سے فیصلہ ہوا کہ مقدمہ شروع سے دوبارہ نہ چلایا جائے بلکہ ملزمان کے بیانات سے دوبارہ چلایا جائے، سپریم کورٹ نے ۲۳؍جنوری ۲۰۰۱ء کو اپنا فیصلہ سنایا اور مئی ۲۰۰۱ء میں مقدمے کی دوبارہ سماعت ہوئی۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۶؍جون ۲۰۰۱ء)

عقل وخرد محوِ حیرت ہے کہ جس مقدمے کی پیروی سرکار کر رہی ہو، جس کے ملزمان پولیس نے خود گرفتار کئے ہوں، عینی شاہدوں نے ان کو پہچان لیا ہو، اور انہوں

نے خود اعترافِ جرم کیا ہو، وہ کس قانون کے تحت بری ہوگئے؟ کیا دُنیا میں ایسی کوئی مثال ملتی ہے، جہاں قاتل اعترافِ جرم اور عینی شاہدوں کی گواہی کے باوجود بے قصور اور معصوم قرار دیئے گئے ہوں...؟

حیف اور صد حیف ہے حصولِ انصاف کے اس طریقۂ کار پر...! جس میں مظلوموں کے بجائے مجرموں کو تحفظ فراہم کیا جائے، اور روایتی ٹال مٹول سے کام لے کر مظلوموں کو اِحساسِ محرومی سے دوچار کیا جائے، ظالم کا ساتھ دے کر اس کو مزید ظلم و دہشت گردی پر آمادہ اور ظالموں کو انتقام کی آگ کی بھٹی میں دھکیل دیا جائے۔ غالباً حکومت و عدلیہ ملک میں امن و امان کا قیام نہیں چاہتی، اس لئے کہ جہاں مظلوموں کی اشک شوئی نہ ہوگی، ان کو انصاف نہیں ملے گا، قاتل سرِ عام دندناتے پھریں گے اور حکومت کی جانب سے ان کی سرپرستی کی جائے گی، تو وہاں مظلوم عدالت کا رُخ کرنے کے بجائے اپنا بدلہ خود چکائیں گے، جس سے ملک میں بدامنی، طوائف الملوکی اور انارکی کو فروغ ملے گا، ہر طرف دنگے فساد کا دور دورہ ہوگا، عدلیہ اور انتظامیہ بے بس ہوجائے گی، ملکی قانون معطل ہوکر رہ جائے گا۔ اگر حکومت چاہتی ہے کہ ملک میں امن و امان قائم ہو اور اس کے اقتدار کو بقا نصیب ہو، تو اسے چاہئے کہ قانون کے تقاضوں کو پورا کرے، مظلوموں کو انصاف مہیا کرے اور ظالموں کو کیفر کردار تک پہنچائے، اس لئے حکومت سے ہماری خیرخواہانہ درخواست ہے کہ وہ اس فیصلے پر نظرِ ثانی کرے اور خود ذاتی دلچسپی لے کر اس کیس کا نئے سرے سے جائزہ لے کر انصاف کے تقاضوں کو پورا کرے۔ چنانچہ اس فیصلے کے منظرِ عام پر آنے کے بعد علماء اور عوام میں بے چینی اور عدمِ تحفظ کے احساس کی لہر دوڑ گئی، جس کے تدارک اور آئندہ کے لائحہ عمل کے تعین کے لئے جامعہ علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور ذمہ داران کا ایک اہم اجلاس ہوا جس میں اس فیصلے کے محرکات پر غور کیا گیا اور متفقہ طور پر درج ذیل بیان اخبارات کو جاری کیا گیا:

"مولانا حبیب اللہ شہیدؒ کے قاتلوں کو بری کرنے کے فیصلے پرنظرِ ثانی کی جائے۔

خصوصی عدالت کے جج نے انصاف کی دھجیاں بکھیر کر عدلیہ کو پوری دُنیا میں بدنام کردیا۔

کراچی (پ ر) جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کے مدیر ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، شیخ الحدیث مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا امداد اللہ، قاری محمد اقبال، مولانا نذیر احمد تونسوی، مولانا سعید احمد جلالپوری، مفتی محمد جمیل خان نے جامعہ بنوری ٹاؤن میں ایک اہم اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا: کہ ڈاکٹر مولانا حبیب اللہ شہیدؒ، مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ کے قاتلوں کو خصوصی عدالت کی طرف سے بری کرنے کا فیصلہ انصاف کی دھجیاں بکھیرنے کے مترادف ہے، ملزمان کے اقراری بیان، گواہوں کے بیانات اور شناخت اور ثبوت کی فراہمی کے بعد، عدلیہ کا یہ فیصلہ پوری دُنیا میں پاکستان کی عدلیہ کی کارگزاری پر ایک بدنما داغ ہے۔ اسی قسم کے فیصلوں کی وجہ سے امریکی سفیر کو پاکستان کی عدلیہ پر ریمارکس دینے کی جرأت ہوئی۔ شریعتِ اسلامیہ کی رُو سے ایسا غلط فیصلہ کرنے والا قابلِ مؤاخذہ ہے اور عدالت کی کرسی پر بیٹھنے کا مجاز نہیں۔ اس لئے ہم علمائے کرام سپریم کورٹ کے چیف جسٹس سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ از خود نوٹس لے کر اس فیصلے پر نظر ثانی کریں اور ایسے ججوں کے خلاف تأدیبی کاروائی کریں، اگر عدالتوں نے اس طرح اقراری مجرموں کو چھوڑا، جو اپنے اقراری بیان میں دھمکی دیں کہ اگر وہ رہا ہوگئے تو دیگر علمائے کرام کو شہید کریں گے، تو

پھر کسی عالم دین کی جان محفوظ نہیں رہے گی اور عدلیہ پر لوگوں کا اعتماد مکمل ختم ہوجائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی یہ قرارداد مذمت بھی پاس کی گئی:

"قرارداد مذمت"

"محترم جناب چیف جسٹس صاحب   السلام علیکم!

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی مرکزی مجلس شوریٰ کا ایک ہنگامی اجلاس جامعہ کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ اور مولانا عبدالسمیع شہیدؒ اور ڈرائیور محمد طاہر شہیدؒ کے قاتلوں کی عدالت سے رہائی کا معاملہ زیرِغور آیا، شوریٰ کو بتایا گیا کہ اس کیس کے جج نے پورا ثبوت ہونے کے باوجود قاتلوں کو چھوڑ دیا اور کیس کو بگاڑا ہے، اس کیس کے نامزد ملزمان کو انسدادِ دہشت گردی کی خصوصی عدالت سے بجا طور پر سزائے موت کا حکم ہوا تھا، لیکن بعد ازاں ملزمان کی جانب سے اپیل کی وجہ سے کیس کو مختلف عدالتوں میں بھیجا گیا اور اس کے بعد سے اس کیس میں جانبداری کا سلسلہ شروع ہوا اور ملزمان کو مختلف انداز میں بری کرنے کی کوششیں کی گئیں، آخر کار انہیں خصوصی عدالت سے بری کردیا گیا۔ مجلس شوریٰ نے ملزمان کی رہائی کی شدید مذمت کی اور متعلقہ جج کے بارے میں کہا کہ چونکہ انہوں نے ثبوت کے ہوتے ہوئے قاتلوں کو چھوڑا ہے، اس لئے انہیں اس الزام میں فی الفور ان کے منصب سے برطرف کیا جائے اور ایک تحقیقاتی کمیشن کے ذریعہ ان کے

خلاف تحقیقات کر کے تادیبی کاروائی کی جائے، اور ملزمان پر دوبارہ غیر جانبدار عدالت میں حکومتِ سندھ کی جانب سے ایک ایماندار اور اچھے وکیل کی پیروی میں ایسا مقدمہ چلایا جائے کہ جس میں ان ملزمان کو بے گناہ افراد کے سفاکانہ قتل پر جلد از جلد سخت ترین سزا دی جاسکے۔ اراکینِ مجلس شوریٰ، اربابِ حکومت کو متنبہ کرتی ہے کہ ہماری خاموشی سے غلط فائدہ اُٹھا کر اسے ہماری کمزوری نہ سمجھا جائے، بلکہ ملکی حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اس قسم کے جانبدارانہ فیصلوں کا سختی سے نوٹس لیا جائے اور ملک کے عدالتی نظام کو مزید خرابی سے بچایا جائے، کہیں ایسا نہ ہو کہ مظلوم خود اپنا بدلہ چکانے اور فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

اراکین مجلس شوریٰ

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن۔''

ہماری رائے ہے کہ اس سلسلے میں اربابِ اقتدار سے رابطہ کیا جائے، خصوصاً فوجی حکام کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کیا جائے اور انہیں اس قسم کے ناقص فیصلوں کے عواقب و نتائج سے آگاہ کیا جائے۔ اور کہا جائے کہ اس سے قبل کہ مظلوموں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوجائے اور وہ اپنے زخموں پر نمک پاشی کی تاب نہ لاتے ہوئے، سڑکوں پر نکل آئیں، ایسے نام نہاد ججوں کا علاج کرلیں، جو اقراری مجرموں کو معصوم، اور معصوموں کو مجرم قرار دینے میں مہارت رکھتے ہوں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ مطابق اگست ۲۰۰۱ء)

مُلاَّ کبھی پاور میں نہیں رہا، بجوابِ مُلاَّ پاور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵/اگست ۲۰۰۳ء کی اشاعت میں ''مُلاَّ پاور'' کے نام سے ایک کالم شائع ہوا ہے، جس میں کالم نگار جناب حامد میر نے برطانوی ادارہ بی بی سی کے ٹیلیویژن پر پاکستان کے بارے میں نشر ہونے والی ایک دستاویزی فلم ''مُلاَّ پاور'' میں موجود غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''پاکستان میں مُلاَّ کبھی پاور میں نہیں رہا''۔ چنانچہ موصوف نے ایک ایک کر کے ان تمام غلط فہمیوں کا ازالہ کرنے کی ''سعی'' فرمائی ہے جن سے ''مُلاَّ پاور'' کا گمان ہوتا تھا۔ اس لئے انہوں نے ''واضح فرمایا ہے'' کہ جن جن تحریکوں کی کامیابی کا سہرا ''مُلاَّ'' کے کھاتے میں ڈالا جاتا ہے، وہ صحیح نہیں، بلکہ ان تحریکوں کی کامیابی دراصل ہند و پاک کے عوام، مسلمانوں اور مجاہدین کی محنت وقربانی کا ثمرہ تھا۔ نیز موصوف نے نہایت ''عرق ریزی'' سے یہ ''مبارک'' کوشش بھی فرمائی ہے کہ ''مُلاَّ'' اور ''مجاہد'' کی فکر وسوچ میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آج کی نشست میں موصوف کے اُٹھائے گئے نکات پر چند معروضات پیش کردی جائیں۔

الف:... موصوف کی اس سوچ وفکر سے کسی کو اتفاق ہو یا اختلاف! مگر ہم بلاخوفِ تردید اس کا اظہار کرنا چاہیں گے کہ موصوف کے اس نکتے سے ہمیں نہ صرف

اتفاق ہے، بلکہ سو فیصد اتفاق ہے کہ: ''مُلّاً پاکستان میں کبھی پاور میں نہیں رہا''، البتہ ہم اس پر اتنا مزید اضافہ کرنا چاہیں گے کہ: ''پاکستان کیا، دُنیا کی تاریخ میں مُلّاً کبھی پاور میں نہیں رہا''۔ مُلّاً ہمیشہ قوت و طاقت، اسباب و وسائل اور حکومت و اقتدار سے محروم رہا ہے، قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ اس پر شاہد ہیں کہ ہمیشہ مُلّاً مخالف قوتیں اپنے جبر و استبداد، اسباب و وسائل اور حکومت و اقتدار کے ذریعہ مُلّاً کا استحصال کرتی رہی ہیں۔ مُلّاً ہمیشہ اشرافیہ، اربابِ ثروت اور مترفین وعیش پرستوں کے عتاب و انتقام کے نشانے پر رہا ہے۔ مُلّاً اور مولوی روزِ اوّل سے اربابِ دُنیا کے ہاں تیسرے درجے کی مخلوق، جاہل، اُجڈ، غیر مہذّب اور باعثِ نفرت شمار ہوتا آیا ہے، چنانچہ قرآن وسنت کی واضح نصوص اس کی شہادت دیتی ہیں کہ قوّت و طاقت، حکومت و اقتدار اور اسباب و وسائل کا ذخیرہ ہمیشہ ان لوگوں کے پاس رہا ہے جو حق و سچ کے دُشمن، مذہب وملت کے مخالف، اللہ تعالیٰ اور اس کے برگزیدہ رسولوں کے باغی تھے، ان حقائق کے ادراک کے لئے کسی گہرے غور وفکر کی ضرورت نہیں، بلکہ قرآن وحدیث پر سرسری نگاہ ڈالنے، حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے حالات و واقعات کے مطالعے، اور ان کے مخالفین کی فہرست کے جائزے سے یہ حقائق روزِ روشن کی طرح واضح اور نمایاں نظر آئیں گے، مثلاً:

ا:... حضرت نوح علیہ السلام، اللہ کے اُولو العزم نبی، جلیل القدر پیغمبر اور برگزیدہ رسول تھے، حضرت آدم علیہ السلام کے بعد آپ ہی وہ پہلے نبی ہیں جن کو رسالت سے نوازا گیا، چنانچہ صحیح مسلم بابِ شفاعت کی ایک طویل حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے کہ:

''یا نوح! أنت أول الرسل الی الأرض.''

ترجمہ:... ''اے نوح! تو زمین پر سب سے پہلا رسول بنا کر بھیجا گیا۔''

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو سال تک توحید کی دعوت دی، نہایت محبت وشفقت سے ان کو بتوں اور غیراللہ کی پرستش سے باز رہنے کی تلقین کی، انہیں حق کی طرف پکارا اور سچے مذہب کی دعوت دی، وہ اپنی قوم کو کفر و شرک کے جہنم سے نکال کر ایمان و ہدایت اور توحید و طاعت کی لازوال سعادتوں سے سرفراز فرمانا چاہتے تھے، مگر افسوس! کہ ان کی قوم نے ان کی ایک نہ مانی، بلکہ نفرت و حقارت کا مظاہرہ کیا، انکار پر انکار کیا، اُمراء و رُؤسائے قوم نے ان کی تکذیب وتحقیر اور ایذا رسانی کا کوئی پہلو نہ چھوڑا، اور اس بات پر تعجب کا اظہار کیا کہ بھلا ایک ایسا شخص جس کو ہم پر نہ دولت وثروت میں برتری حاصل ہے، اور نہ وہ انسانیت کے رُتبے سے بلند کوئی فرشتہ ہیکل ہے، اس کو کیا حق حاصل ہے کہ وہ ہمارا پیشوا بنے اور ہم اس کی تعمیل کریں...؟

اس کے علاوہ حضرت نوح علیہ السلام کے مخالف مال دار اور برسرِ اقتدار افراد، حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے غریب اور کمزوروں کو دیکھتے تو مغرورانہ انداز میں حقارت سے کہتے کہ: ''ہم ان کی طرح نہیں کہ تیرے تابع فرمان بن جائیں، اور تجھ کو اپنا مقتدا مان لیں۔'' ان کا خیال تھا کہ خیر و سعادت، دولت و حشمت کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، لہٰذا جب حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے ماننے والوں کے پاس یہ چیزیں نہیں ہیں تو وہ کسی خیر و سعادت کے اہل بھی نہیں۔ مگر حضرت نوح علیہ السلام نے ان پر واضح فرمایا کہ: خدا تعالیٰ کی سعادت وخیر کا قانون ظاہری دولت وحشمت اور قوّت و اقتدار کے تابع نہیں اور نہ ہی اس کے ہاں حصولِ سعادت و ہدایت، دُنیاوی مال و اسباب اور سرمایہ پر موقوف ہے، بلکہ اس کے برعکس ایمان و ایقان اور ہدایت وتوحید کی سعادت کا حصول، رضائے الٰہی، غنائے قلب اور اِخلاصِ نیت وعمل پر موقوف ہے۔

دیکھئے! حضرت نوح علیہ السلام باوجودیکہ اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی و

رسول ہیں، زمین پر سب سے پہلے رسول کی حیثیت سے مبعوث ہونے کا شرف ان کو حاصل ہے، اور ساڑھے نو سو سال تک نہایت صبر و استقامت سے اللہ کی توحید کی دعوت دیتے ہیں، مگر اس سب کے باوجود دُنیاوی قوت و طاقت اور اسباب و وسائل کی ''پاور'' اور اقتدار و حکومت ان کے مخالفین کے پاس تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کے مخالفین، اربابِ اقتدار اور پوری قوم ان کو پتھر مار مار کر لہولہان کردیتی، مگر ان ظالموں کا ہاتھ کوئی نہیں روک سکتا تھا، چنانچہ جب معاملہ حد سے بڑھا تو انہوں نے بارگاہِ الٰہی میں یوں درخواست پیش کی:

''.... رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا. اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا.'' (نوح:۲۶، ۲۷)

ترجمہ:... ''اے میرے پروردگار! کافروں میں سے زمین پر ایک باشندہ بھی مت چھوڑ، اگر آپ ان کو رُوئے زمین پر رہنے دیں گے تو یہ لوگ آپ کے بندوں کو گمراہ ہی کریں گے اور ان کی محض فاجر و کافر ہی اولاد پیدا ہوگی۔''

۲:... حضرت ابراہیم علیہ السلام، جن کو اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں متعدّد اعزازات و خطابات سے سرفراز فرمایا ہے، کہیں فرمایا: ''اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً'' (النحل:۱۲۰) (بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتدا تھے)۔ کہیں فرمایا: ''وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى'' (النجم:۳۷) (اور ابراہیمؑ جنھوں نے اَحکام کی پوری بجاآوری کی)۔ کہیں ارشاد ہوا: ''وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ'' (الانبیاء:۵۱) (ہم نے اس سے پہلے ابراہیمؑ کو ان کی خوش فہمی عطا فرمائی تھی اور ہم ان کو خوب جانتے تھے)۔ کہیں فرمایا: ''وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ'' (الانعام:۸۳) (اور یہ ہماری حجت تھی وہ ہم نے ابراہیمؑ کو ان کی قوم کے مقابلے میں دی تھی)۔ کہیں ارشاد ہوا: ''وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ، قَالَ

اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللهِ'' (الانعام:۸۰) (اور ان سے ان کی قوم نے حجت کرنا شروع کی، آپ نے فرمایا: کیا تم اللہ کے معاملے میں مجھ سے حجت کرتے ہو؟)۔

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی و رسول بھی، جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل ہونے کا شرف عطا فرمایا، جو اپنی قوم و برادری، والد اور بادشاہِ وقت کو عقلی و نقلی دلائل سے توحید کی دعوت دیتا ہے، انہیں بتوں اور غیراللہ کی پرستش سے باز رکھنے کی جہدِ مسلسل کرتا ہے اور باطل پرست مناظروں کو میدانِ مناظرہ میں چاروں شانے چت کردیتا ہے، وہ بھی ظاہری اسباب و وسائل اور اقتدار کی ''پاور'' سے سرفراز نہیں تھا، بلکہ یہاں بھی دُنیاوی ''پاور'' نمرود جیسے طاغوت کے پاس ہے۔

۳:... اسی طرح حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام جیسا جلیل القدر نبی، جن کے لاٹھی مارنے سے پتھر سے بارہ چشمے اور دریا سے بارہ راستے پیدا ہوجاتے، جو ید بیضاء اور عصا جیسے معجزات سے سرفراز تھا، جب دعوت الی اللہ کا پیغام لے کر فرعون کے مقابلے میں اُترتا ہے، تو اسباب و وسائل، اقتدار و حکومت کی ''پاور'' اور قوت ان کے بجائے ان کے مخالفین، فرعون، ہامان اور قارون کا ساتھ دیتی ہے، چنانچہ فرعون اپنے انہی اسباب و وسائل اور قوت و ''پاور'' کے زعم اور گھمنڈ میں اس قدر اندھا اور پاگل ہوجاتا ہے کہ... نعوذ باللہ... اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کا مرتکب ہوکر کہتا ہے:

''يٰهَامٰنُ ابْنِ لِيْ صَرْحًا لَّعَلِّيْٓ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ. اَسْبَابَ السَّمٰوٰتِ فَاَطَّلِعَ اِلٰٓى اِلٰهِ مُوْسٰى.'' (المؤمن:۳۶، ۳۷)

ترجمہ:... ''اے ہامان! میرے واسطے ایک بلند عمارت بنواؤ، شاید میں آسمان پر جانے کی راہوں تک پہنچ جاؤں، پھر موسیٰ کے خدا کو دیکھوں بھالوں۔''

۴:... حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کی نجات اور ہدایت کے لئے مبعوث کیا گیا اور قومِ ثمود نے بطور معجزہ ان سے ایک تیار حاملہ اُونٹنی پہاڑ سے نکالنے

کی فرمائش کی، اللہ تعالیٰ کی جانب سے جب قوم کا یہ مطالبہ پورا ہوا تو بجائے ماننے کے اس نے اپنی قوّت و شوکت کے زعم میں نہ صرف حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب کی، ان کو ایذائیں پہنچائیں بلکہ اپنی طاقت و ''پاور'' کا اظہار کرتے ہوئے اس معجزاتی اُونٹنی کو بھی قتل کرڈالا، یہاں تک کہ اللہ کے عذاب نے ان کو صفحۂ ہستی سے مٹاڈالا، قرآنِ کریم میں قومِ ثمود کی شقاوت کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہے:

''كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰهَا. اِذِ انْبَعَثَ اَشْقٰهَا. فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا. فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰهَا. وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا.

(الشمس:۱۱ تا ۱۵)

ترجمہ:... ''جھٹلایا ثمود نے اپنی شرارت سے، جب اُٹھ کھڑا ہوا ان میں کا بڑا بدبخت، پھر کہا ان کو اللہ کے رسول نے خبردار رہو اللہ کی اُونٹنی سے اور اس کی پانی پینے کی باری سے، پھر انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر پاؤں کاٹ ڈالے اس کے، پھر اُلٹ مارا ان پر ان کے رَبّ نے، بسبب ان کے گناہوں کے، پھر برابر کردیا سب کو، اور وہ نہیں ڈرتا پیچھا کرنے سے۔''

دیکھئے! یہاں بھی اسبابِ دُنیا اور قوّت و شوکت اور حکومت و اقتدار بلکہ دُنیاوی مادّی اسباب کی ''پاور'' اللہ کے برگزیدہ نبی کے بجائے ان کے مخالفین کے پاس تھی، چنانچہ قرآنِ کریم میں قومِ ثمود کی قوّت و شوکت کا اظہار و اعلان اس طرح فرمایا گیا ہے:

''وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ.''

(الحجر:۸۲)

ترجمہ:... ''اور وہ پہاڑ تراش کر گھر بناتے تھے کہ

محفوظ رہیں۔''

یعنی اس دور میں بھی وہ اس قدر ترقی یافتہ تھے کہ پہاڑ کھود کر بنکر بناتے اور پہاڑوں کے اندر شہروں کے شہر بساتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کے نبی اور ان کے ماننے والوں کو حقیر و ضعیف اور ذلیل و کمزور جانتے ہوئے دعوت الی اللہ کی طرف متوجہ ہونے کی بجائے حضرت صالح علیہ السلام کی تکذیب پر کمربستہ ہوگئے۔

۵:... حضرت لوط علیہ السلام نے جب اَربابِ سدوم کو ان کی غیرفطری و غیرانسانی حرکات اور ان کی بداعمالیوں کے بُرے ثمرات و نتائج سے آگاہ کرتے ہوئے فطرت کی طرف بلایا تو شہرِ سدوم کے مال و زَر اور خواہشاتِ نفس کے پجاریوں اور حکومت و سلطنت کے متوالوں نے یہ ''نعرۂ مستانہ'' لگایا کہ حضرت لوط علیہ السلام کو اپنے شہر سے نکال باہر کرو، قرآنِ کریم نے ان کی اس ہرزہ سرائی کو یوں نقل کیا ہے:

''وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ، اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ.'' (الاعراف:۸۲)

ترجمہ:... ''لوط کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ لوط اور اس کے خاندان کو اپنے شہر سے نکال دو، بے شک یہ بہت ہی پاک لوگ ہیں۔''

پھر جب قومِ لوط کی ایذا رسانی انتہا کو پہنچ گئی یہاں تک کہ حضرت لوط علیہ السلام کے معزّز مہمان تک قوم کی زیادتیوں سے محفوظ نہ رہے تو مجبوراً حضرت لوط علیہ السلام کو یہ کہنا پڑا:

''لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ.''

(ہود:۸۰)

ترجمہ:... ''اے کاش میرے لئے تم سے (مقابلہ) کی طاقت ہوتی یا پناہ ملتی کسی زبردست قوّت پناہ کے ساتھ۔''

جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ''پاور'' اور قوّت حضرت لوط علیہ السلام کی بجائے ان کے مخالفین کے پاس تھی۔

۶:... اسی طرح جب حضرت شعیب علیہ السلام اصحابِ مدین کی طرف مبعوث ہوئے اور ان میں پائی جانے والی اعتقادی، عملی اور اخلاقی کوتاہیوں مثلاً: بت پرستی، غلط رُسوم، خرید و فروخت میں کم تولنا اور پورا لینا، ڈاکا زنی اور تمام معاملات میں کھوٹ وغیرہ کی اصلاح کی طرف ان کو متوجہ کیا تو انہوں نے نہ صرف اس سے اعراض و تکذیب کا مظاہرہ کیا، بلکہ اپنی قوّت و طاقت اور ''پاور'' کے بل بوتے پر ٹکا سا جواب دیتے ہوئے کہا:

''یٰشُعَیْبُ أَصَلٰوتُکَ تَأْمُرُکَ أَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ أَوْ أَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ أَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا، اِنَّکَ لَأَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ.'' (ہود:۸۷)

ترجمہ:...''اے شعیب! کیا تیری نمازیں (جو تو اپنے خدا کے لئے پڑھتا ہے) تجھے یہ حکم دیتی ہیں کہ ہمیں آکر کہے ان معبودوں کو چھوڑ دو، جنھیں ہمارے باپ دادا پوجتے رہے ہیں، یا یہ کہ ہمیں اختیار نہیں کہ اپنے مال میں جس طرح کا تصرف کرنا چاہیں کریں، بس تم ہی ایک نرم دِل اور راست باز آدمی رہ گئے ہو؟''

الغرض یہاں بھی قوّت و طاقت اور اسباب و وسائل کی ''پاور'' اصحابِ مدین کے پاس تھی، حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس نصرت و مددِ الٰہی کے علاوہ ظاہری و مادّی اسباب مفقود تھے۔

۷:... حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بعثت کے بعد، ان کی دعوت و تبلیغ اور مواعظ کی تأثیر کا یہ عالم تھا کہ جس طرف نکل جاتے جماعتوں کی جماعتیں ان پر پروانہ وار

نثار ہونے لگتی تھیں، اور ٹھٹھ کے ٹھٹھ کافر ان کی دعوت کے اسیر ہوجاتے، مگر اس دور کا قوّت و طاقت اور دُنیاوی ''پاور'' کا مالک ظالم و بدکار بادشاہ ہیرودیس حضرت یحییٰ علیہ السلام کی مقبولیت برداشت نہ کرسکا، چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کو اس شقی القلب نے شہید کردیا۔

غرض یہاں بھی قوّت وطاقت اور اسباب و وسائل کی ''پاور'' حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بجائے ان کے مخالف بادشاہ کے پاس تھی۔

۸:... اصحابِ کہف کے ان چند مؤمن مسلمانوں کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو وہاں بھی یہی نظر آئے گا کہ ایک ظالم و جابر بادشاہ کے جبر و تشدّد سے حفاظت کی خاطر ان کو ایک غار میں پناہ دی گئی، واقعے کی مزید تفصیلات کے لئے سورۂ کہف کا مطالعہ کافی ہوگا۔

۹:... اسی طرح اصحابِ اخدود اپنی قوّت و طاقت کے بل بوتے پر ہی اس مؤمن نوجوان کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے درپے ہوئے جو نہ صرف اکیلا تھا بلکہ نہتا بھی تھا، چنانچہ ایک طرف پوری سلطنت و اقتدار کے اسباب و وسائل تھے، اور دُوسری طرف وہ اکیلا مردِ مؤمن تھا، اس کے پاس ظاہری دُنیا اور مادّی اسباب و وسائل نام کی کوئی چیز نہ تھی، مگر حق وصداقت کا جذبہ اور دِین و دیانت کی قوّت تھی، بالآخر بادشاہ اور اس کی قوّت و ''پاور'' ناکام، اور حق وصداقت کامیاب ہوگئے۔

۱۰:... سب سے آخری میں سرورِ کونین حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ والا صفات انسانیت کی ہدایت و نجات کے لئے تشریف لائی، تو یہاں بھی قوّت و طاقت، حکومت و اقتدار اور قوم و برادری کی حمایت، غرض تمام اسباب و وسائل کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ اور منافقین و معاندین کے پاس تھے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب ایمان و اسلام کی دعوت دی تو کفار و مشرکین نے یہ کہہ کر ناک بھوں چڑھائی:

"لَوْ لَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰی رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْیَتَیْنِ عَظِیْمٍ." (الزخرف:۳۱)

ترجمہ:... "یہ قرآن ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں نازل کیا گیا؟"

اسی طرح قوّت و طاقت اور "پاور" ابوجہل، ابولہب، عتبہ اور شیبہ کے پاس تھی، جس کی وجہ سے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرّمہ میں رہنا دوبھر کردیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منوّرہ ہجرت پر مجبور ہوگئے، صرف یہی نہیں بلکہ اربابِ اقتدار نے اپنی اسی قوّت و "پاور" کے زعم میں اسلام، پیغمبرِ اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے اس دور کی سپر طاقتوں کی مدد سے مدینہ منوّرہ پر یکبارگی چڑھائی کا فیصلہ کیا، جس کے نتیجے میں غزوۂ اَحزاب کی نوبت آئی، اور اسی دُنیاوی قوّت و طاقت اور "پاور" کے نشے میں مدہوش ہوکر رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبیّ بن سلول نے یہ ہرزہ سرائی کی تھی:

"لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَی الْمَدِیْنَةِ لَیُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ..." (المنافقون:۸)

ترجمہ:... "اگر ہم اب مدینہ میں لوٹ کر جاویں گے تو عزّت والا وہاں سے ذِلت والے کو باہر نکال دے گا۔"

اسی طرح پوری اسلامی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو کہیں اور کسی دور میں مُلاَّ کے پاس "پاور" نظر نہیں آئے گی، اور یہ کسی اچنبے اور تعجب کی بات بھی نہیں، اس لئے کہ نبیٔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مُلاَّ کو جو منصب اور مقام دیا گیا اس کا تقاضا بھی یہی ہے کہ اس کے ساتھ یہی سلوک کیا جائے، چنانچہ ارشاد ہے:

"... ان العلماء ورثة الأنبياء، ان الأنبياء لم يورثوا دينارًا ولا درهمًا انما ورثوا العلم، فمن أخذ به

أخذ بحظ وافر." (ترمذی ج:۲ ص:۹۷، ۹۸)

ترجمہ:... "اور بے شک علماء، انبیاء کے وارث ہیں، اور بے شک انبیاء وراثت میں دینار و درہم نہیں چھوڑ گئے، انہوں نے علم ہی کی وراثت چھوڑی ہے، لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اس نے انبیاء کی وراثت کا کامل حصہ پایا۔"

ایک دُوسری حدیث میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مروی ہے:

"قلت یا رسول الله! أي الناس أشد البلاء؟ قال: الأنبياء ثم الأمثل فالأمثل." (ترمذی ج:۲ ص:۶۲)

ترجمہ:... "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ: سب سے زیادہ آزمائش کس پر ہوتی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انبیاء علیہم السلام کی، پھر جو ان کے قریب تر ہو، پھر جو ان سے قریب تر ہو....."

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وارثوں اور افرادِ خاندان کے لئے مال کی فراوانی اور حکومت و اقتدار ملنے کی دُعا نہیں فرمائی، بلکہ فرمایا:

"اللّٰھم اجعل رزق اٰل محمد قُوْتًا." (ترمذی ج:۲ ص:۵۹)

ترجمہ:... "اے اللہ! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آل کو رزق بقدرِ کفایت دیجئے۔"

اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی یہی ثابت ہے کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین، سوائے معدودے چند کے دُنیاوی اعتبار سے قریب قریب غریب و مسکین اور دُنیاوی وسائل و اسباب سے نہتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے

کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہِ ہرقل کے نام والا نامہ بھیجا اور اس نے شام میں موجودہ اہلِ مکہ کے تجارتی قافلے کو بلاکر ان کے سردار ابوسفیان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں چند سوالات کئے، تو آخر میں اس نے خود ہی ان سوالات کے جوابات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

”وسألتک عن أتْبَاعه أضعفاؤهم أم أشرافهم؟

فقلت: بل ضعفاؤهم، وهم أتْبَاع الرسل.“

(صحیح بخاری ج:۲ ص:۶۵۳)

ترجمہ:... ”میں نے آپ سے ان پر ایمان لانے والوں کے بارے میں پوچھا تھا کہ وہ معاشرے کے کمزور اور ضعیف ہیں یا شرفاء اور مال دار؟ تم نے کہا تھا کہ وہ معاشرے کے کمزور لوگ ہیں، تو سنو! انبیاء کی دعوت قبول کرنے والے کمزور ہی ہوا کرتے ہیں۔“

سب کے آخر میں متحدہ ہندوستان کی تاریخ کا جائزہ لیجئے تو صاف اور واضح طور پر نظر آئے گا کہ اسباب و وسائل اور طاقت و ”پاور“ کبھی بھی مُلَّا کے پاس نہیں رہی، چنانچہ مجدّد الف ثانیؒ ہوں یا شاہ ولی اللہؒ، سیّد احمد شہیدؒ ہوں یا شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ، حافظ ضامن شہیدؒ ہوں یا حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مولانا رشید احمد گنگوہیؒ ہوں یا مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ہوں یا شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، اسی طرح شاملی کا میدانِ کارزار ہو یا معرکۂ بالاکوٹ، کہیں بھی مُلَّا کے پاس ”پاور“ نظر نہیں آئے گی، مُلَّا کل بھی نہتا تھا اور آج بھی نہتا ہے۔

جس طرح ہندوستان میں حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، بابا فریدالدین گنج شکرؒ، علی ہجویریؒ، حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، فقیہ الاسلام مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے پاس کوئی

ظاہری اور مادّی ”پاور“ نہیں تھی، ٹھیک اسی طرح ان کے جانشینوں حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ مفتیٔ اعظم پاکستان، محدث العصر مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مفکرِ اسلام مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا ظفر احمد تھانویؒ اور شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے پاس بھی حکومت و اقتدار کی ”پاور“ نہ تھی، لیکن بایں ہمہ انہوں نے اصلاح و فلاحِ اُمت کے لئے جو خدمات انجام دیں، قوم و ملت کی ہدایت و راہ نمائی اور تردیدِ باطل میں جو لازوال کارنامے انجام دیئے، ان سے کوئی صاحبِ عقل و خرد انکار نہیں کرسکتا۔

ہمیں سو فیصد اس کا اعتراف ہے کہ اسباب کی دُنیا میں مُلَّا کے پاس کبھی بھی ”پاور“ نہیں رہی، مگر مُلَّا نے اس بے سروسامانی کے باوجود، دِین و مذہب اور قوم و ملت کی صلاح و فلاح کے لئے جو عظیم کارنامے انجام دیئے، ان کا انکار آفتابِ نصف النہار کے انکار کے مترادف ہے۔

”مُلَّا“ اور ”مجاہد“ کی اذان کے درمیان فرق سمجھانے والوں سے کوئی پوچھے کہ یہ مجاہد کہاں سے آتے ہیں؟ آسمان سے اُترتے ہیں یا کسی سرکاری یونیورسٹی اور حکومتی ادارے میں ڈھلتے ہیں؟ اگر مُلَّا اُمت کو قرآن و سنت کی تعلیم سے روشناس نہ کراتا، منکرینِ جہاد سے چومکھی لڑائی نہ لڑتا، اور اُمت کا علومِ نبوّت سے رشتہ نہ جوڑتا تو آج دُنیا میں جہاد اور مجاہد کا نام کیونکر ہوتا...؟ بلاشبہ دُنیا میں جہاد اور مجاہد اسی ”مُلَّا پاور“ کی برکت سے موجود اور قائم ہیں، جس دن دُنیا سے ”مُلَّا پاور“ کا خاتمہ ہوگا وہ دُنیا کا آخری دن ہوگا، جب تک مُلَّا رہے گا، دُنیا قائم رہے گی، یا یوں کہئے کہ جب تک دُنیا رہے گی ”مُلَّا پاور“ بھی رہے گی۔

کیا ہم اپنے روشن ضمیر اور دانش ور کالم نگار سے پوچھ سکتے ہیں کہ آج تک پاکستان کے مطلق العنان حکمرانوں کی راہ کس نے روکی؟ آج تک پاکستان میں نفاذِ اسلام اور قیامِ پاکستان کے مقصد کو کس نے زندہ رکھا؟ ۱۹۷۴ء کی قومی اسمبلی میں مرزا

ناصر احمد قادیانی پر جرح کس نے کی؟ ۱۹۸۴ء میں قادیانیوں کو اسلامی اصطلاحات استعمال کرنے اور اپنے آپ کو اشارے کنائے سے مسلمان ظاہر کرنے اور توہینِ رسالت کے انسداد کا آرڈی نینس کس نے پاس کرایا؟ حدود آرڈی نینس کے نفاذ کی کوشش اور سرحد میں بھٹو دور میں شراب پر پابندی کس نے لگائی؟ پاکستان میں شریعت بل کس نے پیش کیا؟ جہادِ افغانستان میں جانیں کس نے لڑائیں؟ افغانستان اور چیچنیا کے جہاد کا فتویٰ کس نے دیا؟ اِنقلابِ رُوس کے سامنے بند کس نے باندھا؟ افغانستان پر امریکی حملے کی کھل کر مخالفت کس نے کی؟ امریکہ بہادر کو کس نے للکارا؟ اسرائیل کے تسلیم کئے جانے کے خلاف آواز کس نے اُٹھائی؟ عراق کے مسئلے پر اس نقارخانے میں آواز کس نے اُٹھائی؟ عراق میں پاکستانی افواج بھیجنے کے مسئلے کی مخالفت کس نے کی؟ اور آج تک آمر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں کس نے ڈال رکھی ہیں...؟

اگر میر جعفر و صادق کی پالیسی دِین فروشی، اور ملک و قوم دُشمنی کی رہی ہے، تو مُلَّا کا بھی یہ طرۂ امتیاز رہا ہے کہ اس نے کبھی زہرِ ہلاہل کو قند نہیں کہا، اس کا یہی وہ سب سے بڑا جرم ہے جس کی وہ آج تک سزا بھگت رہا ہے اور نامعلوم کب تک بھگتتا رہے گا؟

ہاں! البتہ یہ ضرور ہے کہ مُلَّا نے کبھی دُنیاوی اغراض کو پیشِ نظر نہیں رکھا، مُلَّا کے پاس کبھی دُنیاوی اسباب و وسائل نہیں تھے، اور نہ ہی اس نے ان کے حصول کی کوشش کی، مُلَّا نے انگریزوں سے جاگیریں لیں اور نہ ہی اس نے خطابات وصول کئے، قوّت و طاقت ہمیشہ انگریزوں اور ان کے وفاداروں کے پاس رہی ہے، اسی طرح جاگیریں اور خطابات بھی انہیں کے پاس تھے، اقتدار و قوّت بھی انہیں کے ہاں تھی، مُلَّا کے پاس اگر کچھ تھا تو صرف اور صرف اللہ کی مدد و نصرت۔ مُلَّا نے ہمیشہ اللہ کی تائید و حمایت پر شاہینوں سے ممولے لڑائے ہیں، مُلَّا کو کبھی بھی اپنی قوّت و طاقت اور ''پاور'' پر بھروسہ یا ناز نہیں رہا، یہی وجہ ہے کہ وہ ہمیشہ اور ہر میدان میں سرخرو ہوکر نکلا

ہے، اس کی یہی خوبی ہمیشہ اربابِ اقتدار اور ان کے کاسہ لیس سرکاری درباری حواریوں کی آنکھ میں کھٹکتی رہی ہے، مُلَّا نے ہمیشہ تختۂ دار پر اعلانِ حق کیا ہے، مُلَّا نے اپنی جان کی بازی لگاکر اُمت کے دِین و مذہب کو محفوظ کیا ہے، مگر اے کاش! کہ آج اسی پاکستان میں مُلَّا کو بے نقط سنائی جاتی ہیں، اس کی توہین و تضحیک کی جاتی ہے، اس کی قربانیوں کا انکار کیا جاتا ہے، جس کے لئے اس نے ہندوؤں، سکھوں، مرہٹوں اور انگریزوں سے ٹکر لی، اپنی جان و مال اور عزّت و آبرو کی قربانی دی، جس نے انگریز کو ہندوستان سے بستر بوریا لپیٹنے پر مجبور کیا، جس نے انگریزی نبی غلام احمد قادیانی کے خلاف سو سال تک چومکھی لڑائی لڑی، ماریں کھائیں، جیلیں برداشت کیں، جلسے کئے، جلوس نکالے، مناظرے کئے، مباہلے کئے، کتابیں لکھیں، اور اپنی پوری زندگی ناموسِ رسالت کے لئے وقف کرکے مسلمانوں کے دِین و ایمان کی پاسداری کا فریضہ انجام دیا، یہاں تک کہ مُلَّا نے ہی ان روشن ضمیر اور نام نہاد مسلمانوں کو یہ باور کرایا کہ غلام احمد قادیانی تمہاری آخرت کے ساتھ ساتھ دُنیا کا بھی دُشمن ہے۔

جب اس مُلَّا نے محسوس کیا کہ غلام احمد قادیانی کی ناپاک ذُرّیت پاکستان کے صوبہ بلوچستان پر ہاتھ صاف کرنے لگی ہے، اسے قادیانی اسٹیٹ بنانے کا منصوبہ بنایا جاچکا ہے، اور مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے اور خلیفۂ قادیان مرزا بشیرالدین محمود نے یہ اعلان کردیا کہ: ''۵۲ء گزرنے نہ پائے کہ مسلمان ذلیل ہوکر تمہارے قدموں میں آن پڑیں اور بلوچستان کو قادیانی صوبہ بنالو۔''

تب بھی سب سے پہلے ایک مُلَّا ہی میدان میں آیا، جس کا نام انگریز کی ڈائری اور سی آئی ڈی کی فائلوں میں مولانا سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری کے عنوان سے محفوظ ہے، اس نے میدان میں آتے ہی انگریزی نبی کے بیٹے کو للکارا اور کہا: ''مرزا بشیرالدین! ہم تیرا خواب کبھی شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیں گے''، چنانچہ اسی نہتے مُلَّا نے پورے پاکستان کو آتش زیرپا کردیا اور ۱۹۵۳ء کی تحریک چلی، یہی تحریک ہے جس کے

بارے میں موصوف کالم نگار فرماتے ہیں کہ: ''یہ مُلاّ پاور کی وجہ سے نہیں تھی''، کیا ہم موصوف سے پوچھ سکتے ہیں کہ اس تحریک کے اسباب و وجوہ کیا تھے؟ اس تحریک کو کس سرکاری، درباری افسر نے برپا کیا؟ کیا جناب کالم نگار صاحب اس کی وضاحت کرنا پسند فرماویں گے کہ وہ خود یا ان کے رُوحانی آباء و اجداد نے اس میں کوئی کردار ادا کیا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو انہیں مسلمانوں کی قربانیوں کے فلک بوس میناروں کو ڈھانے اور ان کی سنہری تاریخ کو مسخ کرنے کی آخر کیا ضرورت پیش آگئی؟ کہیں یہ بھی کسی قوّت و ''پاور'' کے حکم کا شاخسانہ تو نہیں؟ کیونکہ حقائق کے اس آفتابِ نصف النہار کو جھٹلانا کسی معمولی عقل وفہم کے انسان کے لئے نہ صرف مشکل، بلکہ ناممکن ہے۔

ہے کوئی جو بتائے کہ مُلاّ کا قصور کیا ہے؟ جس کی وجہ سے اس کی تاریخ کو مسخ کیا جاتا ہے، اس کی قربانیوں پر خطِ تنسیخ کھینچا جاتا ہے، نئی نسل کو اس سے متنفر و برگشتہ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے۔ صرف یہی ناں کہ اس نے کفر و اِلحاد سے صلح کیوں نہیں کی؟ اس نے اُمت کا رشتہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیوں جوڑ رکھا ہے؟ وہ سرکارِ عالی مدار کی ہاں میں ہاں کیوں نہیں ملاتا؟ وہ حلال کو حلال اور حرام کو حرام کیوں کہتا ہے؟ وہ دُنیا کے بدلے میں دِین کو فروخت کیوں نہیں کرتا؟ اور وہ کسی بڑے چھوٹے کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتا؟ اگر یہ نہیں، تو اس کے علاوہ اس کا قصور کیا ہے...؟

جہاں تک مُلاّ کی قربانی، ایثار اور فرض شناسی کا تعلق ہے، یہ اسی کی برکت ہے کہ آج ہم اور آپ سب اللہ و رسول کا نام جانتے ہیں، اور جیسا کیسا اسلام سے رشتہ قائم ہے، ورنہ اگر مُلاّ کی قربانی نہ ہوتی تو یہاں نہ کوئی حامد میر ہوتا نہ محمود، بلکہ دیال سنگھ، رام چندر نام کے لوگ ''رام رام'' کرتے دِکھائی دیتے۔

یہ بھی اسی نہتے اور اسباب و وسائل سے عاری ''مُلاّ'' کی محنت وسعی کی برکت ہے کہ ہم پاکستان جیسے آزاد ملک میں آزادی کا سانس لے رہے ہیں، اس غلط

فہمی کو دِل سے نکال دیجئے کہ پاکستان یوں ہی بن گیا ہے، بلکہ اس کے پیچھے، شاملی اور بالاکوٹ کے شہداء کا خون، تحریکِ ریشمی رُومال، تحریکِ خلافت، تحریکِ ترکِ موالات اور کالے پانی میں مقید مُلاّؤں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن،، مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مولانا عزیر گل رحمہم اللہ اور ان کے رفقاء کی بے مثال قربانیوں، اور آخر میں حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا ظفر احمد عثمانی اور مولانا شبیر احمد عثمانی قدس سرہم ایسے سینکڑوں علماء اور افرادِ اُمت کی مساعی کا دخل ہے۔

مناسب ہوگا کہ ''مُلاّ'' کی اہمیت وعظمت اور اس کے ایثار وقربانی کا اندازہ لگانے کے لئے کسی ''مُلاّ'' کی نہیں، بلکہ ایک سی ایس پی افسر اور جنرل غلام محمد کے افسر بکارِ خاص جناب قدرت اللہ شہاب کی ایک تحریر پیش کردی جائے، ممکن ہے کہ مُلاّ مخالف دانش وروں کے دِل و دِماغ میں ان کے ہم جنس کی بات اُتر جائے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> ''برہام پور گنجم، سنگلاخ پہاڑوں اور خاردار جنگل میں گھرا ہوا ایک گاؤں تھا، جس میں مسلمانوں کے بیس پچیس گھرانے آباد تھے۔ ان کی معاشرت ہندوانہ اثرات میں اس درجہ ڈُوبی ہوئی تھی کہ رومیش علی، صفدر پانڈے، محمود مختی، کلثوم دیوی اور بھادئی جیسے نام رکھنے کا رواج عام تھا، گاؤں میں ایک نہایت مختصر کچی مسجد تھی، جس کے دروازے پر اکثر تالا پڑا رہتا تھا، جمعرات کی شام دروازے کے باہر ایک مٹی کا دِیا جلا دیا جاتا تھا، کچھ لوگ نہا دھوکر آتے تھے اور مسجد کے تالے کو چوم کر ہفتہ بھر کے لئے اپنے دِینی فرائض سے سبکدوش ہوجاتے تھے۔
>
> ہر دُوسرے تیسرے مہینے ایک مولوی صاحب اس گاؤں میں آکر ایک دو روز کے لئے مسجد آباد کر جایا کرتے تھے،

اس دوران میں اگر کوئی شخص وفات پا گیا ہوتا، تو مولوی صاحب اس کی قبر پر جا کر فاتحہ پڑھتے تھے، بیماروں کو تعویذ لکھ دیتے تھے اور اپنے اگلے دورے تک جانور ذبح کرنے کے لئے چند چھریوں پر تکبیر پڑھ جاتے تھے، اس طرح مولوی صاحب کی برکت سے گاؤں والوں کا دِینِ اسلام کے ساتھ ایک کچا سا رشتہ بندھا رہتا تھا۔

برہام پور گنجم کے اس گاؤں کو دیکھ کر زندگی میں پہلی بار میرے دِل میں مسجد کے مُلاّ کی عظمت کا کچھ احساس پیدا ہوا، ایک زمانے میں مُلاّ اور مولوی کے القاب علم و فضل کی علامت ہوا کرتے تھے، لیکن سرکارِ انگلشیہ کی عمل داری میں جیسے جیسے ہماری تعلیم اور ثقافت پر مغربی اقدار کا رنگ و روغن چڑھتا گیا، اسی رفتار سے مُلاّ اور مولوی کا تقدس بھی پامال ہوتا گیا، رفتہ رفتہ نوبت بایں جا رسید کہ یہ دونوں تعظیمی اور تکریمی الفاظ تضحیک و تحقیر کے ترکش کے تیر بن گئے، داڑھی والے ٹھوٹھ اور ناخواندہ لوگوں کو مذاق ہی مذاق میں مُلاّ کا لقب ملنے لگا، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دفتروں میں کوٹ پتلون پہنے بغیر دِینی رُجحان رکھنے والوں کو طنز و تشنیع کے طور پر مولوی کہا جاتا تھا، مسجد کے اِماموں پر جمعراتی، شبراتی، عیدی، بقرعیدی، اور فاتحہ دُرود پڑھ کر روٹیاں توڑنے والے، قل اعوذئے مُلاّؤں کی پھبتیاں کسی جانے لگیں، لُو سے جھلس جانے والی گرم دوپہروں میں خس کی ٹٹیاں لگا کر پنکھوں (یہ ایئر کولر اور ایئر کنڈیشنر کے عام ہونے سے پہلے کی بات ہے) کے نیچے بیٹھنے والے یہ بھول گئے، کہ محلے کی مسجد میں ظہر کی اذان ہر روز عین وقت پر اپنے آپ کس طرح

ہوتی رہتی ہے؟ کڑکڑاتے جاڑے میں نرم و گرم لحافوں میں لپٹے ہوئے اجسام کو اس بات پر کبھی حیرت نہیں ہوئی، کہ اتنی صبح منہ اندھیرے اُٹھ کر فجر کی اذان اس قدر پابندی سے کون دے جاتا ہے؟ دِن ہو یا رات، آندھی ہو یا طوفان، امن ہو یا فساد، دُور ہو یا نزدیک، ہر زمانے میں شہر شہر، گلی گلی، قریہ قریہ، چھوٹی بڑی کچی مسجدیں اسی ایک مُلاّ کے دَم سے آباد تھیں۔ جو خیرات کے ٹکڑوں پر مدرسے میں پڑھا تھا اور دربدر کی ٹھوکریں کھا کر، گھر بار سے دُور کہیں اللہ کے گھر میں سر چھپا کر بیٹھ رہا تھا، اس کی پشت پر نہ کوئی تنظیم تھی، نہ کوئی فنڈ تھا، نہ کوئی تحریک تھی، اپنوں کی بے اعتنائی، بیگانوں کی مخاصمت، ماحول کی بے حسی، اور معاشرے کی کج ادائی کے باوجود اس نے نہ اپنی وضع قطع کو بدلا اور نہ اپنے لباس کی مخصوص وردی کو چھوڑا، اپنی استطاعت اور دُوسرے کی توفیق کے مطابق اس نے کہیں دِین کی شمع، کہیں دِین کا شعلہ، کہیں دِین کی چنگاری کو روشن رکھا، برہام پور گنجم کے گاؤں کی طرح جہاں دِین کی چنگاری بھی گل ہو چکی تھی، مُلاّ نے اس کی راکھ ہی کو سمیٹ کر بادِ مخالف کے جھونکوں میں اُڑ جانے سے محفوظ رکھا، یہ مُلاّ کا ہی فیض تھا کہ کہیں کام کے مسلمان، کہیں نام کے مسلمان، کہیں محض نصف مسلمان ثابت و سالم برقرار رہے، اور جب سیاسی میدان میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان آبادی کے اعداد و شمار کی جنگ ہوئی، تو ان سب کا اندراج مردم شماری کے صحیح کالم میں موجود تھا، برِصغیر کے مسلمان عموماً اور پاکستان کے مسلمان خصوصاً مُلاّ کے اس احسانِ عظیم سے کسی طرح سبکدوش نہیں ہو سکتے، جس نے کسی نہ کسی طرح،

کسی نہ کسی حد تک ان کے تشخص کی بنیاد کو ہر دور اور ہر زمانے میں قائم رکھا۔" (شہاب نامہ ص: ۲۴۰، ۲۴۱)

موصوف کالم نگار، مُلّاَ دُشمنی کے جوش میں، ۷؍ستمبر ۱۹۷۴ء کی اس آئینی ترمیم کے بارے میں، جس کے ذریعہ قادیانیوں کو غیرمسلم اقلیت قرار دیا گیا تھا، فرماتے ہیں:

"ذوالفقار علی بھٹو نے ۱۹۷۴ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ قانون منظور کرواکر قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دِلوایا۔ ۱۹۷۴ء کی اسمبلی میں بھٹو، مُلّاؤں کے قطعاً محتاج نہ تھے اور نہ ہی اس وقت سڑکوں پر کوئی تحریک چل رہی تھی، قادیانیوں کو غیرمسلم قرار دینے کا فیصلہ پاکستانی مسلمانوں کی اکثریت کی مرضی سے ہوا، جس کا ثبوت تمام منتخب اراکینِ پارلیمنٹ کی طرف سے قانون کی منظوری تھی، لہٰذا اس فیصلے کو مُلّاؤں کے دباؤ کا نتیجہ قرار دینا قطعاً غلط ہے۔"

ہمارے "ممدوح" کالم نگار کا یہ کہنا کہ ۱۹۵۳ء کی اینٹی قادیانی تحریک اور ۱۹۷۴ء کی تحریک میں "مُلّاَ" کا کوئی کردار نہیں تھا، تجاہلِ عارفانہ ہے یا پھر شرمناک ڈھٹائی، یقیناً اب بھی ان ہر دو تحریکوں میں مار کھانے والے موجود ہوں گے، اور خیر سے اب تو ان ہر دو تحریکوں کی تاریخ مرتب ہوکر کتابی شکل میں منصۂ شہود پر بھی آچکی ہے اور عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت ملتان کے بزرگ راہ نما مولانا اللہ وسایا صاحب نے اس پورے دور کے اخبارات، مجلّات، اشتہارات اور حکومت سے "مُلّاَ" کے مذاکرات کی رُوئیداد کو یکجا کرکے دورِ حاضر کے "اینٹی مُلّاَ" افراد اور بزرچ مہروں کی جہالت و لاعلمی کا خوبصورت دستاویزی ثبوت مہیا فرمادیا ہے۔

ہمارے خیال میں موصوف کا یہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی کہے کہ قیامِ پاکستان

کے لئے کوئی تحریک نہیں چلی تھی اور نہ ہی اس کے لئے انگریزوں پر کوئی دباؤ تھا، بلکہ پاکستان انگریزوں کی مسلمانوں پر "شفقت و خیرخواہی" کی "برکت" سے معرضِ وجود میں آیا ہے، جس طرح یہ کہنا حقائق سے انحراف اور قیامِ پاکستان کے لئے جان و مال اور عزّت و آبرو کی قربانی دینے والوں کی قربانیوں کا انکار ہے، ٹھیک اسی طرح ۱۹۷۴ء کی آئینی ترمیم کو کسی تحریک اور دباؤ کا نتیجہ نہ سمجھنا بھی حقائق کا منہ چڑانے اور مسلمانوں کی قربانیوں پر پانی پھیرنے کے مترادف ہے۔

کیا مئی ۱۹۷۴ء میں ربوہ اسٹیشن پر مرزا طاہر کی سربراہی میں ملتان نشتر میڈیکل کے طلبہ پر حملہ نہیں کیا گیا؟ کیا آل پارٹیز مجلسِ عمل نے ملک بھر میں مسلمانوں کو بیدار نہیں کیا؟ کیا حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوریؒ، مولانا مفتی محمودؒ، مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مولانا شاہ احمد نورانی وغیرہ بلکہ ملک بھر کے علماء نے پورے ملک کے دورے کرکے مسلمانانِ پاکستان کی ذہن سازی نہیں کی؟ کیا بھٹو صاحب نے متعدّد بار علماء کے ساتھ اس مسئلے میں ملاقات و مذاکرات سے انکار نہیں کردیا تھا؟ کیا اسمبلی میں ارکانِ اسمبلی کی ذہن سازی نہیں کی گئی؟ کیا ارکانِ اسمبلی نے شروع شروع میں اس مسئلے سے صَرفِ نظر نہیں کیا تھا؟ کیا ۳۰؍مئی سے ۷؍ستمبر تک کے اخبارات و رسائل اور مجلّات نے اس تحریک کی لمحہ بہ لمحہ رپورٹیں شائع نہیں کی تھیں...؟

کیا موصوف ان تمام حقائق، اخبارات و رسائل اور مجلّات میں موجود تفصیلات سے انحراف کی تاب رکھتے ہیں؟ کیا موصوف کے خیال میں ہماری نسلیں ایسی اندھی، بہری اور جاہل ہیں کہ جس کی جو مرضی آئے کرتا رہے، ان کی اور ان کے اسلاف و اکابر کی تاریخ جس طرح بگاڑے یا ان کے کارناموں کا انکار کرے، وہ اس پر خاموش رہیں گی...؟

ہم نہایت ہی ادب سے موصوف کی خدمت میں عرض کرنا چاہیں گے کہ آپ اپنے بارے میں جو چاہیں کہیں، لکھیں اور جس کا چاہیں ساتھ دیں، مگر مُلّاَ دُشمنی

میں حقائق کا انکار نہ کریں۔ مُلاَّ دُشمنی میں مسلمانوں کی قربانیوں کا انکار کرنا کوئی کمال نہیں، اور نہ ہی یہ عقل و دانش اور شرافت و دیانت کا تقاضا ہے، آفتابِ نصف النہار کا انکار کوئی مادرزاد اندھا ہی کرسکتا ہے، یا پھر متعنّت، ضدی اور جاہل ہی اس کی ہمت کرسکتا ہے۔ اسی طرح انہیں یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ چاند پر تھوکنے سے تھوکنے والے کا اپنا منہ ہی گندہ ہوگا، چاند کا کچھ نہیں بگڑے گا۔ آخر میں ہم موصوف کو مشورہ دیں گے کہ تحریکِ ختمِ نبوّت ۱۹۷۴ء جلد دوم اور سوم کا مطالعہ فرمالیں، اِن شاء اللہ ان کی سب غلط فہمیاں دُور ہوجائیں گی۔

ب:... جناب کالم نگار نے "مُلاَّ" پر اپنی نوازشات کی مزید بھرمار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"فلم کے اسکرپٹ رائٹرز نے یہ پہلو نظر انداز کردیا کہ جہادِ کشمیر کا ۱۹۴۷ء میں آغاز ہوا تو مُلاَّؤں کی طرف سے اس جہاد کو کفر قرار دیا گیا اور کہا گیا کہ جہاد کا اعلان حکومت کی مرضی کے بغیر نہیں ہوسکتا، مجاہدین نے کفر کا فتویٰ دینے والوں سے پوچھا شہدائے کربلا نے کون سی حکومت سے پوچھ کر یزید کے خلاف جہاد کیا تھا تو مُلاَّ حضرات اپنی بغلیں جھانکنے لگے۔"

صحافت کے ذریعہ اگر دیانت و صداقت کا پاس کرتے ہوئے پوشیدہ حقائق کو اُجاگر کیا جائے، ظلم و تعدی اور جبر و استبداد کی راہ روکی جائے، جھوٹ و کرپشن کا سدِ باب کی جائے اور حق کا بول بالا کیا جائے تو ایسی صحافت نہ صرف قوم و ملک کی خدمت ہے، بلکہ یہ بہترین جہاد بھی ہے، لیکن اگر صحافت کا مقصد مال و زَر کا حصول، اسبابِ دُنیا کی تحصیل، اکابر و اسلاف کی قربانیوں کا انکار، مخالفین پر کیچڑ اُچھالنا اور ان پر تہمت و افترا پردازی قرار پائے، تو اس سے بڑی کوئی بُرائی نہیں۔

موجودہ دور کے یہودی اور عیسائی میڈیا سازوں نے جہاں دُوسری انسانی

قدروں کا قتلِ عام کیا ہے، وہاں انہوں نے صحافت کو بھی اس مقتل گاہ میں چند سکوں کے عوض قربان کردیا ہے، اب صحافت اس کا نام ہے کہ جس کے ہاتھ میں قلم آجائے وہ جب اور جس کی چاہے پگڑی اُچھالے، حقائق مسخ کرے، جس کے نام جو چاہے منسوب کردے، اس سے کوئی پوچھنے والا نہیں، چنانچہ ہمارے مخاطب کالم نگار بھی اسی گروہ کے سرگرم کارکن، بلکہ اس جماعت کے صدرنشین معلوم ہوتے ہیں، کیا ان سے کوئی یہ پوچھنے کی گستاخی کرسکتا ہے کہ وہ مجاہدین کون تھے جنھوں نے ۱۹۴۷ء میں جہادِ کشمیر کا اعلان کیا تھا؟ پھر اعلانِ جہاد کے بعد ان کو فتویٰ کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟ اسی طرح کیا وہ یہ وضاحت کرنا پسند فرمائیں گے کہ وہ کون سے "مُلاَّ" تھے جنھوں نے یہ فتویٰ دیا تھا...؟

قطع نظر اس کے کہ جہادِ شرعی کی کچھ شرائط و قیود ہیں، اور اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجاہدین کا کوئی باقاعدہ امیر بھی ہو، تاکہ مجاہدین کی سعی و جدوجہد مؤثر و نتیجہ خیز ثابت ہوسکے، کارکنان یا مجاہدین افتراق و انتشار کا شکار نہ ہوں، اور وہ کسی نظم کے تحت منظّم ہوکر دُشمن کا مقابلہ کریں، ورنہ ممکن ہے کہ معمولی سی بے تدبیری اور نااتفاقی کی پاداش میں دُشمن کے بجائے اپنی قیمتی جانوں کو ضائع کربیٹھیں۔

پھر یہ بھی قابلِ تعجب اور باعثِ حیرت ہے کہ یہ الزام انہیں "مُلاَّؤں" پر لگایا جاتا ہے جو ۱۸۵۷ء سے انگریز بہادر سے برسرِپیکار چلے آرہے تھے، کیا کوئی باور کرسکتا ہے کہ جو "مُلاَّ" مسلمانوں کو انگریز دُشمنی کا درس دیتا آیا ہو، جس کے اکابر نے شاملی اور بالاکوٹ میں جامِ شہادت نوش کیا ہو، جو مسلمانوں کو تحریکِ ریشمی رُومال، تحریکِ خلافت اور تحریکِ ترکِ موالات کا درس دیتا ہو، اور انگریز کی فوج میں بھرتی کے خلاف فتویٰ دے کر عدالت میں سر پر کفن باندھ کر جاتا ہو، اور جو مُلاَّ کالاپانی کی قید بامشقت کو انگریز کی حکومت پر ترجیح دیتا ہو، وہ کیونکر یہ فتویٰ دے گا کہ جہاد نہ کرو اور کرو تو حکومت سے پوچھ کر کرو؟

اگر کوئی حقائق و واقعات کا کھلی آنکھوں مشاہدہ کرے، بشرطیکہ اس کی آنکھوں پر ''مُلّا عداوت'' کی پٹی بندھی ہوئی نہ ہوتو اسے صاف نظر آئے گا کہ جہادِ کشمیر ہو یا جہادِ افغانستان، اس میں ہمیشہ مُلّاؤں نے ہی مؤثر و فعال کردار ادا کیا ہے۔

اگر دِل میں خوفِ خدا اور فکرِ آخرت نہ ہوتو آدمی کذب و افترا کیا، بڑے سے بڑے گناہوں سے بھی دریغ نہیں کرتا، یہی کچھ ہمارے مغرب نواز کالم نگار نے کیا ہے، چنانچہ انہوں نے نہایت بے باکی سے یہ کہہ دیا کہ: ''۱۹۴۷ء کے جہاد کو مُلّاؤں کی طرف سے کفر قرار دیا گیا'' موصوف کے اس بہتان و افترا کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے چوہدری غلام نبی کی کتاب ''تحریکِ کشمیر سے تحریکِ ختمِ نبوّت تک'' کا ایک حوالہ نقل کردینا مناسب معلوم ہوگا، چنانچہ موصوف جہادِ کشمیر کے پسِ منظر پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اسی دور میں ہندوستان کی طرف سے کشمیر میں فوجی مداخلت ہوئی اور بزورِ شمشیر کشمیر کو ہندوستان کا اَٹوٹ اَنگ قرار دیا گیا، وزیراعظم پاکستان نواب زادہ لیاقت علی خان نے اس صورتِ حال پر ہندوستانی حکمرانوں کو جھنجھوڑا اور کہا: کشمیر ہمارا ہے، اسے ہر قیمت پر حاصل کرکے رہیں گے۔'' (ص:۱۲۴)

ایک صفحہ آگے اس جہاد میں علماء کے کردار کو بیان کرتے ہوئے موصوف لکھتے ہیں:

''وزیراعظم پاکستان نوابزادہ لیاقت علی خان نے کشمیر پر اعلانِ جنگ کردیا، جس پر پوری قوم ان کی ہم نوا بن گئی، اس جنگ میں مجلس احرارِ اسلام سیسہ پلائی ہوئی دیوار ثابت ہوئی، اور اس نے حکومتِ پاکستان کے موقف کی بھرپور اور دوٹوک حمایت کا اعلان کردیا، مجلس احرارِ اسلام نے اس موقع پر دِفاعِ

پاکستان کے عنوان پر جلسوں کا اعلان کرکے رائے عامہ ہموار کرنے اور قوم میں جذبۂ جہاد پیدا کرنے کی مہم شروع کردی۔ پاکستان کے تمام بڑے شہروں میں زبردست جلسے کئے گئے، عوام اور فوج دونوں کا لہو گرمایا گیا، انہیں جہاد کی اہمیت و افادیت سے آگاہ کیا گیا، مجلس احرارِ اسلام کے تمام راہ نما اس جدوجہد میں شریک ہوگئے۔'' (ص:۱۲۵)

ان دو اقتباسات سے موصوف کی غلط بیانی، کذب و افترا اور مُلّا سے عداوت کا کسی قدر اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

آخر میں ایک بار پھر نہایت خیرخواہی سے موصوف کالم نگار کی خدمت میں عرض کروں گا کہ کذب و افترا آدمی کو بالآخر ذلیل و رُسوا کرتا ہے، پھر جبکہ وہ معصوم اہلِ علم اور دِین داروں پر ہوتو دُنیا و آخرت کی بربادی کا ذریعہ ثابت ہوتا ہے، کیونکہ اہلِ بصیرت کا قول ہے کہ: ''علماء کا گوشت زہریلا ہے اور جس نے علماء کا گوشت کھایا وہ ہلاک ہوا''۔ اس لئے اپنے دِین و ایمان پر رحم کھاتے ہوئے، اس رَوِش سے فوراً باز آجائیں اور مقبولانِ بارگاہِ الٰہی کی پوستین دری کے بدترین مشغلے سے توبہ کرلیں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان ۱۴۲۴ھ مطابق نومبر ۲۰۰۳ء)

علماء کا قتلِ عام اور ہماری ذمہ داری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اس وقت اسلام دُشمن قوتیں اسلام کو نابود کرنے، مسلمانوں کو زیر کرنے، اور ان کے قائدین خصوصاً علمائے حق کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کرنے کی جس رَوِش پر گامزن ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مسلمانوں اور خصوصاً علمائے اُمت نے اس طوفان اور یلغار کے سامنے معقول و مضبوط بند باندھنے کی کوشش نہ کی تو...معاذ اللہ... وہ دن دُور نہیں جب لوگ اسلام کا نام لینے اور اسلام سے اپنا رشتہ جوڑنے سے گھبرانے اور ہچکچانے لگیں۔

بلاریب ہمارا عقیدہ و ایمان ہے کہ اسلام قیامت تک باقی رہے گا، اور اس کے نام لیوا بھی رہیں گے، مگر اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ بے حسی، انہیں اسلام سے وابستگی کی اس سعادت سے محروم نہ کردے۔ بلاشبہ موجودہ رَوِش مسلمانوں کو کسی خطرناک صورتِ حال سے دوچار کرسکتی ہے، عین ممکن ہے کہ ہمارا دُشمن ہمارے اختلاف، انتشار، خودغرضی، مفاد پرستی، عصبی، گروہی، لسانی اور مسلکی تقسیم در تقسیم سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ہمیں فتح کرنے میں کامیاب ہوجائے، بہرحال اس وقت پاکستان ہی نہیں، دُنیا بھر کے مسلمانوں کی حالت قابلِ ترس اور لائقِ اصلاح ہے۔

گزشتہ کئی سالوں سے پاکستان اور خاص کر کراچی میں علمائے حق کو جس

بے دردی سے قتل کیا جارہا ہے اور پے در پے وارداتوں میں انہیں جس طرح نشانہ بنایا جارہا ہے وہ کسی سے مخفی نہیں، اس صورتِ حال کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ گولی کا نشانہ بننے والے اکابر علماء میں سے آج تک کسی کے قاتل کو سزا تو کیا ہوتی، ان میں سے کوئی گرفتار تک نہیں ہوا، اور جو نام نہاد گرفتار ہوا وہ بھی چھوٹ گیا۔

مگر بایں ہمہ طبقۂ اہلِ علم نہایت بے بسی سے خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہا ہے، ممکن ہے وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہوں۔

ہائے افسوس! کس قدر بے حسی کا دور دورہ ہے کہ جس ادارہ پر افتاد پڑتی ہے، اکیلا وہی روتا، چیختا، چلاتا اور سر پیٹتا ہے، مگر اس کی آواز میں آواز ملانے کو کوئی تیار نہیں ہوتا، اس سے انکار نہیں کہ وقتی طور پر کچھ نہ کچھ ہلچل ہوتی ہے، مگر دو چار میٹنگوں اور اجلاسوں کے بعد بڑے سے بڑا معاملہ بھی سرد خانے کی نذر ہوجاتا ہے۔

کراچی کی حد تک ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ دہشت گردی اور علماء کشی کی یہ آگ اب کسی ایک فرد یا ادارے تک محدود نہیں رہی، بلکہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، جامعہ اشرف المدارس گلشن اقبال، جامعہ بنوریہ سائٹ ایریا، جامعہ دار الخیر گلستان جوہر، جامعہ رحمانیہ بفرزون، دارالعلوم حنفیہ اورنگی ٹاؤن، جامعۃ الرشید احسن آباد، جامعہ انوار القرآن، اقرأ روضۃ الاطفال ٹرسٹ اور عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کراچی تک اس کا دائرہ وسیع ہوچکا ہے، اور ان کے چیدہ، چیدہ علماء، بزرگانِ دِین اور اہم کارکن اس کی لپیٹ میں آچکے ہیں، جبکہ شنید ہے کہ اب دارالعلوم کراچی کے علماء کو بھی فون پر دھمکیاں مل رہی ہیں، جس کی وجہ سے انہوں نے بھی اپنی سرگرمیاں محدود سے محدود تر کردی ہیں۔

گویا اب دہشت گردی سے کوئی بھی محفوظ نہیں، بلکہ سب علماء دہشت گردوں کے نشانے پر ہیں، اور وہ موقع و محل کی تلاش و انتظار میں ہیں، جہاں ان کو موقع ملتا ہے وہ اپنی کاروائی کرکے اطمینان سے فرار ہوجاتے ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ ایک سوچی سمجھی اسکیم اور طے شدہ منصوبہ ہے، جس کی تکمیل اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے ایک نیٹ ورک قائم ہے اور مخفی قوّتیں ان کی سرپرستی کر رہی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ کون لوگ ہیں؟ ان کی پشت پناہی کرنے والی قوّتیں کون سی ہیں؟ ان کے عزائم و مقاصد کیا ہیں؟ اور یہ کہ اس گھمبیر صورتِ حال کے نتائج کیا برآمد ہوں گے؟ ملک وقوم پر اس کے کیا اثرات وثمرات مرتب ہوں گے؟ اربابِ اقتدار، فوج اور سوِل سروِس کے ذمہ داروں، علمائے اُمت اور مسلمانوں پر اس سلسلے کی کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ اور اس کے لئے مذکورہ افراد، اداروں اور جماعتوں نے کیا کردار ادا کیا ہے؟ سب سے بڑھ کر یہ کہ دہشت گردی کا نشانہ بننے والے علمائے کرام نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے؟ اگر نہیں تو کیا ابھی تک اپنی بقا اور تحفظ کے لئے آواز اُٹھانے، اس کے لئے ٹھوس لائحہ عمل اپنانے اور متحد و متفق ہونے کا وقت نہیں آیا؟ کیا اب بھی خاموش رہنے اور مصلحت کوشی کی گنجائش ہے؟ ہمارے خیال میں اگر اس صورتِ حال کا تدارک نہ کیا گیا، متفقہ اور متحدہ آواز نہ اُٹھائی گئی اور کوئی مضبوط اور ٹھوس لائحہ عمل نہ اپنایا گیا تو ہمیں چن چن کر ختم کردیا جائے گا، نہ صرف یہ کہ اس سے اسلام کا نام لینے والے ختم ہوجائیں گے، بلکہ آنے والی نسلیں بھی ہمارے اس جرم کو کبھی معاف نہیں کریں گی۔

جس طرح ہر طبقۂ زندگی اور ہر شعبے کے لوگ اپنے ہم پیشہ افراد کی عزّت و ناموس اور جان و مال کے تحفظ کے لئے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہیں، اور وہ ایسی کسی کاروائی کے موقع پر یک زبان ہوکر میدان میں کود جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح علماء کو بھی اس وقت اپنی بقا کے لئے ٹھوس لائحہ عمل اختیار کرنا چاہئے۔

دُنیا بھر میں رکشہ، ٹیکسی، بس، ٹرک، ٹینکر ڈرائیوروں، کلرکوں حتیٰ کہ بھنگیوں کا بھی ایکا اور اتحاد ہے اور وہ بھی اپنے کسی ہم پیشہ کی جان، مال اور عزّت و آبرو کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار نظر آتے ہیں، تو اہلِ علم اور علماء اتنا عظیم مقصد

پر کیوں جمع نہیں ہوسکتے؟

اگر دُنیاوی پیشے سے منسلک افراد میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچے اور اس کی برادری، حکومت اور انتظامیہ کو بے بس کرسکتی ہے تو کیا علماء حکومت کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کرسکتے...؟ یقیناً کرسکتے ہیں، مگر افسوس کہ علماء کو اپنی قوّت و طاقت کا اندازہ نہیں یا پھر انہیں اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔

اس لئے اب وقت اور حالات کا تقاضا ہے کہ علماء اپنی قوّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہمت و جرأت سے اس بدترین صورتِ حال کا مقابلہ کریں، سر جوڑ کر بیٹھیں، حکومت کو مجبور کریں کہ وہ اس صورتِ حال کا تدارک کرے، نیز اسے باور کرایا جائے کہ اگر اس نے اس کا سدِ باب نہ کیا تو بگڑنے والے حالات کی تمام تر ذمہ داری حکومت اور انتظامیہ پر ہوگی۔

یہ ہماری اسی بے بسی، بے حسی، اختلاف و انتشار کا نتیجہ ہے کہ دہشت گرد ہمارے اکابر کو ایک ایک کرکے ختم کرتے جارہے ہیں اور ہم بے حسی سے ایک کے بعد دُوسرے اُٹھنے والے بزرگوں پر چند روز تک آنسو بہاکر خاموش ہوجاتے ہیں اور دہشت گرد اپنی فہرست کے اگلے نام اور شخصیت پر نگاہیں مرکوز کرلیتے ہیں، موقع پاکر اسے راستے سے ہٹاتے ہیں تو اس سے اگلے شکار کی تلاش میں سرگرم ہوجاتے ہیں۔ یوں دہشت گرد مولانا انیس الرحمٰن شہیدؒ، مولانا حبیب اللہ مختار شہیدؒ، مولانا مفتی عبدالسمیع شہیدؒ، مولانا عنایت اللہ شہیدؒ، مولانا حمید الرحمٰن عباسی شہیدؒ، مولانا مفتی اقبال شہیدؒ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، مولانا مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ، مولانا مفتی محمد جمیل خان شہیدؒ، مولانا نذیر احمد تونسوی شہیدؒ، مولانا مفتی محمد عامر شہیدؒ، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن شہیدؒ کے علاوہ جامعہ فاروقیہ کے ڈرائیور، طالبِ علم، حضرت لدھیانویؒ کے ڈرائیور، جامعہ علومِ اسلامیہ کے ڈرائیور، جامعہ بنوری کے طلبہ اور جامعۃ الرشید کے کارکنان سمیت دسیوں افراد اور اکابر علمائے اُمت ہم سے چھین چکے ہیں،

مگر افسوس کہ ابھی تک ہم خوابِ غفلت سے بیدار نہیں ہوئے۔

یہ چند معروضات، دردِ دِل کے طور پر قلم برداشتہ لکھ دی ہیں، خدا کرے ہمارے اکابر علماء، اربابِ مدارس اور دِینی تنظیموں کے ذمہ داران اس کی طرف توجہ فرمائیں اور اس پریشان کن صورتِ حال کا تدارک فرماویں۔

مناسب ہوگا کہ اس موقع پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان آگے آئے، قیادت سنبھالے، اپنی بھرپور قوت اور مؤثر طاقت کو استعمال کرتے ہوئے پاکستان بھر کے اربابِ مدارس کا اجلاس بلائے اور سر جوڑ کر اس صورتِ حال کا جائزہ لے، اس کا سدِ باب کرے، اور بحمد اللہ! وہ اس کام کو بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہے، لہٰذا وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے متفقہ پلیٹ فارم سے اس آواز کو اُٹھایا جائے اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان ہی اس قضیہ کو اپنے ہاتھ میں لے کر قائدانہ کردار ادا کرے۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه محمد وآله وأصحابه أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاخریٰ ۱۴۲۶ھ)

حذر! اے چیرہ دستاں!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

آج ۳۰ر مئی ۲۰۰۵ء کو جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر، شیخ الحدیث، عظیم محقق اور بین الاقوامی اسکالر حضرت مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار شہیدؒ، جامعہ کے فاضل و وفادار، لائق و قابل مدرّس اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ کے معتمد مولانا مفتی عبدالسمیعؒ کی مظلومانہ شہادت کو تقریباً آٹھ سال ہونے کو ہیں۔ حضرت بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ولختِ جگر، جامعہ علومِ اسلامیہ کے نائب مدیر صاحبزادہ مولانا سیّد محمد بنوریؒ کی المناک موت اور قتل کو پورے سات سال کا طویل عرصہ ہو رہا ہے۔ اسی طرح حضرت بنوری قدس سرہٗ کے ہم نام و ہم کام، مخدوم العلماء، حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کی شہادت کو پانچ سال اور بارہ دن ہو چکے۔ اور مسندِ بنوری کے جانشین، امام المجاہدین حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزیؒ کی جدائی اور شہادت کو ایک سال ہو رہا ہے۔ جبکہ اکابر کے مشن کے امین، خادم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد جمیل خانؒ اور مولانا نذیر احمد تونسویؒ کی شہادت کو پورے آٹھ ماہ ہو چکے ہیں، مگر اب تک ان میں سے کسی ایک کے قاتلوں کا سراغ نہیں مل سکا، اور جن کے نام نہاد قاتل پکڑے گئے، وہ بھی باعزّت بَری ہوکر کھلے عام دندناتے پھر رہے ہیں، نہ صرف یہ کہ اتنا طویل عرصہ گزرنے کے باوجود ان مظلوموں کے خون سے بے وفائی

کی گئی اور ان کے قاتلوں کو گرفتار نہیں کیا گیا، بلکہ آئندہ بھی دُور دُور تک اس کا کوئی امکان نظر نہیں آتا کہ مظلوموں کی اشک شوئی کی جائے گی۔

کیا کہا جائے کہ قاتل اتنا طاقت ور تھے یا ان کے سرپرست اتنا منہ زور، کہ کوئی ان کا بال بیکا نہ کرسکا؟ جس ملک میں امریکہ کے دُشمن پہاڑوں اور غاروں سے کھوج لگاکر نکالے جاسکتے ہوں، ممکن نہیں وہاں علماء کے قاتل چھپ سکیں؟ جہاں ممکنہ حملے کی منصوبہ سازی کرنے والے پیشگی دھر لئے جاتے ہوں، وہاں یہ کیونکر کہا جائے کہ دُشمنوں اور قاتلوں کا سراغ نہیں ملا؟ آخر ہم اپنی مظلومیت کا دُکھڑا کس کو سنائیں؟ اور اپنی رُوئیدادِ غم کس کے آگے بیان کریں؟ کوئی بتلائے کہ ہم کہاں جائیں؟ اور اپنے اکابر و بزرگوں کے مسلسل بہنے والے خون کی لکیر کا سرا کہاں سے پکڑیں؟ کس کو مجرم اور کس کو قاتل کہیں؟ نہیں معلوم کہ یہ ہماری شرافت کا صلہ ہے یا وطن سے محبت کی سزا! ملک وقوم کی خدمت کا تحفہ ہے یا امن وامان کی پاسداری کا اعزاز! آخر اس کو کیا نام دیا جائے...؟

کیا ہم یوں ہی گردنیں کٹواتے رہیں اور اربابِ فضل و کمال کی تیار فصلیں اُجڑتی دیکھتے رہیں؟ کیا ہم اس ملک کے شہری نہیں؟ کیا ہمارے خون کی کوئی قیمت نہیں؟

’’ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات‘‘ کے مصداق کہیں ہماری شرافت و دیانت کو ضعیفی و بزدلی کا نام تو نہیں دیا جارہا؟ کہیں یہ اہلِ حق کا نام ونشان مٹانے کے پروگرام کا حصہ تو نہیں؟ اگر نہیں تو کیا ہمارے اکابر کی استخلاصِ وطن کی مساعی اور خدمات کا یہی بدلہ ہے کہ ان کی اولادوں اور ان کے نام لیواؤں پر زمین تنگ کردی جائے؟ آخر کوئی بتلائے قرآن وسنت اور دِین و مذہب سے وابستگی اور ملک وملت کی تعمیر وترقی کے علاوہ ہمارا قصور کیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو گلیوں اور سڑکوں پر بے دریغ ہمارا خون کیوں بہایا جارہا ہے؟ اور اس کے سدِ باب کی طرف توجہ کیوں نہیں دی جاتی...؟

بلاشبہ ان اکابر کا خون اربابِ اقتدار کی گردنوں پر قرض ہے، اور شہداء کی رُوحیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے خونِ ناحق کا حساب دو، ورنہ عذابِ آخرت اور قہرِ الٰہی کے لئے تیار ہوجاؤ، اس لئے کہ:

حذر اے چیرہ دستاں! سخت ہیں فطرت کی تعزیریں

ہم نہایت دِل سوزی اور خیرخواہی سے اربابِ اختیار کی خدمت میں عرض کریں گے کہ اللہ کے ہاں دیر ہے، اندھیر نہیں، لہٰذا اللہ کی دی ہوئی مہلت اور ڈھیل سے دھوکا کھاکر اللہ کی پکڑ سے بے خوف نہ ہوں، اس لئے بلاتأخیر مظلوموں کی اشک شوئی کریں، ورنہ یاد رکھیں: اِنَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ! (بے شک تیرے رَبّ کی پکڑ بہت سخت ہے!)۔

(ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی جمادی الاولیٰ ۱۴۲۶ھ)

خودکُش دھماکے
چندسوال کا جواب!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ دنوں روزنامہ ''جنگ'' کراچی کے توسط سے راقم الحروف کو ایک سوال نامہ موصول ہوا، راقم نے جب اس کا جواب لکھنا شروع کیا تو بلا ارادہ قدرے طویل ہوگیا، قارئینِ ''بینات'' کے افادے کے لئے ذیل میں اُسے بصائر وعبر کی جگہ پیش کیا جارہا ہے، ملاحظہ ہو: (مدیر)

س:...شریعت نے قبر پر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، جب قبر پر بیٹھنا خلافِ حرمت ہے تو جسم کے ساتھ بم باندھ کر انسانی پرخچے اُڑانا کیسا عمل ہے؟ جس میں بے گناہ افراد مارے جاتے ہیں۔ خاص طور پر اسلامی ممالک میں یہ فعل بہت زیادہ ہے، نیز یہود و نصاریٰ کے خلاف خودکُش بم دھماکے کرنا شریعتِ اسلام میں کیا جائز ہے؟ اگر اپنے ملک کے دفاع اور سرزمین کی حفاظت کے لئے یہ حملے کئے جاتے ہیں تو اس میں جو بے گناہ مارے جاتے ہیں، شریعت میں اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

کیونکہ وہ بے گناہ گھر کا واحد کفالت کرنے والا ہوتا ہے، اگر وہ مارا جائے تو اس گھر کا نظام درہم برہم ہوجاتا ہے، اسلام ایک بے گناہ کا قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف قرار دیتا ہے، بعض علمائے کرام اس قسم کے خودکُش دھماکوں کو جائز کیوں قرار دیتے ہیں؟ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے، تو یہ علمائے کرام اس قسم کے فتوے کیوں صادر کرتے ہیں؟ اس کے علاوہ بعض علماء جہاد کے حوالے سے بھی فتوے صادر کرتے ہیں، چاہے اس میں ریاست کی مرضی شامل نہ ہو، مگر دیکھا گیا ہے کہ علمائے کرام خود اس جہاد میں شریک نہیں ہوتے، افغانستان میں جو حالات و واقعات رُونما ہوئے تھے، وہ کسی سے پوشیدہ نہیں، اس میں علمائے کرام خاص کر قبائلی علاقوں کے نوعمر نوجوانوں کو جہاد کے بارے میں ترغیبات دی گئیں، مگر عملاً علمائے کرام خود پیچھے نظر آئے، اس بارے میں شریعت کیا کہتی ہے؟ کیا جہاد صرف غریب اور نادار عوام کی ذمہ داری ہے؟ علمائے کرام کی نہیں؟ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں بہ نفسِ نفیس خود شریک ہوتے تھے، معرکوں کے موقع پر اپنے ہاتھوں سے کام سر انجام دیتے تھے، لیکن آج علمائے کرام صرف تقریر و تبلیغ میں مصروف نظر آتے ہیں، ایسا تضاد کیوں ہے؟

اکرام الحق - راولپنڈی۔''

ج:... برادرِ عزیز! آپ نے اس مختصر سی تحریر میں بہت سے سوالات کر ڈالے، اور ان میں سے ہر سوال تفصیل طلب ہے، مگر افسوس! کہ ہر ایک سوال کا تفصیلی جواب دینے کی نہ گنجائش ہے، نہ فرصت اور نہ وقت! تاہم آپ کے سوالات کا نمبروار مختصر سا جواب پیشِ خدمت ہے:

ا:... بلاشبہ اسلام اور دِین وشریعت نے مسلمانوں کو انسانیت کے احترام و اکرام کا درس دیا اور اس کی عزّت وحرمت سے روشناس کرایا ہے، زندہ انسان کیا؟ اسلام نے تو مُردوں کے حقوق سے بھی اسے آگاہ کیا ہے، اسی لئے فرمایا گیا: ”قم لا تؤذ صاحب القبر“ (کنزالعمال ج:۱۰ ص:۵۹۷) یعنی اُٹھ قبر والے کو اذیت نہ دے۔

۲:... کسی مسلمان کا اسلامی ملک کے مسلمان شہریوں اور ان کی املاک کو نقصان پہنچانا ناجائز اور حرام ہے، اسی طرح اپنے اسلامی ملک اور مسلمانوں کی املاک کو نقصان پہنچانے کے لئے خودکُش حملے کرنا بھی ناجائز اور حرام ہے۔ میرے خیال میں آج تک کسی مسلمان عالمِ دِین نے اس کی تعلیم نہیں دی، جو لوگ علماء پر اس کا الزام لگاتے ہیں، ان پر اس کا ثبوت پیش کرنا لازم ہے، ورنہ انہیں کل قیامت کے دن اس الزام، افتراء اور بہتان کی جواب دہی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

۳:... جہاں تک کافر قوم اور مسلمانوں سے برسرِپیکار غیرمسلم ملک اور قوم کو نقصان پہنچانے کے لئے خودکُش حملے کی بات ہے، اس کی ابتداء ماضی قریب میں غیرمسلموں میں سے تامل ناڈو کے حریت پسندوں نے کی، جبکہ پاکستان کے مسلمانوں میں سب سے پہلے اس کی ابتداء ۱۹۶۵ء کی ہند و پاک جنگ میں پاکستانی فوج کے بہادر جوانوں اور دلیر فوجیوں نے کی، اور اپنے پیٹ سے بم باندھ کر ہندوستان کے ٹینکوں کو اُڑاتے ہوئے ایک نئی روایت قائم کی، سب جانتے ہیں کہ ان جوانوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر دُشمن کے عزائم کو ناکام بنایا، بلاشبہ ان فوجیوں کو شہید ہی کہا جاتا ہے، بلکہ شہادت ایسے ہی سپوتوں کی جاں سپاری پر فخر کرتی ہے۔

پھر ان خودکُش حملہ آور جوانوں کو اس پر آمادہ کرنے والے بھی ان کے فوجی افسران ہی تھے نہ کہ علماء! اب بتلایا جائے کہ اس فتویٰ کی ابتداء علماء نے کی یا پاک فوج کے سربراہوں نے...؟

خدانخواستہ اگر کسی کو خودکش حملے پر اعتراض ہے تو خاکم بدہن سب سے پہلے

یہ اعتراض ہماری دلیر و بے باک فوج اور ان کے افسرانِ اعلیٰ پر وارد ہوگا...!

اگر بالفرض! خودکش حملہ دُشمنوں کے خلاف ناجائز ہے تو ان بے تیغ لڑنے اور مرنے والے مخلص سرفروشوں کے بارے میں کیا فتویٰ لگایا جائے گا؟ کیا نعوذ باللہ! ان کا یہ فعل ناجائز تھا؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو پھر ان کو شہید کے بجائے نعوذ باللہ! حرام موت مرنے والا کہا جائے گا؟ ...نہیں! ہرگز نہیں... بلکہ وہ نہ صرف شہید ہیں بلکہ شہیدوں کے ماتھے کا جھومر اور مایۂ افتخار ہیں۔

۴:... جہاں تک جنگ، جہاد اور قتل وقتال کا تعلق ہے، اگر اس میں مسلمان فوجی، غیرمسلم اور مخالف فوجیوں کے بارے میں یہ سوچنے لگیں کہ میں اپنے جس مدمقابل کو موت کے گھاٹ اُتارنے لگا ہوں، عین ممکن ہے وہ اپنے گھر اور خاندان کا واحد کفیل ہو؟ اور اس کے قتل سے اس کا خاندان اور گھر اپنے واحد کفیل سے محروم ہوجائے گا؟ بتلایا جائے کہ مسلمان فوج کی ایسی سوچ کے ہوتے ہوئے جنگ و جہاد کامیاب ہوسکے گا؟ کیا اس سوچ کے ہوتے ہوئے مسلمان فوج اپنے مخالف غیرمسلم ملک اور اس کی فوج کو شکست دے سکے گی؟ یا مسلمان فوج برسرِپیکار غیرمسلم فوج پر برتری حاصل کرسکے گی؟ ...نہیں! ہرگز نہیں...اگر جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے تو پھر نہ جنگ و جہاد کی ضرورت ہے اور نہ ہی کسی مسلمان ملک کو فوج بنانے اور اس پر کثیر مصارف اُٹھانے کی...!

میرے عزیز! جنگ و جہاد تو ہوتا ہی دُشمن کو کمزور کرنے اور اس کو زک پہنچانے کے لئے ہے، اگر یہ مقصد پورا نہ ہو تو جنگ و جہاد اور قتال کا کیا فائدہ...؟

۵:...... رہی یہ بات کہ: ”کسی انسان کو قتل کرنا پوری انسانیت کے قتل کرنے کے مترادف ہے“ بجا ہے، لیکن افسوس! کہ آپ نے اس کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا، ورنہ آپ یہ اعتراض ہی نہ کرتے، اس لئے کہ قرآنِ کریم نے صراحت فرمادی ہے کہ یہ وعیدِ قتلِ ناحق کے بارے میں ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

"مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًاۢ بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادًا فِي الۡأَرۡضِ
فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا...." (المائدہ:۳۲)

ترجمہ:... "جو کوئی قتل کرے ایک جان کو بلاعوض جان کے، یا بغیر فساد کرنے کے ملک میں، تو گویا اس نے قتل کرڈالا سب لوگوں کو....."

لیجئے! قرآنِ کریم نے نہایت صراحت اور وضاحت سے بتلادیا کہ یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو کسی انسان کو بلاوجہ اور ناحق قتل کردیتے ہیں۔

جبکہ دُنیا جانتی ہے کہ کفار، مشرکین اور غیرمسلموں کے خلاف جنگ و جہاد اور قتل وقتال کا حکم ہی دُنیا سے فتنہ وفساد کے قلع قمع کے لئے ہے، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے: "قَاتِلُوۡهُمۡ حَتّٰى لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ...." یعنی ان کے خلاف قتال کرو، یہاں تک کہ دُنیا سے کفر وشرک کا فتنہ نابود اور ختم ہوجائے۔ اب آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ جنگ و جہاد اور قتال کے میدانِ کارزار میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونے والوں پر آپ کا یہ ارشاد کیونکر صادق آئے گا؟

۶:... آپ کا یہ ارشاد کہ: "بعض علمائے کرام اس قسم کے خودکُش دھماکوں کو جائز کیوں قرار دیتے ہیں؟ اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے تو یہ علمائے کرام اس قسم کے فتوے کیوں صادر کرتے ہیں؟" یہ بھی غلط فہمی پر مبنی ہے، اس لئے کہ اسلامی ممالک میں خودکُش حملوں کی نہ تو علمائے کرام نے کبھی تعلیم وتلقین کی ہے اور نہ اس کی حوصلہ افزائی...! جہاں تک غیرمسلم ممالک، کفار، مشرکین اور معاندین کو کمزور کرنے اور انہیں زک پہنچانے کی بات ہے، تو اس سلسلے میں علمائے کرام سے پہلے ۱۹۶۵ء میں ہماری پاک فوج نے نہ صرف اس کے جواز کا فتویٰ دیا، بلکہ اس کی بھرپور تائید وتحسین بھی فرمائی، اگر وہ قابلِ ملامت اور باعثِ طعن وتشنیع نہیں، تو جن علمائے کرام نے اپنی جری اور بہادر فوج کے ملکی سرحدات کی حفاظت وتحفظ پر مبنی اقدام کی تائید فرمائی، وہ

کیونکر قابلِ ملامت اور باعثِ طعن وتشنیع ہیں...؟

اس کے علاوہ بے شک اسلام امن وآشتی کا مذہب ہے، لیکن امن وامان، صلح وآشتی اور تحمل و برداشت کی بھی کچھ حدود وقیود ہوتی ہیں، اگر کوئی قوم یا افراد اِن حدود کو پھلانگنے کی کوشش کریں، مثلاً وہ مسلمانوں کی جان، مال عزّت وآبرو کے درپے ہوجائیں یا ان کی ملکی سرحدات سے تجاوز کرکے ان پر چڑھائی شروع کردیں، تو کیا اس وقت بھی مسلمانوں کو اپنے دِفاع، ان کی ریشہ دوانیوں کے سدِباب اور کفر وشرک کے فتنے کی راہ روکنے کا حق نہیں ہوگا؟ اگر ایسے موقع پر کوئی مسلمان یا اسلامی ملک، ان کی راہ روکنے کا کوئی اقدام کرے یا ان کی فوجی قوّت کو نقصان پہنچانا چاہے تو کیا اس وقت بھی ان کو امن وآشتی کی تلقین کی جائے گی...؟

افسوس! صد افسوس کہ مغرب کے پروپیگنڈے سے متأثر افراد اور ان کے ذہنی غلام، مغرب کے دُہرے معیار، ان کے ظلم وتشدّد سے نفرت کرنے کی بجائے ان کے جہاد مخالف پروپیگنڈے سے اس قدر متأثر ومرعوب ہوجاتے ہیں کہ وہ خون آشام مغرب کے بجائے مسلمانوں کو تشدّد پسند اور دہشت گرد کہنا شروع کردیتے ہیں، اور انہیں جارح اقوام کی راہ روکنے کے بجائے اسلام کا امن وآشتی یاد آجاتے ہیں...!

سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو امن وآشتی یاد دِلانے والوں نے کبھی اپنے آقا امریکا اور اس کے ہم نواؤں کو بھی اس کی تلقین کی ہے کہ سات سمندر پار سے انہوں نے افغانستان، عراق اور لبنان کی جس طرح اِینٹ سے اِینٹ بجائی ہے، یہ بھی امن وآشتی کے خلاف ہے؟ یا یہ بھی بنیادی انسانی حقوق کے خلاف ہے...؟

۷:... اسی طرح آپ کا یہ ارشاد کہ: "بعض علمائے کرام جہاد کے حوالے سے فتوے صادر کرتے ہیں، چاہے اس میں ریاست کی مرضی شامل نہ ہو" بھی دو وجہ سے ناقابلِ فہم ہے:

ا:... نفسِ جہاد کی تعلیم وتلقین اور فتویٰ دینے کے لئے کسی ریاست کی مرضی

اور اس سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حکمِ الٰہی ہے اور کسی حکمِ الٰہی کی تعلیم و تلقین کے لئے کسی حاکم یا سربراہِ مملکت سے پیشگی اجازت لینے کا قرآن و سنت میں کہیں کوئی ذکر نہیں، بلکہ اس کے برعکس نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ: اگر ایک طرف حکمِ الٰہی ہو اور دُوسری طرف اس کی مخالفت میں کسی بڑے سے بڑے کا فرمان ہو، تو حکمِ الٰہی کو ہی ترجیح دی جائے گی، چنانچہ فرمایا: ”**لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق**“ یعنی مخلوق کی اطاعت میں خالق کی نافرمانی نہیں کی جائے گی۔

۲:... اور اگر آپ کے ارشاد کا مقصد اسلامی ریاست اور اسلامی حکومت کے خلاف جہاد سے متعلق فتویٰ دینا مراد ہے، تو بتلایا جائے کہ کس عالمِ دِین نے کب، کسی اسلامی ریاست میں اور اسلامی حکومت کے خلاف جہاد کا فتویٰ دیا ہے؟ اگر ایسا کچھ ہے تو اس کی نشاندہی فرمائی جائے اور اس کا ثبوت پیش کیا جائے...! نہیں تو بے پر کی اُڑا کر کفار و مشرکین کی ہم نوائی میں علماء دُشمنی سے باز آجانا چاہئے!

۸:... آنجناب کا آخری اعتراض ہے کہ: ”علماء جہاد کے فتوے تو دیتے ہیں مگر خود عملی جہاد میں شریک نہیں ہوتے، جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں بہ نفسِ نفیس خود شریک ہوتے تھے۔“

اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ کا یہ ارشاد کہ: ”ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوتے تھے“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت، سوانح اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غزوات کی زندگی سے ناواقفی کی علامت ہے، ورنہ آپ یہ نہ فرماتے کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوتے تھے۔

کیونکہ حقیقتِ حال یہ ہے کہ جب جہاد کا حکم نازل ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد و قتال شروع فرمایا اور اطراف و جوانب میں لشکر بھیجے، تو جس جہاد میں

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفسِ نفیس شرکت فرمائی، علمائے سیر کی اصطلاح میں اس کو ”غزوہ“ کہتے ہیں اور جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف نہیں لے گئے، اس کو ”سریہ“ اور ”بعث“ کہتے ہیں، اس مختصر سی تمہید کے بعد اب سنئے اور فیصلہ کیجئے! کہ کیا واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں شریک ہوئے؟ یا کچھ ایسے بھی تھے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کو بھیجا اور خود پیچھے رہے؟ چنانچہ:

موسیٰ ابن عقبہؒ، محمد بن اسحاقؒ، واقدی، ابنِ سعدؒ، ابنِ جوزیؒ، دمیاطیؒ اور عراقیؒ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد ستائیس بتائی ہے، سعید ابن مسیّبؒ نے چوبیس، جابر ابن عبداللہؓ نے اکیس اور زید ابن ارقمؓ نے اُنیس کی تعداد نقل فرمائی ہے۔

اس پر علامہ سہیلیؒ فرماتے ہیں کہ اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ بعض علماء نے قریب قریب ہونے والے چند غزوات کو ایک شمار کیا ہے، اس لئے ان کے نزدیک غزوات کی تعداد کم رہی اور ممکن ہے کہ بعض حضرات کو بعض غزوات کا علم ہی نہ ہوا ہو، اس لئے بھی ان کے ہاں غزوات کی تعداد کم رہی ہوگی، اس طرح جس جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہ نفسِ نفیس تشریف نہیں لے گئے اور انہیں ”سریہ“ اور ”بعث“ کہا جاتا ہے، ان کی تعداد میں اگرچہ اختلاف ہے، مگر وہ ”غزوات“ سے کہیں زیادہ ہیں، چنانچہ ملاحظہ ہو:

> ابنِ سعدؒ نے چالیس، ابنِ عبدالبرؒ نے پینتیس، محمد ابن اسحٰقؒ نے اڑتیس، واقدی نے اڑتالیس اور ابنِ جوزیؒ نے چھپن کی تعداد نقل کی ہے۔
>
> (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو زرقانی ج:۱ ص:۳۸۸)

اس تفصیل کے بعد آپ ہی اپنے ارشاد کا جائزہ لیجئے! کہ کہاں تک صحیح اور

مبنی برحقیقت ہے؟ اس تفصیل سے کم از کم اتنا تو معلوم ہوا، کہ ہر جہاد میں ہر ایک کو جانا ضروری نہیں، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا بڑی تعداد کے ”سرایا“ اور ”بعوث“ میں شریک نہیں ہوئے، پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ کبھی کبھی پیچھے رہ کر بھی وہ کام سرانجام دیا جاتا ہے، جو میدان میں جانے پر انجام نہیں دیا جاسکتا...!

۲:...آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں بہ نفسِ نفیس تشریف نہیں لے جاتے تھے، اس کی مزید وضاحت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوتی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر جہاد میں نہ جانے کی حکمت اور علت ارشاد فرماتے ہوئے فرمایا:

”والذی نفس محمد بیده! لو لا ان اشق علی المسلمین ما قعدت خلاف سرية تغزو فی سبیل الله ابدًا، ولٰکن لا اجد سعة فأحملهم ولا یجدون سعةً ویشق علیهم ان یتخلفوا عنی ....“

(صحیح مسلم ج:۲ ص:۱۳۳)

ترجمہ:...”قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے! اگر اس بات کا اندیشہ نہ ہوتا کہ مسلمانوں پر مشقت ہوگی تو میں کسی ایسے سریہ سے پیچھے نہ رہتا جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے، لیکن میرے پاس اتنا وسعت ہے کہ میں ان سب کو سواریاں مہیا کرسکوں، اور نہ ہی ان کے پاس اس کی وسعت و گنجائش ہے، اور اگر میں ہر جہاد میں جاؤں تو ان پر مجھ سے پیچھے رہنا شاق گزرے گا۔“

۳:... یہ تو دُنیا جانتی ہے بلکہ فرعون امریکا اور اس کے حواری بھی اس سے واقف ہیں کہ افغانستان کا جہاد تھا ہی علماء کی مرہونِ منّت، کیونکہ سارے کے سارے

طالبان، علماء ہی تھے۔ اس کے علاوہ متحدہ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف معرکوں کی تاریخ اُٹھا کر دیکھئے تو ہر جگہ سربکف علماء ہی نظر آئیں گے، تحریکِ شہدین، شاملی کا معرکہ اور ریشمی رُومال کی تحریک کے قائد علماء تھے یا کوئی اور؟ کالا پانی اور مالٹا کی قیدِ تنہائی کا شکار علماء تھے یا غریب عوام؟

اس کے علاوہ علماء میں سے کتنا کس جہاد میں شریک ہوئے؟ اور کتنا اس میں شہید ہوئے اس کے بتلانے کی ضرورت ہے نہ حاجت۔ غالباً آپ ان کو ہی علماء سمجھتے ہوں گے، جو آپ کی نظروں کے سامنے زندہ سلامت چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

۴:... کیا میدانِ جہاد میں تیغ بکف کو ہی شریکِ جہاد سمجھا جاتا ہے؟ اس کے علاوہ دُوسرے لوگ جو مجاہدین کی خدمت کرتے ہیں، ان کی روٹی، پانی کا انتظام کرتے ہیں، اسبابِ رسد پہنچاتے ہیں، ان کا علاج معالجہ کرتے ہیں، ان کی کمان کرتے ہیں یا ان کو ہدایات دیتے ہیں، کیا وہ جہاد میں شریک تصوّر نہیں ہوں گے؟ اسی طرح فوج کے وہ خطیب جو ان کو جذبۂ جہاد پر اُبھارتے ہیں، ان کو جاں نثاری اور جاں سپاری پر آمادہ کرتے ہیں، کیا وہ بھی جہاد میں شریک تصوّر نہیں ہوں گے؟

میرے مخدوم! جس طرح میدانِ کارزار میں برسرِ پیکار فوج اور ان کی خدمت کرنے والے کارکن اور افسران شریکِ جہاد ہیں، بلکہ تیغ بکف مجاہدین کی کامیابی و ناکامی میں پیچھے بیٹھ کر کمان کرنے والوں کی مساعی کا زیادہ دخل ہوتا ہے، اور فرنٹ لائن کے سربکف مجاہدین کی کامیابی و ناکامی ان کے کمانڈروں کی کامیابی و ناکامی شمار ہوتی ہے، ٹھیک اسی طرح افغانستان میں دُنیا بھر کے جو لوگ ان کو ہر طرح کی مالی، جانی اور اخلاقی امداد مہیا کر رہے تھے، وہ بھی مجاہد ہی تھے، چاہے وہ بالفعل میدانِ جہاد میں نہ بھی ہوں، کیا جنرل اختر عبدالرحمٰن، جنرل محمد ضیاء الحق، جنرل پرویز مشرف اور پاکستان کی آئی ایس آئی بھی شریکِ جنگ تصوّر نہیں ہوگی؟ حالانکہ دیکھا جائے تو یہی لوگ ہی جنگ کے موقع پر فوج کی کمان کیا کرتے ہیں؟ بس میں انہی

گزارشات پر اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اور اُمید کرتا ہوں کہ یہ اشارات آپ جیسے ذی فہم آدمی کے لئے کافی ہوں گے۔ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دِینی مدارس

عابد زبیری ... ہوش کے ناخن لو!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

’’کالعدم نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی سندھ کے سیکریٹری اطلاعات عابد زبیری نے آج یہاں ایک بیان میں حکام سے درخواست کی ہے کہ تمام دینی مدارس اور ان کے ہاسٹل بند کردیئے جائیں اور دینی مدارس کے حسابات کی جانچ پڑتال کی جائے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ ان اداروں کی پشت پناہی کون سے تخریبی عناصر کررہے ہیں۔‘‘

(روزنامہ ’’جسارت‘‘ ۲۰؍مارچ ۱۹۸۳ء)

جناب عابد زبیری صاحب بالقابہ کا بیان پڑھ کر ہمیں کسی حیرت و استعجاب کا سامنا نہیں ہوا بلکہ اس سے قبل بھی ’’قوم و ملک کے بہی خواہ‘‘ اس جیسے ’’پاکیزہ‘‘ خیالات اور تجاویز کا اظہار فرماکر لارڈ میکالے سے اپنی ذہنی اور فکری ہم آہنگی کا ثبوت فراہم کرچکے ہیں۔ اگرچہ ہر شخص اپنی ذہنی ساخت کے مطابق عنوان اور ٹائٹل کتنا ہی خوبصورت اور دیدہ زیب لگاکر کیوں نہ پیش کرے مگر نتائج کی رُو سے تقریباً ہر ایک تجویز میں ہم آہنگی پائی جاتی ہے۔

چنانچہ مرحوم ایوب خاں کے دور میں ایک تجویز زیرِ غور آئی تھی کہ آئے دن

ہونے والی اصلاحات (جو شریعت کے خلاف ہوتی ہیں) پر ان مدارسِ عربیہ کے خرقہ پوش اور بوریہ نشین ہی صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں اور ہماری سوچ اور فکر کی بلند و بالا عمارتوں کو عوام کے تعاون سے ایک دَم ڈھیر کردیتے ہیں، کیوں نہ اس سرچشمہ احتجاج پر کنٹرول کرلیا جائے، چنانچہ اس پر ایک مصری سربراہ کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں، جس کا حاصل یہ تھا کہ ان مدارسِ عربیہ اور مساجد کو اوقاف میں لے لیا جائے جس سے یہ تمام حضرات سرکاری ملازم ہوں گے اور اپنی معاشی تنگی کے پیشِ نظر دبک کر رہ جائیں گے۔ لیکن صد افسوس! کہ ان کی یہ محنت و کاوش اکارت گئی، اور عملی میدان میں آنے کے بجائے وہ (تجویز) محض ذہنوں تک ہی محدود رہ گئی۔ اس کے بعد آج سے تقریباً چار سال قبل بھی جناب صدر محمد ضیاء الحق کو اس قسم کے ایک مشورے سے سرفراز کیا گیا، جس کا حاصل یہ تھا کہ دینی مدارس کی موجودہ ’’زبوں حالی‘‘ کے پیشِ نظر ایک ’’قومی کمیٹی برائے دینی مدارس‘‘ کا قیام بہت ہی ضروری ہے، جو ان کی تمام ضروریات کی کفیل ہو اور ان کی ممد و معاون ہو، اور باقاعدہ ۱۷؍جنوری ۱۹۷۹ء کو اس کا اعلان بھی کردیا گیا، لیکن ہم مرہونِ منّت ہیں علمائے حق کے، کہ انہوں نے جناب صدرِ مملکت کو بروقت صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا اور جنابِ صدر نے بھی بیدار مغزی سے کام لیتے ہوئے صحیح صورتِ حال کو بھانپ لیا اور تاحال اس قسم کا کوئی مزید اقدام زیرِ عمل نہیں آیا، یوں یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ جناب زبیری صاحب نے بزعمِ خود اگرچہ صحیح صورت تجویز فرمائی ہے، کہ اگر لادینیت اور مغربیت کو فروغ دینا ہے تو اس کی ایک ہی صورت ہے کہ ان مدارس کو بند کیا جائے، ’’نہ ہو بانس نہ بجے بانسری‘‘ کا مصداق ہوجائے گا۔ یعنی جب یہ مراکزِ دینیہ نہ ہوں گے تو رجالِ کار ہی پیدا نہ ہوں گے، تو ’’صدائے احتجاج‘‘ کیونکر بلند ہوسکے گی؟ لیکن ہمارے خیال میں جناب زبیری صاحب کو غلط فہمی ہوئی ہے، اس لئے کہ ان سے قبل ان کے رُوحانی مربی، اس سلسلے میں بہت ہی چالاکی، عیاری اور چابک دستی سے اپنے خیال

میں اس سلسلے کے تمام ذرائع استعمال کرکے ناکام ہوچکے ہیں، چنانچہ آج سے بہت پہلے جب اٹھارھویں صدی کے وسط میں ایسٹ انڈیا کمپنی برسرِ اقتدار تھی، اس نے بھی مدارسِ عربیہ اور اسلامی نظامِ تعلیم کو ختم کرنے کے لئے بنگال کے مسلمانوں کے اوقاف ضبط کرکے ان اوقاف کی سالانہ آمدنی کا ہزاروں روپیہ دُوسری قوموں کی تعلیم پر صَرف کرنا شروع کردیا تھا، جیسا کہ ایک انگریز اس سلسلے میں لکھتا ہے کہ:

''اس حقیقت کو چھپانے سے کیا فائدہ کہ مسلمانوں کے نزدیک اگر ہم (انگریز) اس جائیداد کو جو اس مصرف کے لئے ہمارے قبضے میں دی گئی تھی، ٹھیک ٹھک استعمال کرتے تو بنگال میں ان (مسلمانوں) کے پاس آج بھی نہایت اعلیٰ اور شاندار تعلیمی ادارے موجود ہوتے۔''

صرف یہی نہیں بلکہ اسلامی نظامِ تعلیم اور مدارسِ عربیہ کو ختم کرنے کے لئے انگریز بہادر نے اسلامی تعلیم سے آراستہ مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کے دروازے بند کردیئے، چنانچہ بقول مسٹر ہنٹر:

''کلکتہ میں مشکل سے کوئی دفتر ایسا ہوگا جس میں بجز چپڑاسی یا چٹھی رساں یا دفتری کے مسلمانوں کو کوئی نوکری مل سکے۔''

ہم جناب زبیری سے پوچھیں گے کہ ان تمام تر تدابیر کے باوجود کیا دینی مدارس بند ہوگئے؟ اور اسلامی نظامِ تعلیم معدوم ہوگیا؟ نہیں! نہیں! بلکہ اس بے سر و سامانی کے عالم میں بھی جبکہ مسلمانوں کے پاس نہ حکومت تھی، نہ سلطنت، نہ دولت اور نہ کوئی دُوسرے ذرائع، بلکہ انگریز کے دُشمنوں میں سرِفہرست تھے، ان حالات میں بھی مسلمانوں نے صرف اللہ واحد کو اپنا سہارا بنایا اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات کی روشنی میں حفاظتِ ایمان اور اشاعت وتبلیغِ دین کے لئے دینی مدارس

کے قیام کا آغاز کیا، اور توکلاً علی اللہ درختوں اور دیواروں کے سائے تلے اور خستہ و خراب حجروں میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدا بلند کی تو دیکھتے ہی دیکھتے طالبانِ حق پروانہ وار شمع کے گرد جمع ہوگئے۔ دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ امینیہ فتح پوری اور مدرسہ شاہی مرادآباد وغیرہ جیسی عظیم الشان دینی درس گاہیں قائم ہوگئیں جو آج بھی قوم و ملت کی بقاء کے لئے ہر آن کمربستہ اور موجود نظر آتی ہیں۔ آج بھی اگر جناب زبیری صاحب کی درخواست پر حکومتِ وقت ان مدارسِ عربیہ کو بند کرنا چاہے تو بحمداللہ اس سلسلے میں ہمیں ذرّہ برابر کوئی تردّد نہ ہوگا۔

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا!

اس لئے کہ جس ذات نے اس بے سر و سامانی میں غیب سے مسلمانوں کی دستگیری فرمائی تھی، آج بھی وہی ذات اپنی تمام صفات کے ساتھ قائم و موجود ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ جناب زبیری کو جن افکار سے دِلچسپی ہے، انہیں اپنے اس مطالبے سے پہلے ذرا اس بات پر بھی نظر فرمالینی چاہئے کہ ان (نظریات) کے بانی مبانی کو جن نتائج سے دوچار ہونا پڑا، کہیں وہ بھی ان (نظریات) کے حامل ہونے کی وجہ سے ان سے نہ جاملیں؟

آخر میں ہم حکومتِ پاکستان سے گزارش کریں گے کہ جس عدالت کو مدارسِ عربیہ دینیہ کے حسابات کی جانچ پڑتال اور ان کی پشت پناہی کرنے والے عناصر کی سراغ رسانی کا کام سپرد کیا جائے، اسی کو یہ کام بھی سپرد کردیا جائے کہ جناب زبیری صاحب کے ان افکار کا موجد کون ہے؟ اور جناب زبیری بالقابہ کن کی شہ پر علومِ نبوّت کے مراکز پر ڈاکازنی کے مذموم عزائم کو عملی جامہ پہنانے کے درپے ہیں؟ اور جناب زبیری صاحب کہاں سے درآمد کئے گئے ہیں؟ اور ان کی بیک گراؤنڈ کیا ہے؟ اس لئے کہ اسلام کے گہوارے میں پروان چڑھنے والا کوئی بچہ کبھی ایسا خسیس مطالبہ تو

کجا، اس سلسلے میں سوچنا بھی گوارا نہیں کرسکتا۔ ہاں! اگر زبیری صاحب اسلام کے بجائے کسی دُوسرے دِین و مذہب سے تعلق رکھتے ہیں تو ہم انہیں مشورہ دیں گے کہ وہ بجائے مملکتِ خداداد پاکستان کے، کسی دُوسری جگہ اپنے ان نظریات کا پرچار فرماویں جہاں ان کو قبولِ عام بھی حاصل ہو۔

مزید ہم حکومتِ پاکستان سے بھی اپیل کریں گے کہ ایسے ملک و ملت کے ''بہی خواہوں'' کو ایسے مطالبات اور بیانات سے باز رکھے، تاکہ ملی فضا مکدّر نہ ہو کیونکہ ملک اس کا متحمل نہیں ہے۔

وما علینا الا البلاغ

(ہفت روزہ ''ختمِ نبوّت'' ج:۱ ش:۴۳،۴۳، ۲۳ تا ۲۹/ جمادی الثانیہ ۱۴۰۳ھ)

مدارس کے خلاف کارروائی کا پسِ منظر!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

۱۲/اکتوبر ۱۹۹۹ء کے فوجی انقلاب اور نواز حکومت کی تحلیل کے بعد موجودہ حکومت کی جانب سے جہاں ملک کے سیاست دانوں اور سابق حکمرانوں کے خلاف کارروائی کا آغاز ہوا ہے، وہاں غالباً اسے دِینی حلقوں خصوصاً دِینی مدارس و مکاتب کے خلاف کارروائی کا ''اشارہ'' بھی دیا گیا ہے۔ اس کے پسِ پردہ کیا محرکات ہیں؟ موجودہ حکومت کو ان مدارس سے کیا اندیشے ہیں؟ اور وہ کن تحفظات کے پیشِ نظر یہ اقدام کرنا چاہتی ہے؟ اس سلسلے میں کچھ کہنا قبل از وقت ہوگا۔ ممکن ہے کہ ان کے ''خیرخواہوں'' نے انہیں مشورہ دیا ہو کہ طویل المیعاد حکومت اور سیکولر نظریات کی اشاعت و ترویج میں سب سے بڑی رُکاوٹ یہ دِینی حلقے اور اپنی مدد آپ کے تحت چلنے والے یہ مدارس ہیں، اگر ان کو پابند کردیا جائے یا ان کی ناک میں نکیل ڈال دی جائے تو پھر حکومت کے خلاف کسی کو دَم مارنے کی جرأت نہ ہوگی۔ اس لئے گزشتہ کئی مہینوں سے حکومت کی جانب سے دِینی مدارس کے خلاف مذموم پروپیگنڈے کی مہم شروع ہے، اخبارات اور میڈیا نے اس پر جلتی پر تیل کا کام کیا ہے، اخبارات کی اس مہم اور اربابِ حکومت کے بیانات سے واضح ہوتا ہے کہ حکومت اس سلسلے میں کچھ کرنے کے موڈ میں ہے، **لا فعل اللہ!**

اس سلسلے میں روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۸/اپریل ۲۰۰۰ء میں ممتاز عالمی جریدہ ''ڈیفنس اینڈ فارن افیئر اسٹیٹیجک پالیسی'' کے حوالے سے ایک غیرمسلم صحافی ''گریگری آرکوپلے'' کے مضمون کا اُردو ترجمہ شائع ہوا ہے، جس کا عنوان ہے: ''پاکستان مشرف کے دور میں''۔ مضمون چونکہ طویل ہے اس لئے اس کا ابتدائیہ، اور مدارس سے متعلق حصہ پیشِ خدمت ہے، جس سے بآسانی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ڈور کہاں سے ہل رہی ہے؟ اور بین الاقوامی برادری اس مسئلے کو کس تناظر میں پیش کرکے حکومت کو اس کے لئے آمادہ کررہی ہے؟ لیکن غالباً موجودہ حکمرانوں کو مدارس کے خلاف اقدام کی سنگینی کا اندازہ نہیں، ورنہ وہ چند موہوم اندیشوں کے پیشِ نظر مدارس کے خلاف سوچنے کی جرأت نہ کرتے۔ بہرحال اربابِ حکومت کو اپنے پیش روؤں کے انجام سے سبق حاصل کرنا چاہئے اور مدارس کے خلاف کاروائی کی غلطی نہیں کرنا چاہئے۔

دِینی درد رکھنے والے مسلمانوں اور اربابِ مدارس کی اطلاع کے لئے ''گریگری آرکوپلے'' کے مضمون کا ترجمہ درج ذیل ہے:

> ''امریکہ کے بعض کلیدی سرکاری عہدے داروں نے گزشتہ جنوری میں پاکستان کو دہشت گرد مملکت قرار دینے کے لئے اقدامات شروع کئے، ایک ایسی مملکت جو بین الاقوامی دہشت گردی کی سرپرستی کرتی ہو، اس سے قطع نظر کہ ان کی طرف سے پیش کردہ شواہد کتنے ہی ٹھوس نظر کیوں نہ آتے ہوں، حقیقت یہ ہے کہ یہ شواہد قطعی طور پر گمراہ کن ہیں اور ان بنیادی تبدیلیوں کی عکاسی نہیں کرتے جو اس وقت پاکستان میں اور اس کے اِردگرد رُونما ہورہی ہیں، یہ تبدیلیاں جو نہ صرف مستقبل میں پاکستان کے قابل ہونے کو متأثر کریں گی، بلکہ یہ بھارت کے

استحکام اور علاقائی، سیاسی ڈھانچے پر بھی اثرانداز ہوں گی، جس سے پورا عالمی توازن متأثر ہوگا۔

امریکہ کی طرف سے پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے کا کوئی اقدام انسدادِ دہشت گردی کے لئے بین الاقوامی مہم کے خلاف ثابت ہوگا، اور اس سے جنوبی ایشیا میں سلامتی کے حوالے سے صورتِ حال مزید خراب ہوجائے گی، اور مجموعی طور پر علاقائی و عالمی سلامتی کو بھی نقصان پہنچے گا۔ پاکستان کو ''دہشت گرد'' ملک قرار دینے کے لئے کوئی کوشش یا اقدام درحقیقت پاکستان کی نئی حکومت کے ان اقدامات کی راہ میں ایک رُکاوٹ کے مترادف ہوگا جو وہ دہشت گردی کے خاتمے اور اس کے پسِ پردہ محرکات کے خاتمے کے لئے کر رہی ہے۔ مزید برآں ایسا کوئی اقدام اس حقیقت کو ہی تبدیل کرکے رکھ دے گا کہ پاکستان میں دہشت گردی اور انتہاپسندی کا مسئلہ درحقیقت غیر سرکاری گروپوں کے ۱۹۸۰ء کے عشرے میں افغانستان پر سوویت یونین کے قبضے کے خلاف شروع کردہ امریکی حمایت یافتہ اسلامی جہاد کی باقیات نے پیدا کیا ہوا ہے۔

ایک عمومی خیال یہ پایا جاتا ہے کہ پاکستان شدید طور پر سیاسی اور سماجی عدم استحکام اور اقتصادی تباہ حالی کا شکار ہے، یا یہ کہ پاکستان ایسے بنیاد پرستانہ رُجحانات کی گرفت میں جارہا ہے کہ بعد میں ان سے نکلنا ناممکن ہوجائے گا، یہ سمجھنا بالکل غلط ہے ......

یہاں یہ بات بھی واضح رہے کہ مذہبی پریشر گروپ کا معاشرے پر اپنا اثر ونفوذ جاری ہے۔ ملک میں بڑے پیمانے پر

ان کا نیٹ ورک موجود ہے اور وہ غریب لوگوں کو مجبور کرتے ہیں
کہ یا تو وہ اپنے بیٹے جہاد کے لئے وقف کریں یا پھر مالی مدد
کریں۔ اس مسئلے سے نمٹنے کے لئے حکومت کی تجویز ہے کہ
مدرسوں کے تعلیمی نظام کو بہتر بنایا جائے اور دیہی علاقوں کی
اقتصادی حالت بہتر بنائی جائے ...... تاہم اگر وفاقی یا صوبائی
حکومتوں کی جانب سے مدرسوں کے خلاف کارروائی کرنے یا
انہیں بند کرنے کی کوئی کوشش ہوئی تو اسلامی عناصر کی جانب
سے شدید رَدِّعمل کا اِمکان ہے۔ پاکستانیوں کے اندازے کے
مطابق اس وقت مدرسوں میں تقریباً ۵ لاکھ بچے تعلیم حاصل کر
رہے ہیں، اس بات کو عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ ان اسکولوں
سے نکلنے والے افراد میں بہت سے بلکہ تمام ہی افراد نظریاتی طور
پر وطنیت اور مملکت کے موجودہ تصوّر کے خلاف جھکاؤ رکھتے ہیں
اور سرکاری یا نجی شعبوں میں ملازمت کرنے کے قابل نہیں ہیں۔

فوجی حکومت میں اس بارے میں اتفاقِ رائے پیدا ہو
رہا ہے کہ ان مدرسوں کے مسئلے سے کیسے نمٹا جائے؟ اس بات پر
عمومی اتفاقِ رائے پایا جاتا ہے کہ وہ غیر سود مند اور خطرناک
ہیں، لیکن اس بات کو مدِنظر رکھنا چاہئے کہ غریب خاندان اپنے
بچوں کو ان مدرسوں میں اس لئے بھیجتے ہیں کہ وہ اسی تعلیم کے
متحمل ہوسکتے ہیں، کم از کم وہاں بچوں کو پڑھنا اور لکھنا تو سکھا دیا
جاتا ہے۔ صرف پنجاب میں ۴۶۴ مدرسے ہیں، لیکن ان میں
سے صرف تھوڑے سے ریاست کے خلاف اور دہشت گردی
کے ایجنڈے کا پرچار کرنے میں سرگرم ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ نواز شریف کی حکومت نے مدرسوں

کا ایک بھرپور اور تفصیلی سروے کرایا تھا، جس میں اس بات کی
نشاندہی کی گئی تھی کہ یہ مدرسے کہاں واقع ہیں؟ ان میں زیرِ تعلیم
افراد کی تعداد کتنی ہے؟ اور ان کا نصاب کیا ہے؟ لہٰذا یہ معلوم
کرنے کا مؤثر ذریعہ موجود ہے کہ اصل مسئلہ کہاں پایا جاتا ہے؟

اب مشرف حکومت مدرسوں کے مسئلے کو حل کرنے کے
لئے تیزی مگر خاموشی سے سرگرم ہے، تاہم وہ محتاط ہے اور کسی
تنازع سے بچنا چاہتی ہے۔ اس بارے میں شبہات کم ہیں کہ
بعض اسلامی تحریکیں اپنے مقاصد کے سلسلے میں مایوسی کے تأثر
کے تحت مملکت اور سوِل سوسائٹی میں آسانی سے تشدّد اور ہنگامہ
آرائی کی صورتِ حال پیدا کرسکتی ہیں۔ ایک انتہائی اعلیٰ افسر اور
آئی ایس آئی کے سابق ڈائریکٹر جنرل لیفٹیننٹ جنرل (ریٹائرڈ)
حمید گل نے، جو اَب اسلام کے لئے آواز بلند کرنے والے کی
حیثیت سے جانے جاتے ہیں، کہا ہے کہ ہمارا مقصد ریاست کے
موجودہ ڈھانچے کا مکمل خاتمہ ہے، کیونکہ اس کے مکمل خاتمے کی
صورت میں ہی ایک حقیقی اسلامی مملکت کا قیام عمل میں آ سکتا
ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ مدرسوں کے اسلامی نظام سے
ریاست کو حقیقی خطرے کا سامنا ہے، بالخصوص ایسی صورت میں
کہ امریکہ کی طرف سے جنرل مشرف پر انتہاپسند اسلامی عناصر
اور دہشت گردوں سے نمٹنے کے لئے دباؤ بڑھ رہا ہے، اگر
حکومت، دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کے سلسلے میں زیادہ
تیزی دِکھاتی ہے تو رَدِّعمل شدید اور ہنگامہ خیز ہوگا۔ نتیجہ یہ ہے
کہ جنرل مشرف بنیاد پرست مسلح گروہوں کے اثر و رُسوخ اور
طاقت کے بنیادی اسباب کو ختم کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ انہیں مسئلے کی جڑ کی طرف سے کام کرنا ہوگا اور مدرسوں کی ہیئت کو تبدیل کرنا ہوگا۔ یہ بات تسلیم کی جاتی ہے کہ مدرسوں کو کچلنے کی کسی بھی کوشش سے طالبان اور کشمیر کی تحریکِ جہاد کے لئے افرادی قوت کی فراہمی اور حمایت میں خودبخود کمی آجائے گی۔

مدرسوں سے نمٹنے کا عمل ایسے مضامین پڑھانے پر زور دینے اور ان کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کی صورت میں شروع ہوگا جن مضامین کے پڑھنے سے بچوں میں حصولِ روزگار کی اہلیت و لیاقت پیدا ہوگی۔ دُوسرے لفظوں میں مذہبی تعلیم پر قدغن لگانے کے بجائے حکومت اس بات پر زور دے گی کہ مدرسوں کے بنیادی نصاب میں مفید تربیت اور روایتی مضامین کو بھی شامل کرلیا جائے، جبکہ مذہبی تعلیم ان اداروں کے سربراہوں کی صوابدید پر منحصر ہوگی۔ اس بارے میں چیف ایگزیکٹو کو تفصیلی تجویز ۱۶/جنوری ۲۰۰۰ء کے ہفتے میں پیش کی گئی تھی، اور توقع ہے کہ اس پر جلد عمل درآمد شروع ہوجائے گا۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ پاکستان کے تعلیمی نظام کو وسیع کیا جائے گا، تاکہ مدرسوں کو ریاست کے زیرکنٹرول تعلیمی نظام کے تحت لایا جاسکے، اس میں مدرسہ کے طلباء کے لئے غیرمذہبی مضامین میں امتحان کا نظام بھی شامل ہوگا تاکہ وہ ایک ایسی سند کے ساتھ فارغ التحصیل ہوں جن کی قدر و قیمت بھی ہو۔

قیادت کے ذہن میں یہ حقیقی احساس بھی ہے کہ افغانستان اور طالبان کی حمایت کے ضمن میں کیا، کیا جانا چاہئے؟ پوری قیادت یہ بات تسلیم کرتی ہوئی محسوس ہوتی ہے کہ پاکستان

نے طالبان کی اس طرح بھرپور حمایت کرکے غلطی کی ہے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی محسوس کرتی ہے کہ اس کے پاس اس وقت بھی بہت معمولی آپشن تھا اور اب تک کوئی حقیقی آپشن نہیں ہے، ایرانی راہ نماؤں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ طالبان کی یہ حمایت ایران یا دُوسری زبان بولنے والے افغانیوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ اسے کابل میں ایک بھارت نواز اور پاکستان دُشمن انتظامیہ کو روکنے کی واحد صورت کی حیثیت سے دیکھا جانا چاہئے۔

یہ اطلاعات متنازع نہیں ہیں کہ طالبان کو ۲۸ہزار کے لگ بھگ تربیت یافتہ پاکستانیوں کی حمایت حاصل تھی، لیکن یہ بات بھی ہمیشہ محسوس کی گئی کہ اگر یہ تعداد دُرست تھی تو بھی طالبان کی حمایت کرنے والے افراد سویلین تھے، پاکستانی فوج کے لوگ نہیں تھے، یہ بات یقیناً باعثِ تشویش ہوگی کہ افغانستان کی صورتِ حال میں کوئی بھی ایسی تبدیلی جس کے نتیجے میں ۲۸ہزار پاکستانیوں کو واپس آنا پڑے خود پاکستان کے استحکام کے لئے خطرناک ہوگی، کیونکہ یہ لوگ طالبان کے حامی اور پاکستان کے روایتی مملکتی ڈھانچے کے مخالف ہوسکتے ہیں۔ اس حقیقت کو پوری طرح تسلیم کیا جاتا ہے کہ انتہاپسند عناصر ''قومی ریاست'' کے جدید تصوّر کے مخالف ہیں۔ وہ اپنی تعلیمات اور اُصولوں کے سلسلے میں نویں صدی کی تحریروں پر انحصار کرتے ہیں۔ اس طرح وہ سوڈان کے پان اسلامک لیڈر حسن الترابی کے وطنیت مخالف، اور آفاقیت پر مبنی تصوّرات کا آئینہ ہیں۔

پاکستان میں صورت یہ بنی ہے کہ اسلام کے بارے

میں دو مرحلوں والا تصوّر سامنے آیا ہے، وہاں واضح طور پر ''بنیادی اسلام'' کے بارے میں تفہیم و تفریق ہوتی ہے۔ اس وقت ایک طرف تو ''روایتی بنیاد پرست'' ہیں جو صرف نویں صدی سے اخذ کردہ تعلیمات کو دُرست سمجھتے ہیں، دُوسری طرف موجودہ دور کے وہ بنیاد پرست ہیں جو بغیر داڑھی والے ہیں، یہ لوگ مغرب کے تصوّر کے حساب سے تعلیم یافتہ ہیں، لیکن اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ جدید نظام ناکام ہوچکا ہے۔ یہ ''عصری بنیاد پرست'' جدید ریاست کے ڈھانچے کو ختم کرنے کے لئے جدید معاشرے کی تمام تر ٹیکنالوجیوں اور منطق کو بروئے کار لاتے ہیں......

پاکستان میں اعتدال پسند مسلم تنظیمیں موجود ہیں، مثال کے طور پر تبلیغی جماعت سنیوں کی ایک بڑی تنظیم جو تقریباً ۴۵ سال سے لاہور کے قریب رائے ونڈ میں قائم ہے۔ یہ نہ سیاسی ہے اور نہ تشدّد کی حامی، اگرچہ حالیہ برسوں میں تبلیغی جماعت کے بعض ارکان اور پاکستان مسلم لیگ کے سیاست دان اعجاز الحق میں بعض روابط رہے ہیں، مگر یہ ضروری نہیں کہ یہ روابط سیاسی مقاصد کو ذہن میں رکھ کر ہوئے ہوں۔ تبلیغی جماعت کا مقصد موجودہ مسلمانوں کو یہ بتانا ہے کہ وہ زیادہ بہتر مسلمان بن سکتے ہیں، یہ لوگوں کا مذہب تبدیل کرانے میں ملوّث نہیں، اپنے غیرسیاسی اور غیرجارحانہ اندازِ فکر کے باعث یہ ادارہ بے حد مقبول ہے، یہ بات کہ انٹر سروسز انٹیلی جنس (آئی ایس آئی) کے سابق ڈائریکٹر جنرل جاوید ناصر تبلیغی جماعت میں شامل ہوگئے، اس عالمگیر تحریک کے اثر و رُسوخ کو کم کرنے کا باعث بنی۔

جنرل جاوید جب فوج میں تھے تو انہیں ''غیر مذہبی شخصیت'' سمجھا جاتا تھا، اور تبلیغی جماعت سے ان کی وابستگی کو بعد کے برسوں میں کفارے کی ادائیگی بھی سمجھا جاسکتا ہے۔ واضح رہے کہ جنرل جاوید کو اس وقت کے وزیراعظم نواز شریف نے آئی ایس آئی کے عہدے سے برطرف کیا تھا، اس طرح دونوں کے درمیان ایک خفیف سا تعلق ضرور نکل آتا ہے۔

دُوسرے گروپ اپنی بنیاد پرستی میں کھلے طور پر سیاسی کردار کے حامل ہیں، لشکرِ طیبہ اگرچہ واضح طور پر وہابی تنظیم نہیں، مگر وہابی علاقوں (مثلاً اطرافِ ملتان) میں اپنے مسلح گروپوں (کشمیری مجاہدین) کے لئے لوگوں کی بھرتی کرتی ہے۔ اس کو تبلیغی جماعت کی کیٹگری میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح بنیاد پرست وہابی گروپ مرکز الدعوۃ کو بھی غیرسیاسی تبلیغی جماعت کے زُمرے میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔

یہ بات نوٹ کرنے کی ہے کہ نواز شریف خاندان بالخصوص سابق وزیراعظم کے والد ''بنیاد پرست رُجحانات'' کے حامل رہے ہیں، جس کی وجہ سے نواز شریف کا بنیاد پرستوں سے کچھ میل جول رہا ہے، اس کی ایک بڑی وجہ ان کا یہ سمجھنا تھا کہ اس طرح سے عوامی سطح پر ان کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا۔ اس میل جول کے پیچھے مذہبی بنیاد پرستی سے ان کی ذاتی وابستگی کارفرما نہیں تھی۔ نواز شریف فیملی کا کمپاؤنڈ رائے ونڈ میں بنایا گیا اور نواز شریف کے والد کی طرف سے ان پر زور دیا جاتا رہا کہ وہ بعض مُلّاؤں سے رابطہ رکھیں۔ مشرف حکومت کے لئے اس طرح کی کوئی مجبوری نہیں کہ وہ مذہبی گروپوں سے نواز شریف

کی طرح روابط رکھیں یا نواز شریف کے حامیوں کو نوازے۔

.....مشرف انتظامیہ چاہتی ہے کہ جتنی جلد ممکن ہو غربت زدہ علاقوں میں اقتصادی بہتری لائی جائے اور ساتھ ہی ساتھ جتنی جلد ممکن ہوسکے مدرسوں کا تعلیمی نظام تبدیل کیا جائے۔ توقع ہے کہ اس سے بنیاد پرستی کے حامل گروپوں کے اثرات کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۸/اپریل ۲۰۰۰ء ص:۷)

یہ ہے یہودی سازش کا کرشمہ! کہ مضمون نگار نے مدارس کے خلاف اپنے بغض وحسد کی آگ کو اس ہوشیاری سے اُگلا ہے کہ کسی کو ادنیٰ شبہ بھی نہیں ہوسکتا کہ یہ اس کے ذاتی احساسات و جذبات ہیں، اور اس نے نہایت خوبصورتی سے اپنی اس سوچ وفکر کو موجودہ حکمرانوں کی دینی مدارس کے خلاف کاروائی کے جواز کی مجبوری اور ضرورت کا نام دیا ہے۔ موصوف نے اپنی پوری تحریر میں کہیں اس کا اشارہ نہیں دیا کہ اس کی ذاتی سوچ وفکر کیا ہے؟ دیکھا جائے تو اس نے آزاد مبصر کی حیثیت سے اپنے آپ کو اس آویزش سے دُور رکھا ہے اور اپنے آپ کو اس نزاع میں فریق نہیں بننے دیا، مگر مگر کسی قدر غور وفکر سے پتا چلتا ہے کہ اس نے جگہ جگہ مدارس کے خلاف کاروائی کی ضرورت اور اس کے جواز کی ترغیب دی ہے اور اربابِ حکومت کو اس ''کارِ خیر'' میں حق بجانب ظاہر کیا ہے۔

فوجی حکمرانوں کو عقل وشعور کے ناخن لیتے ہوئے سوچنا چاہئے کہ ان کے خلاف کیا سازش ہو رہی ہے؟ کہیں ان کو قوم وملت اور دِین و مذہب سے ٹکرا کر بدنام کرنے کی سازش تو نہیں کی جارہی؟ ایسا تو نہیں کہ کمال اتاترک کی طرح ان سے اسلامی تہذیب وتمدن کی بیخ کنی کا کام لے کر انہیں عوامی غیظ وغضب کا نشانہ بنانے کی کوشش کی جارہی ہو؟

الغرض! اربابِ اقتدار کو اس سازش کے اسباب ومحرکات پر سوچنا چاہئے اور سو بار سوچنا چاہئے کہ مغربی طاقتوں اور عیسائی قوتوں کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے آج تک کبھی کلیسا پر چڑھائی کا منصوبہ نہیں بنایا، تو مسلمان مسجد و مدرسہ پر کیوں چڑھائی کریں...؟

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی صفر۱۴۲۱ھ مطابق جون۲۰۰۰ء)

دِین دُشمنی کی تحریک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

یوں تو ہر دور میں اسلام، اسلامی تہذیب اور مسلمانوں کو نقد و تنقید کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے، مگر گزشتہ ایک عرصے سے اس میں ایک گونہ شدّت کا عنصر آ گیا ہے۔ دِینی مدارس و مکاتب اور علماء کو تشدّد پسند یا تشدّد کی آماج گاہ کہنے والے، خود تشدّد پر اُتر آئے ہیں۔ دُوسرے الفاظ میں وہ اختلاف سے نکل کر عداوت کی حدود میں داخل ہوچکے ہیں۔ غالباً ان کے خیال میں پاکستان بلکہ دُنیا بھر سے تمام معاشرتی بُرائیاں ختم ہوگئی ہیں، لاقانونیت اور ظلم و تشدّد کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا، دُنیا میں ہر جگہ امن و سکون اور چین و اطمینان کا دور دورہ ہے۔ اگر کہیں کچھ خرابی ہے، تو صرف اور صرف ان مولویوں اور دِین کی خدمت کرنے والے دِینی مراکز، مدارس و مساجد میں ہے۔ بظاہر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جب تک رُوس کی طرح ان مدارس و مساجد کو مقفل نہ کردیا جائے، ان کے بغض و حسد کی آگ ٹھنڈی نہ ہوگی اور ملک میں موجود تمام معاشرتی بُرائیاں بھی ختم نہ ہوں گی۔

یہ ہے دورِ حاضر کے اشترا کی ذہن کی سوچ، اور ملکی اخبارات و جرائد خصوصاً انگریزی روزناموں میں پالیسی ساز عناصر کی ''پاکیزگیٔ فکر و خیال''! ان کا بس نہیں چلتا کہ اس ملک سے اسلام اور اسلامی اقدار کو کس طرح نکال باہر کریں؟ کون سا ایسا

طریقہ اپنایا جائے کہ لوگ دِین و مذہب سے بدظن ہوجائیں؟ کون سی وہ ترکیب آزمائی جائے کہ لوگوں کے دِلوں سے خدا و رسولؐ کی محبت، اور قرآن و سنت کی عقیدت کو کھرچ کھرچ کر صاف کردیا جائے؟ یہ طبقہ رات دن اس غم میں گھلتا جارہا ہے کہ یہاں بلکہ پوری دُنیا میں مدارس کیوں بڑھ رہے ہیں؟ لوگ جوق درجوق اسلام میں کیوں داخل ہو رہے ہیں؟ مسلمانوں کو قرآن و حدیث اور نبیٔ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت کیوں ہے؟ اور اب تک مسلمان جہاد کے نام سے کیوں واقف ہیں؟ یہ طبقہ اس سے پریشان ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے کب کا اپنے دِین و مذہب اور کتاب و ملت کو چھوڑ دیا ہے، مگر مسلمان ابھی تک اسے کیوں سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں؟ اس لئے کہیں وہ علماء پر تنگ نظری کی پھبتی کستے ہیں تو کہیں انہیں مذہبی جنونی کا نام دے کر اپنے دِل کی بھڑاس نکالتے ہیں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ گزشتہ ایک عرصے سے لادِین قوّتوں کو اپنی بے بسی کا یقین ہوگیا ہے، اس لئے وہ دِین، دِینی اقدار اور مدارس و مساجد کی بڑھتی ہوئی تعداد، اور ان کی روزافزوں ترقی سے جل بھن کر رہ گئی ہیں۔ وہ اسلام اور اسلامی اقدار پر آخری اور فیصلہ کن وار کرنا چاہتی ہیں، دن رات ان کے اعصاب پر مساجد و مدارس اور علماء ہی سوار ہیں، اس لئے وہ ان کو بدنام کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتیں۔ بین الاقوامی میڈیا خصوصاً انگریزی اخبارات و رسائل ان کی خصوصی کمین گاہیں ہیں۔

اسی سلسلے میں ''اسلامک انسٹیٹیوٹ آف میڈیا ریسرچ، عالمگیر مسجد، دہلی مرکنٹائل سوسائٹی کراچی'' کے ترجمان نے ہمیں دوخطوط اِرسال کئے ہیں اور درخواست کی ہے کہ اس عنوان پر کچھ لکھا جائے۔ ذیل میں ہر دو مراسلے نمبر وار درج کئے جاتے ہیں جن سے اندازہ ہوگا کہ انگریزی اخبارات میں فرقہ واریت کی آڑ میں دِین اور اربابِ دِین کو کس طرح بے نقط سنائی جاتی ہیں؟ قرآن و سنت کی اشاعت و ترویج

کے ان بے سروسامان اداروں، اور ان کے مفلوک الحال دِینی طلبہ سے دُشمنانِ دِین کو کس قدر تکلیف ہے؟ شاید ان شکستہ حال مدارس، اور ننھے ''اَبابیلوں'' کی موجودگی میں ان کے لئے پاکستان میں سمرقند و بخارا کی تاریخ دہرانا مشکل ہے، ان کا یہ خیال دُرست ہے کہ دِینی مدارس اسلامی فوج کی چھاوٴنیاں ہیں اور یہاں سے نکلنے والا ہر بچہ دِین و مذہب کی آبرو بچانا اور اس پر قربان ہونا جانتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ان مدارس میں اپنی ذات کی بجائے قوم وملت اور دِین و مذہب کے تحفظ کا درس دیا جاتا ہے، یہاں مردار دُنیا کے حصول کی بجائے تقویٰ وطہارت اور علم وعمل کی تعلیم دی جاتی ہے۔ یہاں حرص وآز کے بجائے صبر وقناعت، ایثار وقربانی، تسلیم ورضا، توکل واستغنا اور جرأت و ہمت کا درس دیا جاتا ہے۔ یہاں قومیت وقوم پرستی کی بجائے: ''اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللهِ اَتْقَاکُمْ'' (اللہ کے ہاں سب سے مکرّم وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہو) کا فلسفہ پڑھایا جاتا ہے۔ ان درس گاہوں میں پنجابی، پٹھان، سندھی، مہاجر اور بلوچی کے نعروں کی جگہ: ''لیس منّا من دعا الٰی عصبیة! ولیس منّا من قاتل علٰی عصبیة! ولیس منّا من مات علٰی عصبیة!'' (مشکوٰۃ) (وہ ہم میں سے نہیں جو عصبیت کی طرف بلائے، یا عصبیت کی بنیاد پر لڑے، اور وہ ہم میں سے نہیں جس کی موت عصبیت پر آئے) کا درس دیا جاتا ہے۔ ان درس گاہوں کا تربیت یافتہ ہر بچہ، دِین و مذہب کی آبرو قائم کرنا جانتا ہے، اسے اپنی ذات وقوم سے زیادہ اسلام کی عزّت وناموس عزیز ہے، وہ ناموسِ رسالتؐ اور مقامِ نبوّت کی حفاظت کرنا جانتا ہے، وہ شعائرِ اسلام کی توہین کرنے والی ہر زبان کو خاموش کرنا جانتا ہے، اسے جہالتِ جدیدہ کے علم برداروں کے خلاف جہاد کا سلیقہ آتا ہے، وہ ان نفوسِ قدسیہ کے خلاف بولنے والے ہر دریدہ دہن اور بدباطن کے منہ میں لگام دینا اپنا اخلاقی، ملّی اور دِینی فریضہ سمجھتا ہے۔ سچ ہے کہ وہ ناموسِ دِین کے مقابلے میں سلطنت ''نیم روز'' کو ذرّہ برابر اہمیت نہیں دیتا...!

غالباً ان مدارس اور اربابِ مدارس کا سب سے بڑا جرم یہ ہے کہ وہ دِین پر دُنیا کو ترجیح کیوں نہیں دیتے؟ وہ دِینی حمیت اور ملّی غیرت سے کیوں سرشار ہیں؟ وہ ناموسِ رسالتؐ کے خلاف بھونکنے والی زبان کے خلاف احتجاج کیوں کرتے ہیں؟ وہ عریانی وفحاشی کے خلاف صدائے احتجاج کیوں بلند کرتے ہیں؟ وہ حالات سے سمجھوتا کیوں نہیں کرلیتے؟ وہ اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں نفاذِ اسلام کا مطالبہ کیوں کرتے ہیں؟ وہ لوگوں کے دِین و ایمان کا تحفظ کیوں کرتے ہیں؟ وہ جھوٹے مدعیانِ نبوّت اور ہر باطل پرست کے سامنے سینہ سپر کیوں ہوجاتے ہیں؟ وہ کلیسا کی طرز پر اپنے آپ کو دُنیا کے رنگ میں کیوں نہیں رنگ لیتے؟ وہ غلام احمد قادیانی سے لے کر موجودہ دور کے تمام ملاحدہ کے عزائم کو بے نقاب کیوں کرتے ہیں؟ وہ یوسف کذّاب کی بدمعاشیوں اور گوہر شاہی جیسے ملعونوں کی گستاخیوں سے چشم پوشی کیوں نہیں کرلیتے؟ وہ عاصمہ جہانگیر جیسی فاحشہ، اور مسلمان خواتین کے دامنِ عصمت کو تار تار کرنے والے، اور بے حیائی کی دستک دینے والے اس کے ادارے ''دستک'' کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ وہ محمد شیخ جیسے ملحد کے فلسفہ اجرائے وحی کو کیوں قبول نہیں کرتے؟ غلام احمد پرویز کی اِرتدادی تحریک اور ملک بھر میں این جی اوز کی کافرانہ سرگرمیوں کا نوٹس کیوں لیتے ہیں؟ اور سب سے بڑھ کر حکمرانوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنا کیوں جانتے ہیں...؟ اس لئے امریکہ سے لے کر رُوس تک تمام کافر قومیں اور لادِین قوّتیں ان کے خلاف متحد ہوکر میدانِ عمل میں اُتر آئی ہیں، ان کے مہروں نے اخبارات و جرائد اور عالمی میڈیا میں ان کو بدنام کرنے کا تہیہ کرلیا ہے، کرائے کے صحافیوں اور ضمیر فروش سیاست دانوں نے اسے اپنے ضمیر کی آواز سمجھ کر موقع سے فائدہ اُٹھایا اور اپنے آقاوٴں کے ہم دوش ہوگئے، ورنہ غیر جانب دارانہ تجزیہ کیا جائے تو دِینی مدارس اپنی مدد آپ کے تحت چل رہے ہیں اور نسلِ نو کی اصلاح وتربیت اور تحفظِ دِین و مذہب کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔ مگر ان دُشمنانِ دِین کا خیال ہے کہ

ان ''بے فائدہ'' مدارس کو بند کردیا جائے اور ان مُلّاؤں کو ملک سے بے دخل کردیا جائے۔ یہ ''مبارک'' تجویز ان نام نہاد ''روشن خیالوں'' نے پہلی بار پیش نہیں کی، بلکہ اس سے پہلے بھی چاندی کی کشتی میں بھرکر مولویوں کو سمندر میں غرق کرنے کا عندیہ دیا گیا تھا، مگر قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ مدارس کو بند کرنے والے اور علماء کو سمندر میں غرق کرنے والے خود غرق ہوگئے، اور انہیں پاکستان میں دفن ہونے کے لئے دوگز زمین تک نصیب نہ ہوسکی۔

اس لئے درج ذیل اخبارات کے مضمون نگاروں سے درخواست ہے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا ہے، یہاں اسلام اور اسلامی تعلیمات کی اشاعت و ترویج کے ذمہ دار علماء اور دِینی مدارس تو رہیں گے، البتہ اگر آپ کو اسلام اور اسلامی اقدار کی اشاعت و ترویج برداشت نہیں، تو آپ بڑی خوشی سے یہاں سے تشریف لے جایئے! بہتر ہوگا کہ آپ حضرات سیدھے اسرائیل تشریف لے جائیں، وہاں شاید آپ ان مولویوں کی دسترس سے محفوظ رہیں گے۔

دِینی مدارس کے خلاف دریدہ دہنی پر مشتمل اخبارات کے تراشے مع خطوط درج ذیل ہیں:

(۱)

''محترم جناب السلام علیکم!

فرقہ واریت کی آڑ میں دِینی مدارس کے خلاف مہم جاری ہے، اور نئی حکومت کو بھی متأثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ انگریزی اخبارات سے مندرجہ ذیل اقتباسات پیش کئے جارہے ہیں۔ ان اقتباسات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ انگریزی اخبارات فرقہ واریت کی آگ بجھانے کے بجائے منفی مضامین کے ذریعہ اسے مزید بھڑکانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسا کوئی

موقع ضائع نہیں کیا جاتا جس سے اہلِ سنت، اہلِ تشیع اور دیگر فقہ کے درمیان آپس میں غلط فہمیاں پیدا ہوں۔ آپ سے درخواست ہے کہ اس مہم کے تدارک میں تعاون کیجئے۔

محمد نقی رفیع۔''

۱:... ''دِینی مدارس فرقہ پرستی کے چیمپئنوں کے لئے فرقہ پرستوں کی ''پیداوار'' بڑھانے اور ان کی نشو و نما کرنے والے ادارے ہیں۔''

(امینہ جیلانی ''ڈان'' ۱۷/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۴ میگزین)

۲:... ''دِینی مدارس کے فارغ التحصیل فرقہ پرستی کی جنگ میں اپنی جان کی بازی لگانے میں فخر محسوس کرتے ہیں کہ اگر انہیں دُوسری زندگی ملے تو وہ دوبارہ اس راہ میں مرنا پسند کریں گے۔'' (امینہ جیلانی ''ڈان'' ۱۷/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۴ میگزین)

۳:... ''ہمارے معاشرے نے ''دُعا کلچر'' میں پناہ لی ہوئی ہے، یہ کلچر بے عملی، کاہلی اور اپنے مسائل کا حل دُوسروں کی مدد سے تلاش کرنے کے رویہ کا اظہار ہے، دُعا مانگنے کا کلچر دُوسروں پر انحصار پیدا کرنے کی عادت ڈالتا ہے۔''

(مبارک علی ''ڈان'' ۱۷/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۳)

۴:... ''حدود آرڈی نینس، قصاص و دیت آرڈی نینس اور قانونِ شہادت، خواتین کو ان کے حقوق سے محروم رکھنے کے لئے بنائے گئے۔''

(رزشتا سیتھنا ''ڈان'' ۱۵/۱۰/اکتوبر ۱۹۹۹ء دی ریویو ص:۱۲)

۵:... ''ہمیں ملک میں حکومتی سطح پر صرف قوم پرستی کو فروغ دینا چاہئے، کیونکہ پاکستان کے اسلامی گروپ اسلام کی

کسی ایک تعریف پر متفق نہیں۔“

(محمد اظہر خواجہ ”ڈان“ مراسلہ ۱۴/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱۲)

۶:... ”نام نہاد دِینی مدارس (فرقہ پرست) جنگجوؤں کی پناہ گاہیں اور یہ مدارس کم عمر بچوں کی ”برین واش“ کی نرسریاں ہیں۔“ (حسین نقی ”دی نیشن“ ۱۲/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۹)

۷:... ”دینی مدارس (فرقہ پرستی کی جنگ میں) رضا کار فراہم کرنے والے ادارے ہیں۔“

(عرفان حسین ”ڈان“ ۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱۳)

۸:... ”پاکستان میں ۲۰۰ شیعہ مدارس ہیں جنھوں نے ایران اور عراق کے مختلف دِینی مدارس سے اِلحاق کیا ہوا ہے، چند سالوں سے وہ طلبہ کو فوجی اور گوریلا تربیت بھی دے رہے ہیں۔ پاکستان کی کوئی سیکورٹی ایجنسی آج تک کسی شیعہ ملٹری ٹریننگ کیمپ کا کھوج نہیں لگاسکی۔“

(کامران خان ”دی نیوز“ ۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱ تا ۵)

۹:... ”حالیہ فرقہ وارانہ قتل کے واقعات میں صرف اہلِ تشیع کو نشانہ بنایا گیا جنھیں سنی فرقہ پرست غیرمسلم قرار دیتے ہیں۔“ (عرفان حسین ”ڈان“ ۹/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱۳)

۱۰:... ”نواز شریف نے جھنگ میں فرقہ پرست سنی لیڈر اعظم طارق کو رہا کردیا، جبکہ جھنگ سے شیعہ وزیر عابدہ حسین کو اپنی کابینہ سے باہر نکال دیا۔ حکومتی رویے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انتہاپسند سنیوں کو اہلِ تشیع کے خلاف مسلح کر رہے ہیں۔“ (دی فرائیڈے ”ٹائمز“ ۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱)

۱۱:... ”حدود آرڈی نینس، قصاص و دیت آرڈی نینس

اور قانونِ شہادت خواتین کے خلاف امتیازی قوانین ہیں۔“

(راشدہ پٹیل ”ڈان“ دی ریویو ۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۲۲)

۱۲:... ”مذہبی تحریکیں عوام کے درمیان تقسیم پیدا کرکے معصوم ذہنوں کو گمراہ کر رہی ہیں۔“

(نوید خان ”ڈان“ ۷/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱۲)

۱۳:... ”بعض دِینی مدارس فرقہ پرست جنگجوؤں کی بھرتی کے ”زرخیز“ ادارے ہیں، جبکہ طالبان شیعہ مخالف قوتوں کو اپنی سرزمین پر فوجی تربیت دے رہے ہیں۔“

(اداریہ ”دی نیشن“ ۳/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۶)

۱۴:... ”فرقہ وارانہ قتل کے واقعات میں خفیہ ہاتھ کارفرما ہے، سنی و اہلِ تشیع علماء کی مشترکہ قرارداد۔“

(”دی نیوز“ ۵/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۳)

۱۵:... ”مفتی حضرات پر فتویٰ جاری کرنے پر پابندی عائد کی جائے اور جہادی تنظیموں کو غیرقانونی قرار دیا جائے۔“

(نثار شمسی، مراسلہ ”دی نیشن“ ۱۸/ اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۵)

(۲)

”محترم جناب السلام علیکم ورحمۃ اللہ!

پاکستان میں دِینی مدارس و دِینی اداروں، علمائے کرام اور شعائرِ اسلام کے خلاف گزشتہ کچھ عرصے سے نہایت شدّت کے ساتھ انگریزی میڈیا میں منفی پروپیگنڈا جاری ہے۔ نظریۂ پاکستان کُش، نظریات کا پرچار کیا جارہا ہے۔ جب سے فوجی حکومت نے اقتدار سنبھالا ہے اس پراپیگنڈے کی شدّت میں مزید اضافہ کردیا گیا ہے۔ سیکولر اور لادِین دانشور حضرات نئی

حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے انگریزی اخبارات و جرائد میں سیکولر نظریات کا پرچار کرکے اسے ملکی قوانین کا حصہ بنانے کے لئے بھرپور تحریک چلا رہے ہیں، اس سلسلے میں انگریزی اخبارات کے چند اقتباسات منسلک ہیں۔

تعلیم یافتہ، مقتدر اور دانشور طبقہ انگریزی اخبارات و جرائد کو خصوصی توجہ و دِلچسپی سے پڑھتا ہے۔ اس لئے وہ اس منفی پراپیگنڈے سے زیادہ متأثر ہوسکتا ہے۔ آپ سے درخواست ہے کہ اگر اسلام پر کسی بھی پہلو سے ''ابلاغی حملوں'' پر مبنی کوئی تحریر آپ کی نظر سے گزرے تو اس کے جواب میں کم از کم ایک مراسلہ اور اپنی تجاویز سے ہمیں اور اخبارات کے ایڈیٹرز صاحبان کو ضرور آگاہ کریں، اس ضمن میں آپ کو اخبارات کی کٹنگ درکار ہوں تو ہم سے رابطہ کرسکتے ہیں۔ آپ کی دُعاؤں کا طالب

محمد نقی رفیع۔''

''دینی مدارس اور شعائرِ اسلام کی توہین''

ا:... ''دِینی مدارس کے فارغ التحصیل اپنے آپ کو ریاست کے کسی قانون و ضابطے کا پابند نہیں سمجھتے۔ پاکستان کے دِینی مدارس میں انتہاپسندانہ اور مسلح جنگجویانہ نظریات پر مبنی تعلیم دی جارہی ہے، جس کے نتیجے میں دلیل اور رواداری کے بجائے گولی کی زبان میں بات کرنے کا رُجحان سامنے آیا ہے۔ پاکستان کی ۵۲ سالہ تاریخ میں اسلام کے نام پر اتنے بدترین فسادات نہیں ہوئے جتنے اب دیکھنے میں آرہے ہیں۔ مسلمان، مسلمان کو اسلام کے نام پر قتل کر رہا ہے۔''

(اے بی ایس جعفری کا مضمون ''از دِس دی پاکستان جناح میڈ؟'' ڈان ۲۷ر نومبر ۱۹۹۹ء ص:۱۱)

۲:... ''عالمی پریس نے قانون توہینِ رسالتؐ کو ''وحشیانہ'' قرار دیا..... تعلیم یافتہ طبقہ ان قوانین (توہینِ رسالتؐ) کے نفاذ سے بے چین ہے۔ پاکستان کے عوام سمجھتے ہیں کہ مسلم اکثریتی ریاست (پاکستان) میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان کی ناموس اور قرآن کے تقدس کو کوئی خطرہ نہیں، پاکستان میں عدم رواداری کے کلچر کے باعث بنیادی انسانی حقوق بدستور ایک غیرمانوس تصوّر ہے۔ ایک مسلمان اپنے مفادات کے لئے اپنے حقوق پر زور دیتا ہے، لیکن کسی غیرمسلم کے مفاد میں بہت کم اس کی اجازت دیتا ہے۔ یہ سب کام پاکستان کا ایک چھوٹا و دقیانوس (علماء و دِینی رہنما ... ناقل) کا گروپ کر رہا ہے، جو مختلف فرقوں میں بٹا ہوا ہے، جو پاکستان کے حقیقی تصوّر اور جمہوری ریاست، جس میں ہر شہری کو مساوی حقوق و مواقع اور مقام دیا جائے، کو بگاڑنے پر تلا ہوا ہے۔''

(الطاف گوہر ''پاکستان میں قانونِ توہینِ رسالتؐ'' دی نیشن ۲۹ر نومبر ۱۹۹۹ء ص:۸)

۳:... ''میانوالی میں اِمام مسجد دِینی مدارس کے بچوں کو سڑک کے دونوں اطراف کھڑا کرکے صبح سے شام تک چندہ جمع کرتے ہیں، بعض بچے اپنی ٹوپیوں میں تعمیرِ مسجد کے لئے چندہ مانگ رہے تھے، جیسے گداگر بھیک مانگتے ہیں، جبکہ اِمام صاحب ایک جگہ چارپائی ڈال کر چندہ مہم کی نگرانی کرتے ہیں۔''

(نامہ نگار میانوالی، ڈان ۲۹ر نومبر ۱۹۹۹ء ص:۸)

۴:...''ممتاز صحافی سردار فاضلی نے لاہور میں اپنی رہائش گاہ اس لئے تبدیل کرلی تھی کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اِمام مسجد کے خطاب میں جذبات کو اُبھارنے والی جنسی تعلیم ان کی نوجوان بیٹیوں کے علم میں آئے۔ اسلام ترقی پسند دِین ہے تو پھر ہمارے علمائے کرام اتنے جاہل اور دقیانوس کیوں ہیں؟ ...... ہمیں ایسے مولویوں کی ضرورت ہے جو انگریزی اور سائنسی علوم سے واقف ہوں .....اور مغرب کی ہر چیز کو کم نظری سے نہ دیکھتے ہوں۔ اگر پاکستان کی تمام مسجدوں سے پیشہ ور مولویوں کی چھٹی کردی جائے اور ان کی جگہ تعلیم یافتہ لوگوں کو لایا جائے تو ایک مسلمان دُوسرے مسلمان کے خلاف کفر کا فتویٰ نہیں دے سکے گا، فرقہ واریت ختم ہوجائے گی۔''

(حفیظ الرحمٰن، دی نیشن ۲۷رنومبر ۱۹۹۹ء ص:۶)

۵:...''ملکی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ مذہب (اسلام) کا دردِ سر پیدا کرنے والا روگ ہے۔ اگر جنرل پرویز مشرف ان مخبوط الحواس جنونی (علمائے کرام ومولویوں) کو مدرسوں تک محدود کردیں تو یہ قوم کی عظیم خدمت ہوگی۔ انہیں افغانستان بے دخل کردیا جائے تو کیسا رہے گا؟ انہیں جہازوں اور ہیلی کاپٹروں میں بھر کر سب کی گردنوں میں لاؤڈاسپیکر لٹکا کر پیراشوٹ کے ذریعہ افغانستان میں گرادیا جائے۔ اگر پاکستان کو ان دھاڑنے والے مُلّاؤں سے پاک کردیا جائے تو یہ ملک رہنے کے قابل ہوجائے گا۔ افغانستان میں مُلّاؤں کو ایک چیز کی کمی محسوس ہوگی، وہ عاصمہ جہانگیر اور ان کی برادری ہے جسے وہ لعن طعن کرتے ہیں۔''

(اسلم مروت، مراسلہ، دی فرائیڈے ٹائمز، ۲۶رنومبر ۱۹۹۹ء ص:۱۰)

۶:...''ہمیں جمہوریت کے فروغ کے لئے مذہبی امتیاز کی پالیسی کو ختم کرنا ہوگا اور اقلیتوں کو مساوی حقوق دینا ہوں گے۔ مستقبل میں جمہوریت کی کامیابی کا دار و مدار تمام غیرجمہوری رُکاوٹوں (جن کا تعلق دِینِ اسلام سے ہے) کے خاتمے پر ہوگا۔'' (فرید احمد، مراسلہ، ڈان ۱۸رنومبر ۱۹۹۹ء ص:۱۲)

۷:...''دُنیا اکیسویں صدی میں داخل ہو رہی ہے، ہمارے مذہبی راہ نما (علمائے کرام) قرونِ وسطیٰ کے زمانے میں رہ رہے ہیں۔ ملک میں ۱۹۷۳ء کے آئین کو برقرار رکھنے کی بات کی جارہی ہے، یہ وہ آئین ہے جو قادیانیوں کو کافر قرار دیتا ہے اور اقلیتوں کو تحفظ فراہم نہیں کرتا۔''

(عبدس میر، مراسلہ، ڈان ۱۸رنومبر ۱۹۹۹ء ص:۱۲)

۸:...''پاکستان کے دِینی مدارس نوجوان طالب علموں کو فوجی تربیت دینے کے مراکز بن گئے ہیں۔''

(سابق وفاقی وزیر سیّد اقبال حیدر، دی نیوز ۱۶رنومبر ۱۹۹۹ء ص:۶)

مندرجہ بالا خطوط، اخباری تراشوں اور اقتباسات کے مطالعے سے قارئین کو اندازہ ہوا ہوگا کہ ان لوگوں کا کس مذہب و دِین سے تعلق ہے؟ اور یہ لوگ کس کی ترجمانی اور کس کا حقِ نمک ادا کر رہے ہیں؟ انہیں اگر دُنیا میں کوئی مظلوم نظر آتا ہے تو وہ جو صرف اور صرف ملتِ اسلامی کا دُشمن اور آقائے نامدار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا باغی ہے۔

♦:...ان دِین دُشمنوں کو ''دُعا کلچر'' سے اختلاف ہے، کیونکہ اس سے خالق و مخلوق اور عبد و معبود کا باہمی رشتۂ عجز و نیاز استوار ہوتا ہے، اس سے فرعونی جذبات اور

نمرودی احساسات پامال ہوتے ہیں، اس سے انسان کو اپنی عبدیت و تذلّل اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کا استحضار ہوتا ہے، بنیادی طور پر یہی وہ تصوّر ہے جو اِنسان کو خدا بننے سے روکتا ہے، مگر چونکہ اس سے ان کی فرعونیت پر زَد پڑتی ہے اس لئے یہ ان کے لئے ناقابلِ قبول ہے۔

قرآن کہتا ہے: ''اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ'' (تم مجھ سے مانگو میں تمہاری دُعا قبول کروں گا)، مگر ان کو ''دُعا کلچر'' سے چڑ ہے۔ سچ پوچھئے تو ان کو قرآن سے اور صاحبِ قرآن سے اختلاف ہے۔

❞:... قادیانیت نواز طبقہ ۱۹۷۳ء کے آئین کا صرف اس لئے مخالف ہے کہ اس میں قادیانیوں کو اِرتدادی سرگرمیوں سے روکنے کے لئے ان کی مذہبی حیثیت کو متعین کیا گیا ہے۔

❞:... قانونِ توہینِ رسالتؐ سے چونکہ ان کی دریدہ دہنی پر قدغن لگائی گئی ہے، اس لئے انہیں وہ ایک نظر نہیں بھاتا۔

❞:... حدود آرڈی نینس سے انہیں اس لئے چڑ ہے کہ اس سے ان کو سرِ عام زناکاری سے روکا جاسکتا ہے۔

❞:... قانونِ قصاص و دیت ان کو اس لئے کھٹکتا ہے کہ اس سے ان کی دہشت گردی پر زَد پڑتی ہے، اور ان کی حیوانی خواہشات پر حرف آتا ہے۔ قرآنِ کریم قانونِ قصاص و دیت کو حیاتِ انسانی کا ضامن قرار دیتا ہے، لیکن انگریزی مہروں کے ہاں یہ قابلِ تنسیخ ہے، شاید اس لئے کہ ان کو اللہ کے فیصلے پر اعتراض ہے۔

❞:... اسی طرح قانونِ شہادت سے اختلاف کی وجہ اس کے سوا کیا ہوسکتی ہے کہ اس سے انہیں اپنی من مانی کرنے اور ناحق کسی کی گردن ناپنے سے روک دیا گیا ہے۔

❞:... اسلامی گروپوں سے خائف اور حکومتی سطح پر ''قوم پرستی'' کے فروغ کی

ترغیب و تلقین اور فروغ دینے والوں کو قوم پرستی اور عصبیت کی آبیاری سے پہلے اس کے ''فوائد و ثمرات'' اور آثار و نتائج پر غور کرلینا چاہئے، اگر یہ ''شجرۂ طیبہ'' قوم کے لئے مفید ہے تو ضرور اس کی شجرکاری کرنی چاہئے، مگر... کراچی، اندرونِ سندھ اور پاکستان بھر میں عصبیت کے عفریت کی ''برکات'' اور اس کی خون آشام داستان، قومیت و عصبیت کی بھینٹ چڑھنے والے معصوموں کا خون ذرا خشک ہولینے دیں۔ کیا حقوقِ انسانی کے ان نام نہاد دعوے داروں کی ہوسِ قتل و غارت کو، ہزاروں ماؤں کی گودیں اُجڑنے، بچوں کے یتیم ہونے اور دُلہنوں کے سہاگ لٹنے سے تسکین نہیں ہوئی؟ کیا عصبیت کے اس منحوس سایہ میں ملکی معیشت کی تباہی و بربادی سے بھی ان کے جذبات کو تسکین نہیں ہوئی کہ وہ اب تک اس ''مبارک'' خواہش کو پہلو میں لئے ہوئے بےقرار نظر آتے ہیں...؟ تف ہے اس عقل و دانش پر! اور حیف ہے اس فکر و سوچ پر...!

❞:... جہاں تک علماء پر فرقہ واریت کا الزام ہے، اگر غور کیا جائے تو فرقہ واریت کے عفریت کو ان اخبارات، ملک دُشمن عناصر اور ضمیر فروش صحافیوں نے متعارف کرایا ہے، جیسا کہ ان مندرجہ بالا تراشوں میں سے چند ایک میں کھلی فرقہ واریت کی دعوت دی گئی ہے، بلکہ ایک فرقہ کو دُوسرے کے خلاف باقاعدہ مشتعل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، مثلاً:

> ''پاکستان میں ۲۰۰ شیعہ مدارس ہیں، جنھوں نے ایران اور عراق کے مختلف دِینی مدارس سے اِلحاق کیا ہوا ہے، چند سالوں سے وہ طلبہ کو فوجی اور گوریلا تربیت بھی دے رہے ہیں۔ پاکستان کی کوئی سیکورٹی ایجنسی آج تک کسی شیعہ ملٹری ٹریننگ کیمپ کا کھوج نہیں لگاسکی۔''

(کامران خان ''دی نیوز'' ۹؍اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱ تا ۵)

''حالیہ فرقہ وارانہ قتل کے واقعات میں صرف اہلِ تشیع کو نشانہ بنایا گیا، جنھیں سنی فرقہ پرست غیر مسلم قرار دیتے ہیں۔''

(عرفان حسین ''ڈان'' ۹/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱۳)

''نواز شریف نے جھنگ میں فرقہ پرست سنی لیڈر اعظم طارق کو رہا کردیا، جبکہ جھنگ سے شیعہ وزیر عابدہ حسین کو اپنی کابینہ سے باہر نکال دیا۔ حکومتی رویے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انتہا پسند سنیوں کو اہلِ تشیع کے خلاف مسلح کر رہے ہیں۔''

(دی فرائیڈے ''ٹائمز'' ۸/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۱)

بعض دِینی مدارس فرقہ پرست جنگجوؤں کی بھرتی کے ''زرخیز'' ادارے ہیں، جبکہ طالبان شیعہ مخالف قوتوں کو اپنی سرزمین پر فوجی تربیت دے رہے ہیں۔''

(اداریہ ''دی نیشن'' ۳/اکتوبر ۱۹۹۹ء ص:۶)

ان تمام تراشوں میں ایک فرقے کی مظلومیت کا ذکر کرکے اسے مشتعل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی...؟

❞:... اسی طرح اس زرد صحافت کے غلط پروپیگنڈے کا ایک دُوسرا خطرناک پہلو یہ بھی سامنے آتا ہے کہ سنی اکثریتی ملک میں اگر خدانخواستہ کہیں کوئی دو چار سنی قتل ہوجائیں تو سرخی لگتی ہے کہ: ''اتنے افراد قتل کردیئے گئے''، لیکن اگر کہیں کسی اقلیتی فرقے کا ایک آدھ فرد کام آجائے تو اخبارات ہیجان انگیز انداز میں اسے فرقہ واریت کی واردات کا نام دے کر اشتعال کی راہ ہموار کرتے ہیں۔

❞:... رہی ان ضمیر فروشوں کی یہ شکایت کہ ''مذہبی تحریکیں عوام کے درمیان تقسیم پیدا کرکے معصوم ذہنوں کو گمراہ کر رہی ہیں'' اس پر اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ: ''برعکس نہند نام زنگی کافور''۔

ہاں! البتہ علماء اور مذہبی تحریکوں کا یہ قصور ضرور ہے کہ وہ دورِ حاضر کے ان مستشرقین کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ ثابت ہوئے ہیں، جو کفر کو ''اسلام'' باور کرانا چاہتے ہیں، اسی طرح وہ اسلام کے چہرۂ صافی سے ان دُشمنانِ دِین کی اُڑائی ہوئی گرد و غبار کو صاف کرتے ہیں۔ اگر یہ جرم ہے، تو ضرور مذہبی تحریکیں اور علماء اس میں ملوّث ہیں اور رہیں گے۔

❞:... ان خدا بیزار عناصر کو علماء کے حقِ فتویٰ پر بھی اعتراض ہے، ان کی خواہش ہے کہ علماء سے فتویٰ کا حق چھین لیا جائے، اور مفتی حضرات پر فتویٰ جاری کرنے پر پابندی عائد کی جائے۔ غور کیا جائے تو اس خواہش کی تہ میں دِین بیزاری کا چور چھپا ہوا ہے، کیونکہ ان کو اندیشہ ہے کہ اگر انہوں نے کھل کر اپنی دِین بیزاری کا اعلان کردیا تو یہی علماء ان کا راستہ روکیں گے، ہمارے خلاف فتویٰ دیں گے، عوام کو اِرتداد کی سزا کا مسئلہ بتلائیں گے اور اسلامی اُصول کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کو اِرتداد کی سزا کا فلسفہ سمجھائیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ دُنیا بھر میں ہند و پاک کا خطہ ایسا ہے جس میں علماء کی قربانیوں کی بدولت مسلمانوں کے دِلوں میں ان کی بہت بڑی قدر ہے، یہی وہ علماء تھے جنھوں نے انگریزی طاغوت کو للکارا، جس کی پاداش میں ایک ایک دن میں ہزاروں علماء سولی پر لٹکائے گئے، انہی علماء کی دوسو سالہ جدوجہد کا نتیجہ ہے کہ بدیسی حکمران اپنا بستر بوریا باندھنے پر مجبور ہوگئے، یہی وہ علماء تھے جنھوں نے ہر باطل سے ٹکر لی اور باطل کو پاش پاش کردیا، علماء کے اس روشن کردار کی بدولت مسلمان ان کی ہر دعوت پر لبیک کہتے ہیں، اس لئے ان دِین دُشمنوں کو خطرہ ہے کہ اگر علماء کے پاس فتویٰ کا حق رہا تو ان کی دِین بیزاری کے اعلان پر ان کا وجود خطرے میں پڑجائے گا...!

❞:... اسی طرح ''دی نیشن'' کے کالم نگار کو شکایت ہے کہ محلے کی مسجد کے اِمام صاحب اپنے خطاب میں جذبات اُبھارنے والی جنسی تعلیم دیتے تھے، ممتاز صحافی

سردار فاضلی نہیں چاہتے تھے کہ ان کی بیٹیوں کے علم میں یہ تعلیم آئے، اس لئے وہ اپنی رہائش بدلنے پر مجبور ہوگئے۔ جناب فاضلی صاحب اگر اپنی رہائش گاہ بدلنے سے پہلے مسجد، امامِ مسجد کا نام، پتہ اور اس کے جذبات اُبھارنے والے خطاب کی کیسٹ محفوظ فرماکر ان کی نشاندہی کردیتے یا خطاب کے قابلِ اعتراض حصوں کی نشاندہی فرمادیتے تو ان کا موقف مضبوط ہوتا، اور یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ شریعت کے کس مسئلے سے ان کی عفت مآب بنات کے آبگینۂ شرم و حیا کو ٹھوکر لگنے کا خطرہ پیدا ہوگیا تھا؟ اسی طرح یہ بھی واضح ہوجاتا کہ ...نعوذ باللہ... وہ کون کون سے مسائل ہیں جن کو بیان کرتے ہوئے صاحبِ شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کی شرم و حیا کو مدِنظر نہیں رکھا؟

حیرت ہے کہ جس دِین و شریعت کو اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمایا، سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بیان فرمایا، اور رشکِ ملائک وقدسی صفات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کی مطہر ومقدس صاحبزادیوں نے انہیں سنا، اور سن کر اس پر خفت و حجاب محسوس نہیں کیا، مگر ان مسائل کو سن کر جناب فاضلی صاحب محجوب ہوکر مکان بدلنے پر مجبور ہوگئے...! کہیں تبدیلیٔ مکان کے پیچھے دُوسرے عوامل تو کارفرما نہیں تھے؟ کہیں بچیوں کے سامعۂ مبارک میں دِین کی بات پڑنے اور روزمرّہ زندگی میں اس کے اثرات ظاہر ہونے کا اندیشہ تو نہیں تھا...؟

دورِ حاضر کے ان روشن خیال صحافیوں سے کوئی پوچھے کہ انہیں کبھی اخبارات و رسائل کی عریانی و فحاشی اور ٹی وی، وی سی آر کی حیا باختگی کے خلاف لکھنے کی بھی توفیق ہوئی؟ کیا ساری بے حیائی، عریانی اور فحاشی دِینی مسائل، فقہی ابواب اور اَربابِ دِین کے بیانات میں ہی ہے؟ رات دن چلنے والے ان غیرملکی ٹی وی چینلوں میں دِکھائے جانے والے حیا سوز مناظر اور ایمان کش پروگراموں سے ان کی بچیوں کو حیاء نہیں آتی؟ کبھی انہوں نے اپنی بچیوں کو ٹی وی اور وی سی آر کی فحش فلموں کی لعنت

سے بچانے کے لئے بھی گھر بدلا ہے؟ اگر یہ ممکن نہیں تو کیا انہوں نے وی سی آر اور ٹی وی کو گھر سے نکال باہر کیا ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے، تو پھر ان ''مُلّاؤں'' کو ہی غیظ وغضب کا نشانہ کیوں بنایا جاتا ہے...؟

غور کیا جائے تو دراصل یہ سارا کھیل لادِین عناصر اور دِین دُشمن لابیوں کا ہے جن کو پاکستان کی سالمیت، اس کی بقاء اور اس کا امن وسکون کھٹکتا ہے۔ یہ عناصر گزشتہ ۵۳ سال سے اس ناپاک کوشش میں ہیں کہ کسی طرح ان کا اَکھنڈ بھارت کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوجائے۔ اَربابِ حکومت کو ایسے اخبارات اور ان کے ضمیر فروش صحافیوں کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا چاہئے، **واللہ الهادی وهو یهدی السبیل!**

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۱ھ مطابق اگست ۲۰۰۰ء)

خدماتِ دارالعلوم دیوبند کانفرنس
لائقِ تبریک کارنامہ!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

اب جبکہ ملتِ کفر متحد ہوچکی ہے، مغربی اقوام اور سپر طاقتوں نے مسلمانوں میں افتراق و انتشار کے ناپاک بیج بونے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی، اور مسلمانوں کو عصبی اور گروہی اختلافات میں بانٹنے میں کامیاب ہوچکے ہیں، جس کی وجہ سے مسلمان ہر جگہ تشتّت و انتشار کا شکار ہیں، اور محض جھوٹی انا اور معمولی اغراض کی خاطر مسلمانوں کو ایک دُوسرے سے دست و گریباں کردیا گیا ہے، یہاں تک کہ وہ ایک دُوسرے کے خون کے پیاسے ہوچکے ہیں، اور مسلمان کے ہاتھوں مسلمان قتل ہو رہا ہے، اس بات کی ضرورت ہے کہ اُمتِ مسلمہ کو رشتۂ وحدت میں پرویا جائے، انہیں باہمی اختلاف کی نحوست سے آگاہ کرکے دُشمن کی چالوں سے آگاہ کیا جائے، انہیں دُشمن کی خفیہ چالوں اور عزائم سے مطلع کیا جائے اور بتلایا جائے کہ تم اپنی متحدہ قوت سے تاریخ کا دھارا بدل سکتے ہو، اور تم ایک ناقابلِ شکست قوم ہو، اس لئے کہ تمہارے پاس ایمان و عمل کی قوت ہے، تمہارے پاس حریت، آزادی کا جذبہ اور جہاد کا ہتھیار ہے۔ تاریخ میں جب بھی کفر نے اسلام اور مسلمانوں پر یلغار کرنے کی کوشش کی ہے، اسے مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور جذبۂ حریت و آزادی نے اپنے

زخم چاٹنے پر مجبور کیا ہے۔

متحدہ ہندوستان میں برطانوی سامراج کا شب خون اور سوویت یونین کی افغانستان پر چڑھائی، پھر اس کی ذلت آمیز شکست، مسلمانوں کی حرارتِ ایمانی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ برطانوی سامراج جس کی وسعت کے بارے میں کبھی یہ مشہور تھا کہ اس کی قلم رو میں سورج غروب نہیں ہوتا، جب اس کو مسلمانوں سے سابقہ پڑا تو آج وہ اس قدر سمٹ کر رہ گیا ہے کہ کئی کئی ماہ تک اس کی حدود میں سورج دِکھائی نہیں دیتا۔

اسی طرح سوویت یونین جو کبھی امریکہ کو ہڑپ کرنے کے خواب دیکھتا تھا اور امریکہ بہادر اس سے خائف تھا، اس نے جب مسلمانوں کی آزادی سلب کرنے کی کوشش کی اور افغانستان میں اپنے ناپاک قدم جمانے کی غلطی کی تو اپنا وجود برقرار نہ رکھ سکا۔

مسلمانوں کی موجودہ بیداری اور دِین داری، اقوامِ عالم کو ایک نظر نہیں بھاتی، وہ نہیں چاہتیں کہ مسلمان سر اُٹھا کر چلیں اور اپنے فیصلے خود کریں، ان کی خواہش ہے کہ مسلمان ان کے باج گزار اور دست نگر بن کر رہیں، اور ان کے اشارۂ ابروئے چشم پر گردن ہلائیں، نہیں تو انہیں جینے کا کوئی حق نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ آج ہر جگہ مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، ان کے خلاف ہر طرف سے جنگ کا بگل بجایا جارہا ہے، انہیں ہر طرح بدنام کرنے اور موردِ الزام ٹھہرانے کا ہر حربہ استعمال کیا جارہا ہے، ان پر مالی، معاشی اور اقتصادی پابندیوں کا گھیرا تنگ کیا جارہا ہے، ہر جگہ مسلمان گاجر مولی کی طرح کٹ رہا ہے، مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی، انسانی حقوق کی کوئی تنظیم آواز نہیں اُٹھاتی، اقوامِ متحدہ کی زبان نہیں کھلتی، اور اَمنِ عالم کی دعوے دار اقوامِ متحدہ پر سکوتِ مرگ طاری ہے۔

ان حالات میں مسلمانوں کو بیدار کرنے، ان کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دِلانے کی جتنی ضرورت اب ہے، شاید کبھی نہیں تھی۔ ایک عرصے سے مسلمانوں کی

نظریں کسی ایسی شخصیت کی متلاشی تھیں جو ''رجل رشید'' کا کردار ادا کرے اور آگے بڑھ کر اُمتِ مسلمہ کی قیادت و سیادت کا فریضہ انجام دے، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے قائدِ جمعیت مولانا فضل الرحمٰن کو جنھوں نے اس سکوت کو توڑا اور جرأتِ رندانہ کا مظاہرہ کیا، اور سب سے پہلے انہوں نے فرعونِ امریکہ کو للکارا اور دُنیا بھر میں امریکی مظالم کے خلاف آواز اُٹھائی، اور اس کے خلاف پاکستان بھر میں نفرت کی فضا پیدا کی اور افغانستان پر مجوّزہ امریکی حملے کو شرمندۂ تعبیر ہونے سے روکا، سچ یہ ہے کہ اس نوجوان نے پوری پاکستانی قوم کو امریکہ کے خلاف آتش زیرِ پا کردیا۔

دُوسرے مرحلے پر موصوف نے جذبۂ حریت و آزادی اور اِستخلاصِ وطن سے معمور علمائے دیوبند کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرکے ان کو بھولا ہوا سبق یاد دِلایا اور بتلایا کہ آپ جس مادرِ علمی کے فرزند اور چشمۂ صافی کے فیض یافتہ ہیں، اس کی تاریخ وحدت و اتحاد اور جدوجہد سے عبارت ہے۔ اور انہیں یہ باوار کرایا کہ ہمارے اکابر خصوصاً قافلۂ شاہ ولی اللہ نے ہندوستان میں اس وقت ملتِ اسلامیہ کو کفر کے خلاف متحد کیا جب اس کا شیرازہ بکھر چکا تھا، انہوں نے مسلمانوں کو ایک لڑی میں پرونے، ان کی علمی اور فکری تربیت کرنے کے لئے دیوبند میں ایک دِینی مدرسہ کی داغ بیل ڈالی۔

دارالعلوم دیوبند نام کو ایک مدرسہ تھا، لیکن اس کے پسِ منظر میں اسلام کی سربلندی کا ایک عظیم پروگرام تھا، چنانچہ ظفرعلی خانؒ نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا:

شاد باد و شادزی اے سرزمینِ دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
اس میں قاسم ہوں کہ انور شاہ کہ محمود الحسن
سب کی ہمت تھی بلند اور سب کی فطرت ارجمند

اور گرمیٔ ہنگامہ ہے تیری حسین احمد سے آج
جن سے ہے پرچم روایاتِ ملت کا سربلند

اور جناب نواب زادہ نصراللہ خان صاحب نے اس شعر میں بجاطور پر مناسب ترمیم کرکے اکابرِ دیوبند کی خدمات کے دائرے کو وسیع کرتے ہوئے یوں کہا ہے کہ:

شاد باد و شادزی اے سرزمینِ دیوبند
دُنیا میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند

اس تاریخی تسلسل کو برقرار رکھنے کے لئے جمعیت علمائے اسلام نے اپنے مرحوم قائد حضرت مولانا مفتی محمود رحمۃ اللہ علیہ کی خواہش، تمنا اور پروگرام کو عملی شکل دیتے ہوئے دارالعلوم دیوبند کی ڈیڑھ صد سالہ خدمات کے عنوان پر پشاور سے متصل تاروجبہ میں عالمی کانفرنس منعقد کی، جس میں ہند و پاک، افریقہ، امریکہ اور عرب و حجاز کے علمائے دِین تشریف لائے اور پندرہ سے بیس لاکھ فرزندانِ توحید نے اس میں والہانہ انداز سے شریک ہوکر ملتِ کفر کو باور کرایا کہ بحمداللہ ابھی تک مسلمان زندہ ہیں، متحد ہیں، اور وہ کفر کے خلاف آج بھی اسی طرح یک جان ہیں، جس طرح ان کے اکابر کفر کے مقابلے میں متحد تھے۔ اس تین روزہ کانفرنس میں امیرالہند حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن، نائب مہتمم حضرت مولانا قاری محمد عثمان، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق اعظمی، ماہنامہ ''دارالعلوم دیوبند'' کے مدیر اور اُستاذِ حدیث حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمٰن قاسمی، اُستاذِ حدیث حضرت مولانا سعید احمد پالن پوری، دارالعلوم دیوبند کے اُستاذِ تفسیر مولانا محمد راشد اعظمی، اُستاذِ حدیث حضرت مولانا نعمت اللہ، مولانا مفتی حبیب الرحمٰن خیرآبادی، مولانا قمرالدین، مولانا عبدالرحیم بستوی، صاحبزادہ مولانا محمد اظہر مدنی، صاحبزادہ مولانا محمد انوار، مولانا محمد عالم گورکھپوری، صاحبزادہ مفتی عفان منصور پوری،

جامعہ قاسمیہ شاہی مراد آباد کے شیخ الحدیث مولانا مفتی شبیر احمد، جامعہ قاسمیہ کے اُستاذِ حدیث اور ماہنامہ ''ندائے شاہی'' کے مدیر مولانا مفتی سلمان منصور پوری وغیرہ ہندوستان کے اکابر علماء اور مفتیانِ کرام نے بھرپور شرکت کی، اور نہایت گرامی قدر بیانات و مقالات سے شرکائے کانفرنس کو نوازا، جبکہ دُوسرے علماء اور زعماء میں سے مولانا امیر بجلی گھر، شیخ الحدیث مولانا حسن جان، مولانا ڈاکٹر شیر علی شاہ، مولانا عبدالمجید ندیم، مولانا سمیع الحق، مولانا محمد خان شیرانی، جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، جامعہ علومِ اسلامیہ کے شیخ الحدیث مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزی، جامعہ اسلامیہ راولپنڈی کے مولانا قاری سعیدالرحمٰن، وفاق المدارس کے ناظمِ اعلیٰ مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مکہ مکرّمہ کے مولانا ملک عبدالحفیظ مکی، عالمی مجلس تحفظِ ختمِ نبوّت کے مولانا اللہ وسایا، صدر وفاق المدارس مولانا سلیم اللہ خان، چمن کے مولانا عبدالغنی، مولانا عبدالغفور حیدری، جہادِ افغانستان کے عظیم مجاہد مولانا نبی محمدی، مولانا قاری محمد اجمل خان، مؤتمر عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل راجہ ظفرالحق، نواب زادہ نصراللہ خان، روزنامہ ''جنگ'' کے ایڈیٹر محمود شام، ایرانی صدر کے مشیر مولانا محمد اسحاق مدنی، جنوبی افریقہ کے مولانا محمد اسماعیل بھام جی، برطانیہ کے مولانا حافظ محمد اکرام، اور امارتِ اسلامی افغانستان کے امیر المؤمنین مُلاَّ محمد عمر نے بذریعہ کیسٹ خطاب کیا، جبکہ قائدِ جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن نے افتتاحی اور اختتامی اجلاس سے بھرپور خطاب کیا۔

کانفرنس میں دارالعلوم دیوبند اور اکابرِ دیوبند کی خدمات، ان کے مسلک و مشرب کی وضاحت، کام کرنے کے طریقۂ کار اور اسلاف کی کامیابی کے اسباب و رُموز کی نشاندہی کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا گیا کہ آج اُمتِ مسلمہ کو اس کی ضرورت ہے کہ اس کے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع کیا جائے، ان کو وحدت و توحید کی طرف بلایا جائے، کیونکہ مسلمان اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے مختلف خطوں میں

بٹے ہوئے ہیں، لیکن رُوحانی اعتبار سے وہ مملکتِ اسلام اور مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند کے فرزند ہیں، اور بتلایا گیا کہ آج کا یہ اجتماع اس سرزمین کے لئے بالخصوص، عالمِ اسلام کے لئے بالعموم اور آنے والی نسلوں کے لئے اِن شاءاللہ راہ نما ثابت ہوگا۔

قائدِ جمعیت مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ: ہم سمجھتے ہیں کہ آج اس اجتماع میں پوری ملتِ اسلامیہ کی نمائندگی موجود ہے، آج تمام مسلمان باوجود کثرت کے مظلومیت کا شکار ہیں، چنانچہ کوسوو، فلسطین، چیچنیا، برما اور بالخصوص افغان قوم جو گزشتہ چوبیس سال سے رُوس کے مظالم کا شکار ہے، جہاں کوئی خاندان ایسا نہیں جس کے ایک سے زیادہ شہید نہ ہوئے ہوں، اور کوئی گھر ایسا نہیں جو نہ ٹوٹ چکا ہو، مگر اقوامِ عالم نے ہمدردی کے بجائے ان پر ظلم کی انتہا کر رکھی ہے، ان پر ظلم و استحصال پر مبنی اقتصادی پابندیاں عائد کی جارہی ہیں، اسی طرح کشمیر کے مسلمان پچاس سال سے مسئلے کے حل کے منتظر ہیں، مگر آج تک ان کی ہمدردی میں کوئی کردار سامنے نہیں آیا۔

ہم اس اجتماع کے توسط سے مظلوم مسلمانوں کو یہ پیغام دینا چاہتے ہیں کہ آپ حوصلہ رکھیں، اُمتِ مسلمہ آپ کی پشت پر ہے، انہوں نے مزید کہا کہ اقوامِ متحدہ کا چارٹر واضح طور پر کہتا ہے کہ مذہب ہر انسان کا بنیادی حق ہے، مگر مسلمانوں کو مذہبی آزادی کے بنیادی حقوق سے محروم کیا جاتا ہے، ہم اس اجتماع کے ذریعہ اقوامِ متحدہ کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور بحیثیت مسلمان ہم اپنے مذہب کے معاملے خودمختار ہیں، اور ہم اپنے اس حق سے قطعاً دست بردار نہیں ہوں گے، اسی طرح حکمرانی، اسلام اور مسلمانوں کا حق ہے، کوئی طاقت ہمیں اپنے اس حق سے محروم نہیں کرسکتی۔ اسلام امن و آشتی کا مذہب ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو دلیل و استدلال کا راستہ اپنانے کی تلقین کرتا ہے، ہم دہشت گردی پر یقین نہیں رکھتے، لیکن اگر ہم پر زبردستی دہشت گردی مسلط کی گئی تو ہم اپنے دفاع کا پورا پورا حق رکھتے ہیں، اسی طرح ہم پاکستان کے حکمرانوں، اربابِ اقتدار اور تمام مذہبی و سیاسی جماعتوں سے کہیں گے

کہ قرآن وسنت ہمارے درمیان قدرِ مشترک ہے، اگر اس کے مطابق قانون کا اجراء کردیا جائے تو یہ ہماری قومی وحدت کی علامت بن سکتی ہے، آیئے اسلامی نظام کا نفاذ کریں تاکہ اتحاد واتفاق کی فضا قائم ہو۔

آخر میں ایک اعلامیہ کے ذریعہ یہ پیشکش کی گئی کہ تمام دِینی، مذہبی اور مسلم سیاسی جماعتوں کی بکھری ہوئی قیادت کو مجتمع کیا جائے اور باہمی رابطے کے لئے ''مجلس تنفیذ اسلامی'' قائم کی جائے۔

اسی طرح اکابر علمائے دیوبند کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے واضح کیا گیا کہ اکابرِ دیوبند کی خدمات اتنی واضح اور نمایاں ہیں کہ ان کے لئے کسی دلیل و برہان کی ضرورت نہیں، آج اگر کوئی مسلمان سر اُٹھا کر چل سکتا ہے تو صرف اور صرف علمائے دیوبند کی قربانیوں کی برکت سے۔

علمائے دیوبند نے اعلائے کلمۃ اللہ اور آزادی کی تمام تحریکوں میں بھرپور کردار ادا کیا، بلکہ انہوں نے ایسی ہر تحریک کی قیادت کی ہے، تحریکِ خلافت، تحریکِ آزادیٔ ہند اور تشکیلِ پاکستان کی تمام تحریکوں میں اکابرِ دیوبند کا قائدانہ کردار رہا ہے، علومِ نبوّت کی حفاظت و اشاعت کا کارنامہ اکابرِ دیوبند نے ہی سرانجام دیا ہے، اسی طرح پاکستان کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کی تمام تحریکوں میں ان اکابرِ دیوبند کا حصہ ہے، اس کے علاوہ مسلمان جہاں جہاں مظلوم ہیں ان کے حق میں اگر کسی کی آواز اُٹھتی ہے تو وہ علمائے دیوبند ہی ہیں، اس لئے ہم استعماری طاقتوں اور صہیونی قوّتوں کو باور کرانا چاہتے ہیں کہ جب تک علمائے دیوبند زندہ ہیں اِن شاء اللہ وہ اپنے ناپاک منصوبوں میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکیں گے۔ اس لئے اگر کسی نے امارتِ اسلامی افغانستان کو نقصان پہنچانے یا دِینی مدارس کو ختم کرنے کی ناپاک سوچ کو دِل میں جگہ دی تو انہیں منہ کی کھانی پڑے گی۔ اسی طرح دُنیا بھر میں دِینی خدمت کے حوالے سے جو تنظیمیں کام کر رہی ہیں اگر استعمار ان کو ختم کرنا چاہے تو علمائے دیوبند

قطعاً اس کی اجازت نہیں دیں گے۔

آخر میں حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی رقت آمیز طویل دُعا پر یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔

لیکن بدقسمتی سے یہ عظیم فکری اور ملّی وحدت کا رُوح پروَر منظر اور دُور رس نتائج کا حامل عظیم اجتماع اسلام دُشمنوں کے لئے ناقابلِ برداشت ثابت ہوا، انہیں سوءِ ہضم کا عارضہ لاحق ہوگیا اور ان کے پیٹ میں مروڑ اُٹھنے لگی، کیونکہ اس موقع پر جس نظم وضبط، ملّی وحدت اور اجتماعیت کا مظاہرہ نظر آیا، وہ ان کے لئے کسی صاعقۂ آسمانی سے کم نہیں تھا، اس لئے انہوں نے اس کے اثرات کو کم کرنے کے لئے اپنے زَرخرید غلاموں سے اکابر علمائے دیوبند، خصوصاً حضرت مولانا سیّد محمد اسعد مدنی کے خلاف طوفانِ بدتمیزی برپا کرنے کی کوشش کی، اور ان کی طرف ایک بے بنیاد بیان منسوب کرکے ان کے خلاف کالم لکھوائے، مگر بحمداللہ! انہیں منہ کی کھانی پڑی، پروپیگنڈے کا گرد وغبار چھٹ گیا، اور حق وصداقت کا شفاف چہرہ نکھر کر سامنے آگیا۔

ہم اکابرینِ جمعیت اور منتسبینِ دیوبند کو اس لائقِ تقلید کارنامے اور عظیم اجتماع کے انعقاد پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے ان کی خدمت میں عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر انہوں نے آئندہ بھی اسی نظم وضبط اور تحمل و برداشت کا مظاہرہ کیا، ذاتی اغراض سے ہٹ کر دِینی مفاد کو مقدّم رکھا اور اپنے اسلاف کی روایات کو مشعلِ راہ بنا کر اجتماعیت کے دامن کو تھامے رکھا تو اِن شاء اللہ کامیابی آپ کے قدم چومے گی۔

خدا کرے کہ یہ اجتماع بار آور اور مثمر ثابت ہو اور اہلِ حق کی وحدت و اجتماعیت کے لئے سنگِ میل ثابت ہو، اور کسی ہوسناک کی نظرِ بد کا شکار نہ ہو۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی صفر۱۴۲۲ھ مطابق مئی ۲۰۰۱ء)

انگریزی اخبارات کی دِین دُشمنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

ہندوستان میں برطانوی سامراج کے ناپاک قدموں کی نحوست اور انگریزی اقتدار کی لعنت نے مسلمانوں کے دِینی، ملّی ورثے اور تہذیب و کلچر کو ملیامیٹ کردیا، بدیسی حکمرانوں کی کوشش تھی کہ کسی طرح مسلمانوں کے دِلوں سے دِین و ایمان اور شرافت و دیانت کے آثار و نشانات کھرچ کھرچ کر صاف کردیئے جائیں، انہوں نے ہندوستان پر اپنے ناپاک قدم جماتے ہی یہ اعلان کردیا کہ ہندوستان میں ذریعۂ تعلیم اُردو، عربی اور فارسی کے بجائے انگریزی ہوگا، حصولِ ملازمت کے لئے انگریزی تعلیم لازمی ہوگی، جو لوگ انگریزی نہیں جانتے وہ سرکاری ملازمت نہیں کرسکیں گے۔ چونکہ انگریزی تسلط سے قبل ہندوستان میں ذریعۂ تعلیم اُردو، عربی اور فارسی تھا، اسی طرح اس کی دفتری زبان بھی عربی فارسی تھی، مسلمان ملازمین انگریزی سے ناآشنا تھے، اس حکم کے جاری ہوتے ہی تمام مسلمان ملازمین بیک بینی و دوگوش سرکاری اداروں سے بے دخل کردیئے گئے اور مسلمانوں کے لئے سرکاری ملازمتوں کے دروازے یکسر بند کردیئے گئے۔ انگریزوں کا منصوبہ تھا کہ مسلمانوں کو ان کے آبائی ورثہ عربی، فارسی، اُردو زبان اور اسلامی تہذیب سے بے دخل کردیا جائے، چنانچہ مجبوراً مسلمانوں نے انگریزی اسکول و کالج کا رُخ کیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں انگریزی

تعلیم، زبان اور کلچر کو رواج ہونے لگا، اور مسلمان نوجوان انگریزی تہذیب سے متأثر ہونے لگے۔ مسلمانوں کی نئی نسل کی بگڑتی ہوئی صورتِ حال کے پیشِ نظر علمائے اُمت نے اس فکری اِلحاد کے سامنے بند باندھنے اور مسلمانوں کے دِین و ایمان کے تحفظ کی خاطر آزاد دِینی مدارس کا انتظام کیا، اور متحدہ ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند، مظاہرالعلوم سہارنپور، ایسے چھوٹے بڑے بیسیوں مدارس قائم کئے گئے، جن کا مقصد محض اللہ کی رضا کا حصول، ملت کی پاسبانی اور نگہداشت تھا، ظاہر ہے یہ مدارس انگریز اور انگریزی تہذیب کے اثرات کم کرنے اور دِینی علوم کی اشاعت و ترویج کے لئے قائم کئے گئے تھے، اور انہوں نے بے سروسامانی کے باوجود اپنے قیام کے مقاصد اور تعمیرِ ملت میں بے مثال و لازوال کارنامے انجام دیئے اور مسلمانوں کو انگریزی حکمرانوں کی اسلام دُشمنی سے آگاہ کیا، چنانچہ کل تک جو مسلمان اپنے بچوں کو اسکول و کالج میں بھیج رہے تھے، آج وہ اپنی نسل کے دِین و ایمان کے تحفظ کی خاطر دِینی مدارس کا رُخ کرنے لگے، اور دیکھتے ہی دیکھتے ہندوستانی مسلمانوں کے دِلوں میں غاصب حکمرانوں کے خلاف انتقام کی آگ بھڑک اُٹھی، استخلاصِ وطن کا جذبہ بیدار ہوگیا اور انہوں نے برطانوی سامراج اور بدیسی حکمرانوں کے خلاف بھرپور نفرت کا اظہار کرنا شروع کردیا اور پوری شد و مد سے یہ مطالبہ ہونے لگا کہ انگریز ہمارے ملک سے نکل جائیں۔

ظاہر ہے مطلق العنان انگریز حکمرانوں کے لئے یہ آواز ناقابلِ برداشت تھی اور مسلمانوں کا یہ جرم ناقابلِ معافی تھا، چونکہ انگریز جانتے تھے کہ اس بغاوت کا مرکز و منبع یہی دِینی مدارس ہیں، اس لئے وہ ان مدارس اور علماء کے خلاف طرح طرح کے اوچھے ہتھکنڈوں پر اُتر آئے، ان کو بدنام کیا، ان کے خلاف مذموم پروپیگنڈا کیا اور ان کو بند کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، زعمائے ملت کو تہ تیغ کیا، ان کے خلاف بغاوت کے مقدمات قائم کئے، انہیں کڑی سے کڑی سزائیں دیں، مگر دِینی بیداری کا شعور اور

انگریزوں کے ظلم و استحصال کے خلاف انتقام کی یہ آگ بھڑکتی ہی چلی گئی، تا آنکہ انگریزی اقتدار کا سورج غروب ہوگیا، اور برطانوی سامراج کو ہندوستان سے اپنا بوریا بستر لپیٹنا پڑا۔

انگریز چلا گیا، مگر وہ اپنی ذُرّیت اور اپنے نمک خوار کالے انگریزوں کو یہاں چھوڑ گیا، جو آج بھی ان کی وفاداری کا دَم بھرتے ہیں اور ان کے قائم کردہ خطوط پر چلنے کو اپنے لئے باعثِ فخر سمجھتے ہیں، وہ آج بھی دِین، دِینی اقدار اور اسلامی تہذیب و کلچر کو اپنی راہ کا پتھر سمجھتے ہیں، انگریز کو ہندوستان سے گئے ہوئے اگرچہ نصف صدی سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے، مگر ان کے دِلوں میں دِینی مدارس کے خلاف انگریز کی بھڑکائی ہوئی آگ آج بھی اسی طرح شعلہ زن ہے، انگریز کی معنوی اولاد نہیں چاہتی کہ یہاں دِین و مذہب کا بول بالا ہو، دِینی اقدار کی سربلندی ہو اور مسلمانوں کی عظمتِ رفتہ بحال ہو، ان کے لئے یہ ناقابلِ برداشت ہے کہ یہاں قرآن وسنت کی ترویج واشاعت کی بات کی جائے، اور سیکولر تہذیب وتمدن کا خاتمہ کیا جائے، ان کے نزدیک مُلاَّ مولوی کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ وہ معاشرے کو مادر پدر آزاد کیوں نہیں ہونے دیتے؟ جنسی انارکی اور بے راہ روی کی راہ میں رُکاوٹ کیوں بنتے ہیں؟ ان کا خیال ہے کہ بے حیائی، فحاشی اور عریانی پر کیوں پابندی لگائی جاتی ہے؟ انہیں تہذیب و کلچر اور آزادیٔ ضمیر کے نام پر عریاں رقص کیوں نہیں کرنے دیا جاتا؟ اور ان کی گز گز کی زبانوں کو خدا و رسول کے خلاف بھونکنے سے کیوں روکا جاتا ہے؟ ان کے خیال میں جس طرح وہ انگریزی دور میں مراعات یافتہ تھے اور ان کی ہاں میں ہاں ملائی جاتی تھی، اسی طرح آج بھی ان کی ہاں میں ہاں ملائی جائے، ان کا نظریہ ہے کہ جس طرح برطانوی سامراج کے عہد میں دِین و مذہب کی بات کرنا، اس کے حق میں آواز اُٹھانا، جہادِ حریت کا درس دینا، قرآن وسنت کی بالادستی کی بات کرنا جرم تھا، آج بھی ٹھیک اسی طرح جرم ہونا چاہئے تھا۔

لیکن اگر کچھ سر پھرے، انگریزوں اور ان کے نمک خواروں کی ہاں میں ہاں ملانے کی بجائے ان سے، ان کی تہذیب وتمدن اور ان کے افکار سے بغاوت کرتے ہیں، اپنے فیصلے قرآن وسنت کی روشنی میں کرتے ہیں، نفاذِ اسلام کی بات کرتے ہیں، عریانی، فحاشی، بے راہ روی اور بے دِینی کے خلاف آواز اُٹھاتے ہیں، فرد و افراد اور معاشرے کی اصلاح کی بات کرتے ہیں، علومِ نبوّت کی اشاعت و ترویج کی کوشش کرتے ہیں، غیروں کی نقالی اور ذہنی غلامی کے بجائے آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اِتباع میں فخر محسوس کرتے ہیں، تو وہ قابلِ گردن زنی ہیں، انہیں رجعت پسند، دورِ حاضر کے تقاضوں سے ناآشنا، قوم و ملک کے بدخواہ، ملکی ترقی میں حارج وغیرہ کے ''خوبصورت'' خطابات سے نوازا جاتا ہے۔

ہمارے ملکی اخبارات، جرائد ومجلّات، خصوصاً انگریزی اخبارات اور ان کے ''پڑھے لکھے'' کالم نگار اس ''فرض'' کو نہایت ''خوبصورتی'' سے نبھا رہے ہیں، ان کا کوئی ایسا دن اور کوئی کالم ایسا نہیں ہوتا جو دِین دُشمنی اور مدارس مخالف پروپیگنڈے سے خالی ہو، ان کا بس نہیں چلتا کہ کس طرح بیک جنبشِ قلم وہ ان دِینی مدارس کو ڈھادینے کے اَحکامات صادر فرماویں؟ اور مُلاَّ، مولویوں کو صفحۂ ہستی سے مٹادینے کا ''عظیم کارنامہ'' سرانجام دیں۔ وہ رات دن اس فکر و کوشش میں ہیں کہ کسی طرح دِین، اہلِ دِین اور دِینی علوم کی ان آبشاروں کے سوتے خشک کردیئے جائیں، نہیں تو کم از کم مسلمانوں کے دِلوں میں ان کے خلاف نفرت و عداوت بٹھلادی جائے اور اُمتِ مسلمہ کا دِین، اور اَربابِ دِین سے ہمیشہ کے لئے رشتہ کاٹ دیا جائے، مگر: ''آواز سگاں کم نہ کند رزقِ گدارا!''۔

گزشتہ سال ربیع الثانی کے شمارے میں ہم نے ان ''روشن ضمیر'' اور خواہشِ نفس کے اسیر صحافیوں کی خامہ فرسائیوں کے بارے میں اپنے قارئین کو توجہ دِلائی تھی، اب ایک سال بعد پھر ہمارے کرم فرماؤں نے ان اخبارات میں مدارس کے خلاف

جاری پروپیگنڈے سے متعلق درخواست کی ہے کہ کچھ اس کا بھی علاج اے چارہ گر!

چنانچہ اسی سلسلے میں اسلامک انسٹیٹیوٹ آف میڈیا ریسرچ، عالمگیر مسجد، عالمگیر روڈ، ڈی ایم سی ایچ ایس کراچی" کی طرف سے ہمیں درج ذیل مکتوب موصول ہوا ہے:

"دِینی مدارس، علمائے کرام اور شعائرِ اسلامی پر تبصرے"

"انگریزی اخبارات و جرائد، اسلامی اداروں اور اسلامی شعائر کے خلاف زہرافشانی کرتے رہتے ہیں، بطور نمونہ ان زہرافشانیوں کی ممکنہ تلخیص پیش کی جارہی ہے، اگر آپ اس زہرافشانی کا جواب لکھ سکیں یا کم از کم ایک احتجاجی مراسلہ ان اخبارات و جرائد کو اِرسال کریں تو ہمیں اس کی ایک نقل ضرور اِرسال کریں، اگر آپ کو ان میں سے کسی مضمون یا مراسلے کی فوٹواسٹیٹ کی ضرورت ہو تو ہمیں لکھئے۔

دِینی مدارس کے خلاف پروپیگنڈا:

۱:... "وزیرِ داخلہ کی یقین دہانی کے باوجود کہ دِینی مدارس میں فوجی تربیت کا خاتمہ کردیا جائے گا، پاکستان میں دِینی مدارس کی تعداد میں اضافہ کیا گیا ہے، تاکہ ایک متوازی، مسلح افواج تخلیق کی جاسکیں۔"

(سابق وزیراعظم بےنظیر بھٹو کا مضمون، دی نیوز ۵/مارچ ۲۰۰۱ء ص:۷)

۲:... "(حکومت کی طرف سے ملنے والے زکوٰۃ فنڈ سے) دِینی مدارس کے طالبان کو فوجی تربیت دی جارہی ہے۔"

(کنور ادریس کا مضمون، ڈان ۱۸/مارچ ۲۰۰۱ء ص:۷)

۳:... "یہ ایک عام تأثر ہے کہ دِینی مدارس فرقہ واریت کے لئے فرقہ پرست پیدا کر رہے ہیں۔"

(برطانیہ میں سابق ہائی کمشنر واجد الحسن کا مضمون، دی نیشن)

۴:... "دِینی مدارس ملک میں فرقہ وارانہ کشیدگی کے فروغ میں شریک کار ہیں، ان کے لئے کوئی معیاری نصاب نہیں، اور ان کے ذرائع آمدنی مشکوک ہیں۔"

(کامل بنگش کا مضمون، دی نیشن ۱۴/اپریل ۲۰۰۱ء ص:۱۴)

۵:... "آج دِینی مدارس کی وجہ سے پاکستان پر منفی اثرات پڑ رہے ہیں، یہ مدارس انتہاپسندوں کی افزائشِ نسل کر رہے ہیں۔" (پروفیسر ریحان اصفہانی کا مضمون، دی نیوز اور ڈان میں ایک ساتھ شائع کیا گیا، ۲۹/مارچ ۲۰۰۱ء ص:۷)

۶:... "حکومت اپنی پالیسیوں سے فرقہ واریت کو روک سکتی ہے، اس طرح دِینی مدارس اور مساجد کو سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے زینہ بننے سے بچایا جاسکتا ہے۔"

(کنور ادریس کا مضمون، ڈان یکم اپریل ۲۰۰۱ء ص:۷)

۷:... "چیف ایگزیکٹو جنرل پرویز مشرف نے ۱۲ہزار دِینی مدارس، جن سے ہر سال ۴۰ہزار طلبہ فارغ التحصیل ہوتے ہیں، کے منتظمین کو یقین دِلایا ہے کہ ان کے معاملات میں مداخلت نہیں کی جائے گی۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہ بھی شامل ہیں جو انتہاپسندی، نفرت اور عدم برداشت کی دعوت دیتے ہیں اور ہزاروں جنگجو پیدا کرتے ہیں جو اپنے فرسودہ عقائد کے لئے مرنے مارنے پر تیار رہتے ہیں۔"

(امینہ جیلانی کا کالم، دی نیشن ۱۳/اگست ۲۰۰۰ء ص:۴)

۸:…''دِینی مدارس اور کلاشنکوف کلچر نے مذہبی قیادت کے لئے دستیاب سیاسی کارکنوں کے کردار کو تبدیل کر دیا ہے، جو اَب مسلح جنگجو بن گئے ہیں۔''

(ڈاکٹر مبشر حسن، دی نیشن ۱۶رستمبر ۲۰۰۰ء ص:۴)

۹:…''ان مُلاّؤں اور ان کے مطالبات کو شکست دینے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے اور اپنی تمام تر توجہ عام پاکستانی کی خواہشات و مطالبات پر مرتکز کر دی جائے۔''

(عامر ریاض کا نیویارک سے مراسلہ، دی فرائڈے ٹائمز ۱۸راگست ۲۰۰۰ء ص:۱۰)

۱۰:…''وفاقی شرعی عدالت کے ایک سابق جج جسٹس (ر) عبدالوحید صدیقی نے تجویز پیش کی ہے کہ کسی ریاست کے نام کے ساتھ مذہب کا لاحقہ لگانا بدعت ہے، اس لئے پاکستان کا نام اسلامی کے بجائے عوامی جمہوریہ پاکستان ہونا چاہئے۔''

(رپورٹ جاوید جیدی، دی نیوز ۱۹راگست ۲۰۰۰ء ص:۵)

۱۱:…''دینی تنظیمیں اور ادارے خلفشار پیدا کرنے کے سوا کون سا خدمتِ خلق کا کام کر رہے ہیں؟ جبکہ این جی اوز خدمتِ خلق میں سرگرمِ عمل ہیں۔''

(جسٹس (ر) شائق عثمانی کا مراسلہ، ڈان ۱۸راکتوبر ۲۰۰۰ء ص:۱۴)

۱۲:…''آج ہمیں (پاکستان کو) پھر ان ۵ لاکھ دِینی مدارس کے طلبہ سے واسطہ ہے جو لاتعداد، غیر منظّم دِینی مدارس سے فارغ ہو رہے ہیں جو صرف بنیاد پرستی اور بندوقوں سے مسلح ہیں۔'' (کنور ادریس کا مضمون، ڈان ۱۲رنومبر ۲۰۰۰ء ص:۱۳)

۱۳:…''دِینی مدارس جدید تعلیم اور ملک میں رائج مذہبی

اقتدار سے بالکل مطابقت نہیں رکھتے، ان کا نصاب یکساں نہیں، ان میں آپس میں خونریز تصادم ہوتے رہتے ہیں، بعض دِینی مدارس سیاسی اقتدار کے حصول کے لئے بھی کام کر رہے ہیں۔''

(پرفیسر الطاف احمد کا مالاکنڈ ایجنسی سے مراسلہ، دی فرنٹیر پوسٹ ۱۳رنومبر ۲۰۰۰ء ص:۲)

۱۴:…''خون کے پیاسے فرقہ پرست شکاری کتوں کی نظر میں انسانی زندگی کی کوئی اہمیت نہیں، انہیں مذہب کے نام پر قتل کی تعلیم دی گئی ہے، یہ کند ذہن مُلاّؤں کی زیرِ نگرانی دِینی مدارس میں پروَرِش پاتے ہیں۔''

(مسعود اے بھٹی کا کراچی سے مراسلہ، ڈان ۳رنومبر ۲۰۰۰ء ص:۱۰)

۱۵:…مُلاّ عناصر نے ہمیشہ قائدِ اعظم کے اُصولوں اور اقدامات کی مخالفت کی، انہیں کافرِ اعظم کہا گیا، اب یہ پاکستان و عوام دُشمن عناصر مذہبی طاقت کے رُوپ میں دندناتے پھر رہے ہیں، یہ خود کو قانون سے بالاتر سمجھتے ہیں، فوجی حکومت ان سے سختی سے پیش کیوں نہیں آرہی؟''

(اداریہ دی فرنٹیر پوسٹ ۲۰رنومبر ۲۰۰۰ء ص:۶)

۱۶:…''ہمارے اکثر علماء اپنے اندھے پیروکاروں کی طرح گمراہ ہوگئے ہیں، بعض فدائین بھی ان کے ساتھ شامل ہوکر اپنی انتہاپسندی کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور اُمت کو غلط راستے پر لے جارہے ہیں۔''

(عظمت حسین سندھو کا مراسلہ، ڈان ۲۷رنومبر ۲۰۰۰ء ص:۱۲)

۱۷:…''پاکستان سمیت علاقے میں دہشت گردی کے فروغ کے ذمہ دار دِینی مدارس ہیں۔''

(راشد رحمٰن، ڈان ۱۷رجنوری ۲۰۰۱ء ص:۶)

۱۸:...''دِینی مدارس میں بچوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر سزا دی جاتی ہے۔''

(غازی صلاح الدین، دی نیوز ۲۰رفروری ۲۰۰۱ء ص:۷)

۱۹:...''میں ڈاکٹر قیصر بنگالی کے اس تجزیے سے متفق ہوں کہ ایک دن آئے گا کہ دِینی مدارس کے فارغ التحصیل ملک کے اہم شہروں پر قبضہ کرلیں گے۔''

(غلام کبریا کا مراسلہ، ڈان ۲۹رجنوری ۲۰۰۱ء ص:۱۲)

حقیقتِ حال:

دِینی مدارس کے خلاف گزشتہ تین چار سالوں کے دوران جتنا لکھا اور بولا گیا ہے، اگر فاضل مقرّرین، کالم نویس، تجزیہ نگار، اداریہ نویس اور مراسلہ نگار خواتین وحضرات اپنی یہ توانائی ملک سے فحاشی اور عریانی کے خاتمے، شرحِ خواندگی کو بڑھانے اور معاشرے کو دیگر اخلاقی بُرائیوں سے پاک کرنے کے لئے صَرف کرتے تو اس وقت ملک اخلاقی طور پر دیوالیہ نہ ہوتا، اور ملک سے جہالت کا بڑی حد تک خاتمہ ہوچکا ہوتا۔ اگر آج ملک کے کسی بھی طبقے کے صاحبِ ایمان فرد سے پوچھیں کہ تمہارا مسئلہ نمبر ایک کیا ہے؟ تو اس کا جواب ہوگا کہ فحاشی و عریانی سے خود کو اور اپنے خاندان کو کیسے بچایا جائے؟ ملک بھر میں کیبل ٹی وی کی سیٹلائیٹ نشریات، انٹرنیٹ، پی ٹی وی چینلز، اخبارات و جرائد کے فیشن سپلیمنٹ، میوزک شوز اور طرح طرح کے عنوانات کے تحت منعقد ہونے والے فیسٹیول اور میلوں کے ذریعہ پورے ملک کو قمارخانے میں تبدیل کردیا گیا ہے۔ ماہرین کے مطابق ٹی وی اور انٹرنیٹ بھی نشے کی ایک قسم ہے، اور اس کا

سب سے زیادہ استعمال فحاشی وعریانی کو فروغ دینے کے لئے ہو رہا ہے، جگہ جگہ انٹرنیٹ کیفے اور انٹرنیٹ بار کھل گئے ہیں۔ کیا کوئی بتاسکے گا کہ ان انٹرنیٹ کیفوں اور باروں میں دِینی مدارس کا کوئی طالبِ علم دِکھائی دیتا ہے؟ یہ بات ہم سب کے سامنے اظہر من الشّمس ہے کہ دِینی مدارس کے طلبہ الحمدللہ! انفارمیشن ٹیکنالوجی کے انقلاب اور اس کے ''ثمرات'' سے محفوظ ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ دِینی مدارس میں دی جانے والی تعلیم و تربیت اور سب سے بڑھ کر فحاشی وعریانی سے پاک، پاکیزہ ماحول ہے، کہا جارہا ہے کہ انفارمیشن ٹیکنالوجی کو تعلیم کے فروغ کے لئے استعمال کیا جائے گا، لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ پوری قوم کو ٹی وی کے آگے بٹھادیا گیا ہے، جہاں سیکولر اور لادِین مغربی کلچر کے سوا کچھ نہیں دِکھایا جارہا ہے۔

اس کے برخلاف دِینی مدارس کی دُنیا بالکل ایک مختلف دُنیا ہے، جہاں اب تک فحاشی وعریانی کا سیلاب داخل نہیں ہوسکا ہے۔ یہ ایک ماڈل ایجوکیشنل اسٹیٹ کے طور پر اُبھر رہے ہیں، جہاں امن وسکون کے ساتھ تعلیم و تدریس کا عمل جاری ہے، جہاں کے فارغ التحصیل ریاست پر بوجھ نہیں۔

دِینی مدارس پاکستان کے شہری و دیہی کلچر کا لازمی جزو ہیں، جو اس بات کا ثبوت ہے کہ عوام خصوصاً دِینی مزاج رکھنے والے ان پر اعتماد کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ دِینی مدارس کے فارغ التحصیلوں نے اپنے کردار وعمل سے بھی یہ ثابت کیا ہے کہ وہ اپنے دِین، وطن اور اُمتِ مسلمہ کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دے سکتے ہیں، اب یہی ان کا سب سے بڑا جرم بن

گیا ہے، ملک کا سیکولر طبقہ مغربی میڈیا کی تقلید میں ان کے خلاف زہرافشانی میں مصروفِ عمل ہے۔ آج پاکستان میں دِینی مدارس کی بدولت اسلامی اقدار و روایات زندہ ہورہی ہیں، یقیناً یہ صورتِ حال لادِین طبقے کے لئے ناقابلِ برداشت ہے، باوجودیکہ حکومت کی طرف سے ملک میں دِینی کلچر کے فروغ میں دِینی مدارس کے کردار کو متواتر سراہا جارہا ہے، لیکن اس کے خلاف میڈیا میں بدستور خوب زہر اُگلا جارہا ہے، حکومت پر دباوٴ ڈالا جارہا ہے کہ ان پر پابندی عائد کی جائے، ان کی امداد بند کردی جائے، اور دُوسری طرف غیرملکی فنڈز پر سیکولر ایجنڈے پر کام کرنے والی این جی اوز کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے۔

علمائے کرام اور فرقہ واریت:

۱:...''مُلاَّوٴں نے ملک کو ۸۰ سے زائد فرقوں میں تقسیم کردیا جو ایک دُوسرے سے مہلک ہتھیاروں سے لڑ رہے ہیں۔''
(اے بی ایس جعفری، ڈان ۱۵؍مارچ ۲۰۰۱ء ص:۷)

۲:...''مسلم ممالک میں فرقہ واریت کے خاتمے کا بہترین حل سیکولر طرزِ حیات کو اختیار کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔'' (عامر قریشی کا مراسلہ، ڈان ۳۰؍مارچ ۲۰۰۱ء ص:۶)

۳:...''کسی مُلاَّ کا کاروبار مندا ہوجائے تو وہ قادیانیوں کے خلاف زہر اُگل کر معمولی پڑھے لکھے مسلمانوں کو اپنے گرد جمع کرلیتا ہے اور راتوں رات علامہ بن جاتا ہے۔ پھر اس کے پاس دولت کی کمی نہیں رہتی، چند دنوں میں وہ کاروں، پلازوں اور سینکڑوں ایکڑز زیرِ کاشت رقبے کا مالک بن جاتا ہے۔'' (محمد اسحاق صوفی کا مراسلہ، ربوہ یکم نومبر ۲۰۰۰ء ص:۱۲)

۴:...''مذہبی انتہاپسند انتخابی عمل کے بجائے بذریعہ طاقت اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، ملک میں خانہ جنگی کا خدشہ ہے، فوج تقسیم ہوسکتی ہے، صومالیہ جیسی صورتِ حال پیدا ہوسکتی ہے۔'' (ایم بی نقوی، دی نیوز ۲۸؍فروری ۲۰۰۱ء ص:۷)

۵:...''انتخابی طریقے سے اقتدار کے حصول میں ناکامی کے بعد علماء حضرات بذریعہ طاقت اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں، جس سے ملک میں خانہ جنگی اور انتشار پیدا ہونے کا خدشہ ہے۔'' (انور سید، ڈان ۲۱؍فروری ۲۰۰۱ء)
(اسلامک انسٹیٹیوٹ آف میڈیا ریسرچ، عالمگیر روڈ کراچی)

ہم اَربابِ اقتدار سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا ان اخبارات و مجلّات کے لئے کوئی ضابطۂ اخلاق نہیں ہے؟ جمہوریت کے دعوے دار پاکستانی معاشرے میں ملک کی اکثریت کے جذبات سے کھیلنے والوں کے خلاف ملکی قانون حرکت میں کیوں نہیں آتا؟ اقوامِ متحدہ کے چارٹر کی رُو سے مذہب انسان کا بنیادی حق ہے، کیا ہمیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ مسلمانوں کے دِین و مذہب کے خلاف زبان درازی کرنے والے ان صحافیوں کو لگام دینے کا مطالبہ کریں...؟

انگریز کو ہندوستان سے نکلے ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، مگر آج تک ان وفادارانِ انگریز کے دِلوں سے مسلمانوں کی انگریز دُشمنی اور بغاوت کی سزا ختم نہیں ہوئی، کیا ملک و ملت کے محسنوں کے ساتھ یہی برتاوٴ کیا جاتا ہے...؟

قیامِ پاکستان سے لے کر آج تک ہمیشہ دِینی مدارس کو موردِ الزام ٹھہرایا جاتا رہا ہے، لیکن کیا آج تک کسی دِینی مدرسہ کا کوئی طالبِ علم قوم و ملک دُشمنی کا مرتکب پایا گیا ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو جو لوگ ملک و ملت کے غدار ہیں ان کے خلاف بھی کبھی کوئی آواز اُٹھائی گئی ہے؟ کبھی ان مدارس اور اَربابِ مدارس کی قومی و ملکی خدمات

کا تذکرہ بھی نوکِ قلم پر لایا گیا ہے...؟

ان مدارس کے خلاف مذموم پروپیگنڈا کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ آپ نے کبھی ان سرکاری وظیفوں پر پلنے والے اور ملکی بجٹ کی خطیر رقم ہضم کرنے والے سرکاری اسکولوں اور کالجوں کی سرگرمیوں کا نوٹس بھی لیا ہے؟ ان کی دہشت گردی اور کلاشنکوف کلچر ایسے ''محاسن'' پر بھی کبھی کسی کی نگاہِ التفات گئی ہے...؟

روزمرّہ دنگا فساد، چوری، ڈکیتی اور اجتماعی زناکاری کے واقعات کے سدِ باب پر بھی کبھی توجہ کی گئی ہے؟ منفی پروپیگنڈا کرنے والے اسلام دُشمن صحافیوں نے کبھی ان دِینی مدارس کی مثبت خدمات کا ذکر بھی کیا ہے؟ نہیں، ہرگز نہیں...! بلکہ اگر کبھی ان مدارس اور اَربابِ مدارس کے حق میں کسی کی زبان پر کوئی کلمۂ خیر آجائے تو ہمارے اخبارات اس کو شائع کرنے تک کے روادار نہیں ہوتے۔ چنانچہ ۹/اپریل ۲۰۰۱ء کو رات ساڑھے نو بجے جناب چیف ایگزیکٹو نے دِینی مدارس کے بارے میں ایک بھارتی صحافی کے جواب میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ مدارس میں کوئی دہشت گردی نہیں سکھائی جاتی، بلکہ اَربابِ مدارس ایسا لازوال کارنامہ انجام دے رہے ہیں جو کوئی این جی او بھی نہیں دے سکتی، مگر افسوس کہ چیف صاحب کا یہ انٹرویو اخبارات کی بارگاہ میں شرفِ باریابی حاصل نہیں کرسکا، جناب چیف صاحب نے کہا:

> ''مدرسوں کا نظام ایک ایسا نظام ہے جو روزانہ دس لاکھ آدمیوں کو روٹی، کپڑا اور رہائش فراہم کرتا ہے (پھر جنرل صاحب نے بہانگِ دہل سوال کیا کہ) ہے کوئی ایسا این جی او جو پاکستان میں دس لاکھ لوگوں کی پرورِش کر رہا ہو؟.....''

جب ہندوستانی اخبارنویس نے جنرل صاحب سے وہ مشہور مضمون چھیڑا جو پاکستان کے انگریزی اخبارات میں دُشمنانِ دِین صحافی دن رات دِینی مدارس کے خلاف دہشت گردی، قتل و غارت گری کا الزام لگاتے رہتے ہیں تو جنرل صاحب نے

اس الزام کو صاف الفاظ میں رَدّ کیا اور کہا:

> ''مدرسوں میں کوئی اسلحہ یا دہشت گردی کی تربیت نہیں دی جاتی، ان مدرسوں میں تو اگر کوئی طالبِ علم ایک چھری یا خنجر رکھتے ہوئے پکڑا جائے تو اس کو مدرسے کی انتظامیہ خارج کردیتی ہے۔ (جنرل صاحب نے مدرسوں کی اس پُرسکون، صلح جو فضا کے مقابلے میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کا حوالہ دیا کہ) ان میں کس قدر اسلحہ اور تشدّد کا سامان پکڑا جاتا ہے؟ اور غنڈہ گردی اور قتل و غارت گری ہوتی ہے۔''

جناب جنرل پرویز صاحب کے پورے بیان کے بعض نکات سے ہمیں اختلاف ہوسکتا ہے، لیکن مدارس کے کردار کے بارے میں ان کا حقیقت پسندانہ اعتراف لائقِ تحسین ہے، مگر افسوس ہے کہ ملکی اخبارات و جرائد کو اس بیان کے شائع کرنے کی توفیق تک نہیں ہوئی، حالانکہ اس کے چند دن بعد اس انٹرویو کا اُردو ترجمہ ریڈیو پاکستان سے بھی نشر کیا گیا، لیکن حیرت ہے کہ اسے بھی قابلِ اشاعت نہیں سمجھا گیا، کیا ہم جناب چیف صاحب سے پوچھ سکتے ہیں کہ یہ عناصر ملک وقوم کے بہی خواہ ہیں؟ کیا یہ مسلمانوں کی نمائندگی کر رہے ہیں؟ یا اپنے بیرونی آقاؤں کے مفادات کا تحفظ کر رہے ہیں؟ انہیں حکومتی پالیسیوں کا ترجمان کہا جائے یا حکومت کے باغیوں کا نام دیا جائے...؟ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

> ''قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ أَكْبَرُ.'' (آل عمران:۱۱۸)
>
> ترجمہ:... ''تمہاری مضرّت کی تمنا رکھتے ہیں، واقعی بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو پڑتا ہے، اور جس قدر ان کے دِلوں میں ہے وہ تو بہت کچھ ہے۔'' (ترجمہ حضرت تھانویؒ)

ہم ایسے لوگوں کو قرآنِ کریم کی زبان میں صرف یہی کہیں گے کہ:

"قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ، اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ." (آل عمران:۱۱۹)

ترجمہ:... "آپ کہہ دیجئے کہ تم مر رہو اپنے غصّے میں، بے شک اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں دِلوں کی باتوں کو۔"

مدارس دُشمنوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ اِن شاء اللہ قیامت تک یہ دِینی مدارس قائم رہیں گے، پھلتے پھولتے رہیں گے اور قوم وملت کی خدمت کرتے رہیں گے، اور تم اسی طرح جلتے بھنتے، اپنے اپنے انجام کو پہنچ جاؤ گے، مگر تمہارے دِل کی حسرتیں دِل ہی میں رہیں گی۔

(ماہنامہ "بینات" کراچی ربیع الاوّل ۱۴۲۲ھ مطابق جون ۲۰۰۱ء)

ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس کے خلاف
علماء کا متفقہ موقف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

دِینی مدارس کے خلاف آئے دن مختلف ہتھکنڈے، حربے، انہیں بند کرنے کی مختلف تدبیریں اور سازشیں کی جاتی رہی ہیں۔ کبھی ان کو دہشت گردی کے مراکز کا عنوان دیا جاتا ہے، تو کبھی فرقہ واریت کی آماج گاہوں کا "خوبصورت اعزاز" دیا جاتا ہے، کبھی ان کے کردار کو داغ دار کرنے کی سازشیں کی جاتی ہیں تو کبھی انہیں بدنام کرنے کی خفیہ چالیں اپنائی جاتی ہیں، چنانچہ گزشتہ چند سالوں سے ان پر ہاتھ صاف کرنے اور انہیں سرکاری تحویل میں لینے کے لئے نہایت "خیرخواہی" کے انداز میں ان کے نصابِ تعلیم، اساتذہ کی تعلیم و تربیت، ان کے معیارِ تعلیم کو "بلند" کرنے، انہیں سرکاری اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کے "اعلیٰ" معیار پر لانے اور ان سے فارغ التحصیل ہونے والے علمائے کرام کی ملازمتوں کی "گھلا دینے والی" فکر وتشویش کا خوشنما عنوان دیا جاتا رہا ہے۔ یوں تو اس "کارِ خیر" کی ابتدا جنرل محمد ایوب خان صاحب نے کی تھی، مگر ان کے لگائے ہوئے اس خاردار پودے کو ہر حکمران نے اپنی ہمت و طاقت کے مطابق سرسبز و شاداب رکھنے کی کوشش کی، بلامبالغہ مدارس دُشمنی کے اس پروگرام سے اِلَّا ماشاء اللہ کوئی حکمران غافل نہیں رہا۔ مگر بحمداللہ حضرات علمائے اُمت اور اَربابِ مدارس نے ہمیشہ ان کے عزائم کی مزاحمت کی اور ان کے اس خواب

کو شرمندۂ تعبیر نہیں ہونے دیا۔

مدارس دُشمنی کے حکومتی منصوبے کی تکمیل کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے صدرِ پاکستان جناب پرویز مشرف صاحب نے بھی ۱۸؍اگست ۲۰۰۱ء کو اس گنگا میں اشنان کی ''سعادت'' حاصل کرتے ہوئے اپنے پیش رُووں کی اقتدا میں ''ماڈل دِینی مدارس'' کے نام سے ایک آرڈی نینس جاری کیا ہے، اس موقع پر دِین، دِینی اقدار اور تحفظ دِینی مدارس کے پیشِ نظر علماء کے ذمہ فرض تھا کہ جس طرح حکومت نے خم ٹھونک کر دِینی مدارس کے خلاف محاذِ جنگ کھول لیا ہے، وہ بھی عملی میدان میں نکل کر حکومت کی پالیسیوں اور اس کے عزائم کی ایسی مزاحمت کرتے کہ حکومت کے لئے اپنے عزائم کی تکمیل نہ صرف مشکل ہوتی بلکہ ناممکن ہوجاتی۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے تمام مکاتبِ فکر کے ان علماء کو جنھوں نے اس سلسلے میں کسی قسم کی سردمہری اور بے حسی کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ اپنے فرائضِ منصبی کو نبھاتے ہوئے میدان میں نکل کر حکومتِ وقت کو للکارا اور اس کے عزائم کو بے نقاب کرتے ہوئے اس کی جارحیت کا شدید اور بھرپور نوٹس لیا، اس سلسلے میں کس نے کب اور کیا کہا؟ پیشِ خدمت ہے:

قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن

''کراچی (این این آئی) جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے امیر مولانا فضل الرحمٰن نے کہا ہے کہ ماڈل دِینی مدارس کا قیام اور ضلعی حکومتیں وقت کا ضیاع ہے، اور اصل مسائل سے قوم کی توجہ ہٹانے کے حربے ہیں ......انہوں نے کہا کہ ملک میں قائم مدارسِ عربیہ کے کئی وفاقات ہیں، ان کے اپنے اپنے نصاب ہیں، وہ کسی حکومتی آرڈی نینس پر اپنے نصاب میں ہرگز تبدیلی نہیں کریں گے، البتہ جدید تعلیم کے حوالہ سے کوئی مثبت تجویز حکومت نے دی تو وفاق المدارس العربیہ پاکستان اپنے انداز

میں اس تجویز پر غور کرسکتا ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۰؍اگست ۲۰۰۱ء)

انہوں نے تحفظ دِینی مدارس کنونشن علامہ بنوری ٹاؤن میں مزید کہا کہ:

''حکومت فوری طور پر ماڈل دینی مدارس آرڈی نینس واپس لے ورنہ ایک بڑی مزاحمت کے لئے تیار ہوجائے۔ علمائے کرام اور دِینی حلقے ہر طرح سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، اگر کسی سرکاری افسر نے دِینی مدارس کی عمارتوں میں داخل ہونے کی کوشش کی تو اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی۔ مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ اگر آرڈی نینس واپس نہ لیا گیا تو ہم دِینی مدارس کے نظام کو چند دن کے لئے معطل کرکے سڑکوں پر آسکتے ہیں، اور سارا نظام درہم برہم کرسکتے ہیں، حکومت ہمیں کمزور نہ سمجھے۔ آرڈی نینس کے الفاظ کے گورکھ دھندوں میں اُلجھنے کی بجائے ہم واضح کردینا چاہتے ہیں کہ یہ ہمیں کسی بھی طرح قبول نہیں، انہوں نے کہا کہ آرڈی نینس میں یہ راستہ نکالا گیا ہے کہ حکومت جب چاہے دِینی مدارس پر ہاتھ ڈال دے، ہم اس آرڈی نینس کو دینی مدارس پر حملہ تصور کرتے ہیں۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا محمد اجمل خان لاہور

''لاہور (نمائندہ جنگ) جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی سرپرست مولانا محمد اجمل خان نے کہا ہے کہ حکومت شوق سے ماڈل ادارے قائم کرے مگر دِینی مدارس کی خودمختاری میں مداخلت قبول نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ دِینی مدارس چلا بھی علماء رہے ہیں، اس کے تعلیمی نظام سمیت ہر بات کی تبدیلی بھی علماء کے بورڈ ہی کرسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا بیرونی طاقتیں دِینی مدارس کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میڈیکل کالج سے جس طرح ڈاکٹر، انجینئرنگ یونیورسٹی سے انجینئر بنتے ہیں، اسی طرح دِینی مدارس سے علماء بن کر نکلتے ہیں.....''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۰؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک

''کراچی (نیوز ڈیسک/ نامہ نگار) دِینی مدارس کے بارے میں آرڈی نینس اور جہادی تنظیموں کے خلاف حکومتی کاروائیوں پر مختلف دِینی و سیاسی جماعتوں کے رہنماؤں نے سخت ردِّعمل کا اظہار کیا ہے۔ دفاعِ افغانستان کونسل کے چیئرمین اور جے یو آئی کے قائد مولانا سمیع الحق نے کہا کہ دِینی مدارس آرڈی نینس جاری کرکے حکومت نے دِینی، علمی مراکز پر شب خون مارا ہے، دِینی مدارس اسلام کے قلعے ہیں، ان کی حفاظت کے لئے جان و مال کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا عبدالغفور حیدری

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) جمعیت علمائے اسلام کے مرکزی سیکریٹری جنرل مولانا عبدالغفور حیدری نے کہا ہے کہ مدارس کی آزادی اور خودمختاری کو ہر قیمت پر برقرار رکھا جائے گا، ہم دِینی مدارس میں حکومت کی مداخلت کو برداشت نہیں کریں گے، حکومت نے ملک میں لبرل معاشرے کے قیام کے لئے دِینی مدارس پر قدغن لگانے کی کوشش کی ہے .....مولانا حیدری نے کہا کہ حکمراں ایسے دِینی مدارس کے قیام کی کوششوں میں مصروف ہیں جو دورِ جدید کے فلسفیانہ خیالات و نظریات سے ہم آہنگ ہوں، اگر حکومت دینی مدارس سے مخلص ہے تو وہ تمام مسالک کے مدارس کے وفاق سے رابطہ کرکے مروّجہ نظامِ تعلیم کو مزید مضبوط اور مستحکم کرے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۱؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا سلیم اللہ خان

''وفاق المدارس کے سربراہ مولانا سلیم اللہ خان نے کہا کہ دِینی جماعتوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں، حکومت ہوش کے ناخن لے، یہ مصر یا ترکی نہیں جہاں

اس قسم کے اقدامات کی اجازت دی جائے ......انہوں نے کہا کہ ہم ڈٹ کر مقابلہ کریں گے، اور پسپائی قبول نہیں کریں گے، اور آرڈی نینس کو ختم کراکے رہیں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر

''ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر نے کہا کہ حکومت بدامنی، بیروزگاری اور مہنگائی کے مسئلے حل کرنے پر توجہ دے۔ علماء اور دِینی مدارس اپنا فریضہ خود انجام دیتے رہیں گے...... ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ کمال اتاترک کو ہیرو ماننے والے جان لیں کہ ہم دِینی مدارس کے خلاف آرڈی نینس نافذ نہیں ہونے دیں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا مفتی نظام الدین شامزی

''مفتی نظام الدین شامزی نے کہا کہ دِینی مدارس علومِ نبوّت کی چھاؤنیاں ہیں، انہیں دُنیا کی کوئی طاقت ختم نہیں کرسکتی......اس موقع پر مفتی صاحب نے کہا کہ پاکستان میں ایجنسیوں نے مذہبی طبقے کو دہشت گرد قرار دینے کی بھرپور کوشش کی ہے، جب دِینی مدارس نہیں رہیں گے تو دِین کیسے قائم ہوگا؟ اور اگر یہ اقدام کامیاب ہوگیا تو سارا نظام لادِین ہوجائے گا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا اسفند یار خان

''مولانا اسفند یار خان نے کہا کہ دِینی مدارس پاکستان کی جغرافیائی سرحدوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ صدر پرویز بھول جائیں کہ ہم اس آرڈی نینس کو نافذ ہونے دیں گے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۱؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی کراچی

''مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا کہ دِینی مدارس کے تعلیمی بورڈ کے قیام سے یہ

اُمید نظر نہیں آتی کہ اس سے اسلامی تعلیمات کو کوئی سہارا یا فروغ ملے گا۔ اس کے برعکس اس کے پیچھے وہی مقاصد کارفرما نظر آتے ہیں جن کے تحت انگریزوں نے اپنے سامراجی ظالمانہ اقتدار میں بنگال میں ''مدارسِ عالیہ'' کا سلسلہ قائم کیا تھا، جس کی ایک شکل پنجاب اورینٹل کالجوں کے نام سے وجود میں لائی گئی تھی۔ ان دونوں سلسلوں کا ایک مشترکہ مقصد یہ تھا کہ سرکاری مولوی تیار کرکے نام نہاد علماء کی ایک ایسی کھیپ تیار کرکے سامنے لائی جائے جو انگریزی حکومت کے ناپاک مقاصد پورے کرنے میں اس کی معاون ہو۔ اس آرڈی نینس کے تحت ماڈل دِینی مدارس اور دارالعلوم سرکاری سرپرستی میں قائم کرنے کا مقصد بھی یہی نظر آتا ہے کہ حکومت جن سرکاری اداروں مثلاً وفاقی شریعت عدالت، سپریم کورٹ اپیلٹ بنچ، اسلامی نظریاتی کونسل، رُویتِ ہلال کمیٹی اور زکوٰۃ کونسلوں وغیرہ میں آئینی یا قانونی طور پر علماء کو شامل کرنے پر مجبور ہے، ان میں حق گو علماء کی بجائے ان سرکاری مولویوں کو لایا جاسکے، جن کو حکمرانوں کی من مانیوں کے مطابق فتویٰ جاری کرنے کی تعلیم و تربیت دی گئی ہو۔

انہوں نے کہا کہ اس آرڈی نینس کے تحت قائم ہونے والے سرکاری بورڈ کا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ یہ دِینی مدارس میں جدید تعلیم دینے اور ان کو منظّم کرنے کا فریضہ انجام دے گا۔ یہ بات حکومت کی نیت کو اس لئے مشکوک بناتی ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے دِینی مدارس کے اپنے قائم کئے ہوئے تعلیمی وفاقی بورڈ اور ادارے پہلے سے دِینی مدارس کو منظّم کئے ہوئے ہیں۔ دِینی مدارس میں تعلیم اور اخلاقی تربیت کا جو معیار اللہ کے فضل و کرم سے آج موجود ہے، سرکاری اسکول اور کالج اس سے محروم ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس بات کا قوی خدشہ ہے کہ جو دِینی مدارس سرکاری بورڈ کے تحت قائم ہوں گے یا اس سے اِلحاق کریں گے، ان کے طلبہ کے تعلیمی اور تربیتی معیار کا بھی وہی حشر ہوگا جو سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں ہو رہا ہے کہ وہاں تعلیم ہی سرے سے غائب ہے۔ جدید علوم و فنون میں سے جن علوم و فنون مثلاً انگریزی،

سائنس، ریاضی، جغرافیہ اور معاشرتی علوم کی ضرورت دِینی مقاصد کے لئے ہم محسوس کرتے ہیں، یہ عرصۂ دراز سے دِینی مدارس میں داخلِ نصاب ہیں، اور ان کو بتدریج ترقی دینے کا سلسلہ جاری ہے، جس کی ایک مثال کمپیوٹر کی تعلیم ہے، جس کو تقریباً تمام بڑے بڑے مدارس میں پڑھایا جارہا ہے۔ اس مقصد کے لئے وفاق المدارس میں ایک مستقل کمیٹی نصاب پر نظرِ ثانی کرنے کے لئے قائم ہے، جو دُنیا کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق اپنا کام جاری رکھے ہوئے ہے۔

انہوں نے کہا کہ اس وقت جبکہ ملک طرح طرح کے مسائل سے دوچار ہے، حکومت نے یہ آرڈی نینس جاری کرکے کسی نیک نیتی کا ثبوت نہیں دیا۔ شریعت ایکٹ کے تحت پورے ملک کے نظامِ تعلیم کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کے لئے جو کمیشن نواز شریف کے پہلے دور میں قائم ہوا تھا، برسوں سے اس کا کوئی اجلاس ہی نہیں ہوا۔ یہ سارے حالات اس بات کے آئینہ دار ہیں کہ ملک کو سیکولرزم کی طرف لے جانے کی جو مذموم سازشیں جاری ہیں یہ آرڈی نینس بھی اس کی ایک کڑی ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۳؍ستمبر ۲۰۰۱ء)

حافظ حسین احمد کوئٹہ

''کراچی (خبرنگار) جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے ایڈیشنل جنرل سیکریٹری سابق سینیٹر حافظ حسین احمد نے کہا ہے کہ عسکری حکمرانوں نے مدارسِ عربیہ کے خلاف آرڈی نینس لاکر شیروں کی کچھار میں ہاتھ ڈالا ہے، اور یہ اقدام حکومت کے تابوت میں آخری کیل ثابت ہوگا...... حافظ حسین احمد نے کہا کہ مدارسِ عربیہ کے خلاف حکومتی اقدام کے خلاف جمعیت علمائے اسلام بھرپور مزاحمت کرے گی، اور حالات کی خرابی کی تمام تر ذمہ داری حکومت پر عائد ہوگی، انہوں نے کہا کہ حکومت ملک بھر اور خصوصاً سرکاری تعلیمی اداروں میں امن و امان قائم کرنے میں ناکامی کو چھپانے کے لئے نت نئے آرڈی نینس جاری کر رہی ہے، انہوں نے کہا کہ اس سے

قبل بھی سابقہ حکمرانوں نے امریکہ کی خوشنودی کے لئے یہی انداز اپنایا، جس کا خمیازہ ان کو بھگتنا پڑا۔'' (روزنامہ ''خبریں'' ۸/ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا مسعود اظہر

''امیر جیشِ محمد مولانا مسعود اظہر نے کہا کہ امریکہ بھارت اور دیگر کفریہ طاقتیں جہاد سے خائف ہیں، طالبان حکومت سے پورا کفر لرز رہا ہے، پاکستان میں اسلامی نظام کا راستہ روکنے کے لئے کفریہ طاقتیں دِینی مدارس اور جہادی تنظیموں کے درپے ہیں، لیکن اب پاکستان میں اسلامی انقلاب کا راستہ روکنا ممکن نہیں۔''

(روزنامہ ''خبریں'' ۹/ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا علی شیر حیدری

''ممتاز عالم دِین مولانا علی شیر حیدری نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ماڈل مدارس کا قیام امریکی ایجنڈا ہے، جس کا مقصد سرکاری ''مُلّا'' پیدا کرنا ہے، جو حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے حکومت کے ہر ناجائز کام کو جائز قرار دینے والے ہوں، لیکن پاکستان کی دھرتی پر حکومت کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہوگا۔'' (روزنامہ ''خبریں'' ۹/ستمبر ۲۰۰۱ء)

مولانا محمد اسعد تھانوی

''کراچی (پ ر) تحفظ دِینی مدارس کے کنوینر مولانا محمد اسعد تھانوی نے حکومت کی جانب سے ماڈل دینی مدارس کے قیام پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ دِینی مدارس کو کنٹرول کرنے اور جدید تعلیمی نصاب کے نام پر سرکاری مُلّا بنانے کی سازش کا بھرپور مقابلہ کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ ماضی میں بھی دِینی مدارس پر حکومتی گرفت مضبوط کرنے کے لئے مختلف پُرکشش پیکیج کا اعلان کیا گیا تھا، جسے علماء نے باہمی تعاون سے ناکام بنادیا۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۰/اگست ۲۰۰۱ء)

''.....حکومت کے مجوّزہ تعلیمی بورڈ کے اِلحاق اور کنٹرول کرنے کے آرڈی

نینس کو یکسر مسترد کرتے ہوئے انہوں نے مزید کہا کہ اسکندر مرزا سے لے کر ضیاء الحق اور پھر موجودہ حکومت کی سب پالیسیاں یکساں ہیں، ہم اسلام دُشمنی پر مبنی کسی سرکاری فرمان کو قبول نہیں کریں گے۔'' (روزنامہ ''خبریں'' ۲۶/اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا محمد حنیف جالندھری ملتان

''ملّی یکجہتی کونسل ملتان کے صدر اور مدرسہ خیرالمدارس کے مہتمم قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ ہم دِینی مدارس کی آزادی کا تحفظ کریں گے۔ قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا ہے کہ حکومت بے شک ماڈل مدرسے قائم کرے، ہماری دُعائیں اس کے ساتھ ہیں، لیکن ہم اپنے مدارس کی خودمختاری کا ہر صورت میں تحفظ کریں گے، ہمارے دِینی مدارس میں اس وقت بھی عصری مضامین پڑھائے جارہے ہیں۔''

مولانا قاری سعید الرحمٰن راولپنڈی

''راولپنڈی سے نمائندہ ''جنگ'' کے مطابق جامعہ اسلامیہ کشمیر روڈ کے مہتمم اور جمعیت علمائے اسلام کے رہنما اور سابق صوبائی وزیر قاری سعید الرحمٰن نے کہا کہ حکومت کو چاہئے کہ وہ دِینی مدارس کی بجائے سرکاری اداروں میں دِینی تعلیم کے لئے آرڈی نینس جاری کرے۔''

جمعیت علمائے اسلام کراچی

''کراچی (اسٹاف رپورٹر) جمعیت علمائے اسلام سندھ کے امیر مولانا عبدالصمد ہالیجوی کی اپیل پر جمعہ کو کراچی سمیت سندھ بھر میں ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس کے خلاف یومِ احتجاج منایا گیا۔ جے یو آئی کے اعلامیہ کے مطابق علمائے کرام نے خطبات میں کہا کہ ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس کو ناکام بنادیا جائے گا، یہ پاکستان کے اسلامی تشخص کے خلاف سازش ہے۔ کراچی سمیت اندرون سندھ کی ۷۵ فیصد مساجد میں ائمہ مساجد اور خطباء نے نمازِ جمعہ کے اجتماعات میں مذمتی قراردادوں

کے ذریعہ خبردار کیا کہ پاکستان کو الجزائز اور ترکی سمجھ کر اگر امریکی منشا کے مطابق کوئی ناروا اقدامات کئے گئے تو حسبِ سابق پاکستان کے کروڑوں مسلمان دِینی مدارس کے تحفظ کے لئے میدان میں نکل جائیں گے۔ جمعیت علمائے اسلام سندھ کے سیکرٹری اطلاعات قاری محمد عثمان کے جاری کردہ بیان کے مطابق کراچی سمیت اندرون سندھ کے مختلف شہروں میں مولانا عبدالصمد ہالیجوی، مولانا محمد مراد، مولانا عبدالغفور قاسمی، مولانا میر محمد اور دیگر علماء نے جمعہ کے اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ حکومت دِینی مدارس میں بھی ماڈل تعلیم رائج کر کے دُوسرے اداروں کی طرح بے حیائی اور فحاشی کو عام کرنا چاہتی ہے، مگر علمائے کرام ملک بھر میں اس آرڈی نینس کو مسترد کرتے ہوئے ماڈل مدارس اور ماڈل اسلام کے منصوبہ کو ناکام بنادیں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا عطاء المہیمن ملتان

''ملتان سے نمائندہ ''جنگ'' کے مطابق مجلس احرارِ اسلام کے مرکزی امیر سیّد عطاء المہیمن بخاری نے کہا کہ ہم اس آرڈی نینس کی بھرپور مزاحمت کریں گے۔ نمائندہ جنگ کے مطابق سیّد عطاء المہیمن بخاری نے کہا لارڈ میکالے کے نظامِ تعلیم نے پاکستان کا معاشی، سیاسی اور سماجی ڈھانچہ تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اب دِینی قوتوں کو کچلنے اور سیکولر معاشرہ قائم کرنے کے خواب دیکھے جارہے ہیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا محمد مراد سکھر

''روہڑی سے نامہ نگار کے مطابق مولانا محمد مراد ہالیجوی نے کہا کہ تعلیمی اداروں اور دِینی مدارس کو علیحدہ رکھنا ضروری ہے، کیونکہ مدارس کا ماحول اور طرزِ زندگی خالص دِینی ہے، اور دِینی رہنا چاہئے تاکہ دِین کے شعبے کی ضروریات کو بطریقِ

اَحسن پورا کرسکیں، اگر ان کو آپس میں خلط ملط کردیا گیا تو دِینی ضروریات پوری نہیں ہوسکیں گی۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا عبدالرحمٰن اشرفی

''جامعہ اشرفیہ کے مہتمم مولانا عبدالرحمٰن اشرفی نے کہا کہ یہ دِینی مدارس کا آرڈی نینس نہیں ہے، اگر اس سے اچھی باتوں کو فروغ ملتا ہے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ میری دعا ہے کہ حالیہ آرڈی نینس صورتحال میں بہتری پیدا کرسکے، انہوں نے کہا اگر دینی مدارس کے معاملات میں مداخلت نہ کی جائے تو دینی مدارس کے اثرات سے معاشرہ مضبوط اور مستحکم بن سکتا ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴؍اگست ۲۰۰۱ء)

قاری نور الحق ایڈوکیٹ، ملتان

''ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن ملتان کے سابق صدر قاری نور الحق قریشی ایڈوکیٹ نے کہا ہے کہ حکومت مدارس کو نہ چھیڑے...... انہوں نے کہا کہ ہر حکومت نے دِینی مدارس میں ماضی میں بھی مداخلت کی کوشش کی، اب بھی موجودہ حکومت کو آگرہ مذاکرات سے پاکستان کے عوامی حلقوں میں جو پذیرائی ملی اس کے بعد حکومت کے اندر اور باہر کے سازشی عناصر نے یہ آرڈیننس جاری کراکے اس کی مقبولیت کو کم کرنے کی کوشش کی ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا شاہ احمد نورانی

''کراچی (پ ر) ملّی یکجہتی کونسل کے چیئرمین اور ورلڈ اسلامک مشن کے سربراہ مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا ہے کہ دِینی مدارس کی علمی و دِینی خدمات کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ قیامِ پاکستان کے وقت قائدِ اعظم کی قابلِ قدر قیادت میں علمائے کرام نے ہراوَل دستے کا کردار ادا کیا ...... انہوں نے کہا کہ کچھ خفیہ ہاتھ حکومت کو دِینی مدارس سے اُلجھا کر پاکستان میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہیں، مدارسِ

دِینیہ کی ایک تاریخ ہے، یہ ادارے خالص دِینی فکر، دِینی مزاج اور دِینی وضع کے حامل علماء پیدا کرتے ہیں جو ملکی اور عالمی سطح پر دِین کے تمام شعبوں کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں۔ مولانا نورانی نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ مجوّزہ بورڈ میں تنظیم المدارس اور وفاق المدارس کے نمائندوں کو لیا جائے تاکہ بورڈ کوئی اختلافی مسئلہ نہ پیدا کرسکے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' لاہور ۲۷راگست ۲۰۰۱ء)

جماعت اہل سنت کراچی

''کراچی (پ ر) جماعت اہلسنّت پاکستان کراچی ڈویژن کے زیر اہتمام جمعہ کو یومِ احتجاج منایا گیا، اس سلسلے میں تمام کونسلوں کی مساجدِ اہلسنّت میں احتجاجی اجتماعات ہوئے مولانا غلام عباس قادری، صاحب زادہ فرید الدین قادری، مولانا حمزہ علی قادری، مولانا تسلیم احمد صدیقی نوری، نائب امراء مولانا عظمت علی شاہ ہمدانی، قاری مصلح الدین الہاشمی، سید محمود حسین شاہ، مولانا سید فیض رسول شاہ، مولانا عبدالوہاب قادری اور دیگر نے خطاب کرتے ہوئے حکومت کو متنبہ کیا کہ جدید علوم کی آڑ میں دِینی مدارس کے معاملات میں مداخلت سے باز رہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵راگست ۲۰۰۱ء)

ڈاکٹر سرفراز احمد

''جامعہ نعیمیہ کے ایک ترجمان نے آرڈیننس کے بارے میں کہا کہ ادارے کے مہتمم اعلیٰ ڈاکٹر سرفراز احمد نعیمی اس آرڈیننس کو مسترد کرچکے ہیں۔ ترجمان کے مطابق عام تعلیمی اداروں اور دِینی مدارس کو الگ الگ ہی رہنا چاہیئے اور نصاب بھی مسلک کے مطابق ہونا چاہیئے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴راگست ۲۰۰۱ء)

صاحبزادہ مصطفیٰ اشرف لاہور

''جامعہ حزب الاحناف کے مہتمم صاحبزادہ مصطفیٰ اشرف رضوی نے کہا کہ

تنظیم المدارس اس آرڈیننس کو مسترد کرچکی ہے، آرڈیننس بدنیتی پر مبنی ہے۔ عام تعلیمی اداروں اور دِینی مدارس کو الگ الگ ہی رہنا چاہیئے لیکن نصاب مشترکہ ہونا چاہیئے، یہ غلط پروپیگنڈا ہے کہ دِینی مدارس فرقہ واریت یا دہشت گردی کی تربیت دیتے ہیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴راگست ۲۰۰۱ء)

مفتی عارف سعیدی سکھر

''جامعہ انوارِ مصطفیٰ سکھر کے نائب مہتمم و پرنسپل مفتی محمد عارف سعیدی نے کہا ہے کہ حکومت دِینی مدارس کو کنٹرول نہیں کرسکتی۔ ایک سوال کے جواب میں مولانا مفتی عارف سعیدی نے کہا کہ جو اسلامی نظام ہمارے مدارس میں رائج ہے وہ بدستور اسلامی ضرورتوں کو پورا کررہا ہے، اس میں اضافے کے طور پر دیگر مضامین کو شامل کرنا خالصتاً مدارس کا نجی معاملہ ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵راگست ۲۰۰۱ء)

مفتی ہدایت اللہ پسروری

''جے یو پی کے ہدایت القرآن کے مہتمم مفتی ہدایت اللہ پسروری نے کہا ہے کہ ہم جدید تعلیم کے مخالف نہیں اور مدارس میں دِینی و دُنیاوی دونوں طرح کی تعلیم دے رہے ہیں۔ مفتی ہدایت اللہ پسروری نے کہا کہ اس آرڈیننس کا مقصد بھی دِینی مدارس کو حکومتی تحویل میں لینے اور اپنی مرضی کے علماء تیار کرنے کی ایک کوشش ہے لیکن ہم چاہتے ہیں کہ علماء اپنے اسلاف کی رَوِش پر قائم رہیں اور مدارس کو حکومتی مداخلت سے پاک رکھیں۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵راگست ۲۰۰۱ء)

صاحبزادہ محمد زبیر حیدرآباد

''حیدرآباد سے نمائندہ ''جنگ'' کے مطابق دارالعلوم رکن الاسلام کے مہتمم ڈاکٹر صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر نے کہا ہے کہ مدارس سے متعلق حکومتی آرڈیننس انتہائی مبہم ہے جس سے رائے قائم کرنا مشکل ہے کہ حکومت مدارس سے متعلق کیا عزائم

رکھتی ہے؟ تاہم اگر حکومت نے مدارس کے آزادانہ تشخص کو ختم کرنے کی کوشش کی تو اس کے خلاف مدارس سخت مزاحمت کریں گے جس سے ملک عدم استحکام کا شکار ہوجائے گا۔ انہوں نے کہا کہ آرڈیننس سے مدارس کے آزادانہ تشخص پر اثر انداز ہونے کی سازش نظر آرہی ہے حالانکہ حکومت واضح اعلان کرچکی ہے کہ مدارس کا آزادانہ تشخص برقرار رکھا جائے گا۔‘‘ (روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۲۴؍اگست ۲۰۰۱ء)

مولانا عبدالغفار روپڑی لاہور

’’جامع اہلحدیث کے مہتمم مولانا عبدالغفار روپڑی نے کہا کہ دِینی مدرسوں کی وجہ سے پاکستانی معاشرہ سیاسی اور اقتصادی طور پر مضبوط بنایا جاسکتا ہے، عام تعلیمی اداروں اور دِینی مدارس کو الگ الگ ہی رہنا چاہئے، مشترکہ نصاب کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ ہر مسلک کے طلبہ کا نصاب ان کے مسلک کے مطابق ہونا چاہئے۔‘‘

مولانا عبدالرحمٰن سلفی کراچی

’’جماعت غربائے اہلحدیث کے امیر اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ دارالسلام کے مہتمم مولانا عبدالرحمٰن سلفی نے کہا ہے کہ دِینی مدارس کے سلسلے میں حکومت نے جو آرڈیننس جاری کیا ہے اس میں اتفاق اور اختلاف کے دونوں پہلو ہیں۔ تاہم اس بات سے اتفاق نہیں کیا جاسکتا کہ دِینی مدارس کے آزادانہ کردار پر پابندیاں لگائی جائیں اور ان کے دِینی تشخص کو مجروح کیا جائے ...... معاشرے کو اسلامی بنیادوں پر استوار کرنے میں دِینی مدارس کا آج سے نہیں صدیوں سے بنیادی کردار رہا ہے اور ان مدارس نے اسلام کے قلعوں کی حیثیت سے کام کیا ہے اور آزادی کی تحریکوں میں مجاہدانہ کردار ادا کیا ہے۔ آئندہ بھی معاشرے کو اسلامی خطوط پر ڈھالنے میں ان کا کردار بنیادی نوعیت کا ہوگا، زیادہ تر مدارس میں انگریزی، حساب اور سائنس کی تعلیم بھی نصاب میں داخل ہے، انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا کہ دِینی اور دُنیاوی

مشترکہ نصاب سے طلبہ کا مطلوبہ دِینی ذہن تیار نہیں ہوسکے گا، پہلے طلبہ کے لئے دِینی تعلیم کا حصول لازمی کیا جائے اور پھر وہ دُنیاوی تعلیم حاصل کریں تو بہتر ہوگا، ایسا اس وقت بھی ہو رہا ہے اور بعض طلبہ پی ایچ ڈی کی ڈگریاں لے رہے ہیں۔‘‘

(روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۲۳؍اگست ۲۰۰۱ء)

ڈاکٹر فضل احمد کراچی یونیورسٹی

’’جامعہ کراچی کے شعبۂ قرآن وسنت کے چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد نے کہا کہ اس آرڈیننس کے اجرا سے دِینی حلقوں میں بے چینی پائی جارہی ہے، اس سے دِینی مدارس کا کردار حکومت کے زیر اثر آنے کے ساتھ ہی ان مدارس سے وابستہ علمائے کرام بھی حکومت کے ماتحت آجائیں گے جو ان کی خودمختاری اور مذہبی تعلیم کی آزادی کے منافی ہے، انہوں نے کہا کہ حکومت یہ آرڈیننس کسی بیرونی طاقت کے اشارے پر نافذ کرنے پر مجبور ہو رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دِینی مدارس سے وابستہ افراد صاحبِ بصیرت ہیں۔ ڈاکٹر فضل نے کہا کہ دِینی مدارس دراصل پاکستان کے محافظ اور دِینِ اسلام کے قلعے ہیں اور ملک میں اسلام انہی کی مرہونِ منّت ہے، انہوں نے کہا کہ معاشی و سیاسی ترقی اور استحکام پاکستان کے لئے ان کے نصاب میں عمومی صلاحیت موجود ہے۔‘‘ (روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۲۰؍اگست ۲۰۰۱ء)

حافظ ریاض حسین نجفی لاہور

’’جامعہ المنتظر کے مہتمم حافظ ریاض حسین نجفی نے کہا کہ یکطرفہ ٹریفک چلانے کی اجازت نہیں دی جاسکتی، انہوں نے کہا کہ حالیہ آرڈیننس صورتِ حال میں بہتری پیدا نہیں کرسکتا، مسلک کے لحاظ سے نصاب علیحدہ علیحدہ ہونے چاہئیں۔ علاوہ ازیں عام تعلیمی اداروں اور دینی مدارس کو الگ الگ ہی رہنا چاہئے۔‘‘

(روزنامہ ’’جنگ‘‘ کراچی ۲۴؍اگست ۲۰۰۱ء)

جناب فرید احمد پراچہ

''لاہور (پ ر) جماعتِ اسلامی پاکستان کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل فرید احمد پراچہ نے کہا ہے کہ دِینی مدارس بورڈ کا قیام اور ماڈل دِینی مدارس آرڈیننس کا اجرا دِینی مدارس کے معاملات میں مداخلت ہے، انہوں نے کہا کہ اگر حکومت دِینی اور دُنیاوی علوم کے امتزاج میں مخلص ہے تو پہلے سرکاری اسکولوں اور کالجوں میں قرآن و حدیث کی تعلیم کو لازمی قرار دے۔ انہوں نے کہا کہ موجودہ تعلیمی بورڈ اور یونیورسٹیاں بھی دِینی مدارس کے امتحانی نظام وفاق المدارس اور رابطۃ المدارس کے امتحان پاس کرنے والے طلبہ سے صرف انگلش کا امتحان لے کر انہیں میٹرک، ایف اے اور بی اے کی سند جاری کرسکتی ہے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۲/اگست ۲۰۰۱ء)

گیارہ ہزار مدارس کے بورڈ کا اعلان

''لاہور (وقائع نگار) ملک بھر کے تمام مدارسِ دِینیہ اور جامعات کی نمائندہ تنظیموں اور تمام مکاتبِ فکر کے پانچوں وفاق کے سربراہوں نے حکومت کی جانب سے ''ماڈل دِینی مدارس'' کے قیام کو مسترد کردیا ہے، گزشتہ روز یہاں ایک پریس کانفرنس کرتے ہوئے اتحادِ تنظیماتِ مدارس پاکستان کے رہنما مولانا حنیف جالندھری نے کہا ہے کہ اس سلسلے میں پانچوں وفاق المدارس کے سربراہوں کا اجلاس ہوا جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ حکومت کی جانب سے ماڈل دِینی مدارس کے قیام اور دِینی مدارس بورڈ یا کسی اور عنوان سے اس ضمن میں کئے گئے کسی اقدام کی ہم حمایت نہیں کریں گے اور نہ ہی اس اسکیم میں شرکت کریں گے اور نہ ہی مجوّزہ نظام میں کسی قسم کا تعاون کریں گے، انہوں نے کہا کہ ہم گیارہ ہزار دِینی مدارس اور جامعات کی آزادی اور خودمختاری کا ہر قیمت پر تحفظ کریں گے، چاہے وہ مالی خودمختاری ہو یا نظامِ تعلیم کی، نصاب مدارس دِینیہ ہو یا انتظام مدارس دِینیہ، ان میں کسی بھی قسم کی دخل اندازی،

چاہے وہ براہ راست ہو یا بالواسطہ، اسے مسترد کرتے ہیں، انہوں نے کہا کہ اگر کسی بھی اقدام قانونی، انتظامی حکم نامے کے اجرا یا دستوری ترمیم کے ذریعے، ان اداروں کو بالواسطہ یا بلا واسطہ نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، تو ہم نتائج کی پروا کئے بغیر متحد و منظّم ہوکر پوری دِینی حمیت اور استقامت سے ان اداروں کا تحفظ کریں گے، انہوں نے کہا کہ ہم حکومتِ پاکستان خصوصاً وزارتِ داخلہ و مذہبی اُمور پر واضح کردینا چاہتے ہیں کہ یہ دِینی مدارس اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر اخلاص کی بنیاد پر قائم ہوئے ہیں، آغاز سے ترقی کی اعلیٰ منازل طے کرنے تک یہ مدارس خدا کے فضل و کرم سے علماء کی شب و روز محنت اور ایمانی قوّت کے ساتھ قائم و دائم ہیں، یہ دِینی مدارس ہمارے پاس مسلمانوں کی امانت ہیں، جس کی حفاظت ہم ہر قیمت پر کریں گے اور دِینی مدارس کا اصل سرمایہ استغنا اور توکل علی اللہ ہے، ہم حکومت کی کسی بھی مالی پیشکش کی وجہ سے اپنے اصل سرمایہ کو ضائع نہیں ہونے دیں گے، ہم حکومت پر یہ واضح کردینا چاہتے ہیں کہ دِینی مدارس و جامعات سے وابستہ علماء کا اور یہاں سے فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کا مقصد حصولِ روزگار نہیں ہے، لہٰذا حکومت ان دِینی مدارس و جامعات پر دِینی مدارس بورڈ سے وابستہ ہونے کے لئے حصولِ روزگار کا لالچ ہرگز نہ دے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت جن اداروں میں تعلیم کے نام پر کروڑوں اربوں روپے خرچ کررہی ہے، ان کے فارغ التحصیل طلباء کو ملازمت دینے کی گارنٹی نہیں دے رہی ہے، انہیں تو وہ روزگار دینے میں مکمل طور پر ناکام ہے، اب دِینی مدارس کے فاضلین کو کہاں سے روزگار مہیا کرے گی؟ انہوں نے کہا کہ ہم حکومت پر یہ بھی واضح کردینا چاہتے ہیں کہ ماڈل دِینی مدارس اور دِینی مدارس بورڈ آرڈیننس واضح طور پر دِینی مدارس کے خلاف سازش ہے لہٰذا ہم تمام مکاتبِ فکر کے پانچوں وفاقوں میں سے کوئی وفاق مدارس بورڈ، یا ماڈل دِینی اسکول کی اسکیم میں شامل نہیں ہوگا، انہوں نے کہا کہ دِینی مدارس پر دہشت گردی کے الزامات لگائے جاتے ہیں حالانکہ وزیر داخلہ کسی ایک بھی دِینی

مدرسے کا نام لے کر نہیں بتا سکتے کہ یہ اس میں ملوّث ہے، دہشت گردی کی اصل وجہ حکومت کی اپنی نااہلی ہے، انہوں نے کہا کہ ہم نے بعض اعلیٰ فوجی افسران کو کہا تھا کہ اگر وہ دِینی مدارس پر اپنا اعتماد بحال کرنا چاہتے ہیں تو وہ ان دِینی مدارس کو کمپیوٹر وغیرہ دینے کے بجائے پہلے مرحلے میں بجلی، گیس، بل کے چارجز ختم کردیں، لیکن اس پر وہ خاموش رہے۔ اس موقع پر رابطۃ المدارس کے مولانا فتح محمد نے کہا کہ حکومت اس پروگرام کی آڑ میں ملک میں سیکولرازم کو فروغ دینا چاہتی ہے۔ پریس کانفرنس میں تنظیم المدارس کے ناظمِ اعلیٰ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی، وفاق المدارس العربیہ کے ناظم مولانا محمد حنیف جالندھری، وفاق المدارس السّلفیہ کے مدیر مولانا محمد یونس، جامعہ اشرفیہ کے نائب مہتمم مولانا فضل الرحیم، وفاق المدارس الشیعہ کے علامہ افضل حیدری، جامعہ منظور اسلامیہ کے پیر سیف اللہ خالد، جامعہ مدنیہ کے مولانا محمود میاں، جامعہ نظامیہ کے مولانا صدیق ہزاروی اور رابطۃ المدارس کے مولانا فتح محمد نے بھی شرکت کی۔“ (روزنامہ ”خبریں“ کراچی ۲۹/اگست ۲۰۰۱ء)

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی شعبان ۱۴۲۲ھ مطابق نومبر ۲۰۰۱ء)

ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

۱۸/اگست ۲۰۰۱ء کو صدرِ پاکستان جناب پرویز مشرف صاحب نے دِینی مدارس کے بارے میں ایک آرڈیننس جاری کیا ہے، اس آرڈیننس کا پورا متن اگرچہ تاحال اخبارات کی زینت نہیں بن سکا، مگر اس کے چند ضروری اقتباسات ملک بھر کے اخبارات میں شائع ہوچکے ہیں، جن سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موجودہ حکومت کے دِینی مدارس کے بارے میں کیا عزائم ہیں؟ اور حکومت اس آرڈیننس کی آڑ میں دِینی مدارس پر کیا شب خون مارنا چاہتی ہے؟ قطع نظر اس کے کہ اس آرڈیننس کی کاپی حاصل کرلی گئی ہے اور اس کا اردو میں ترجمہ آئندہ کسی شمارہ میں شائع کیا جائے گا، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس آرڈیننس کے اخبارات میں شائع شدہ اقتباسات کو نقل کرکے اس سلسلے میں قارئین کی خدمت میں چند ضروری گزارشات پیش کی جائیں۔ اخبارات کی زینت بننے والے اس آرڈیننس کے چیدہ چیدہ نکات حسبِ ذیل ہیں:

”صدرِ پاکستان نے ماڈل دِینی مدارس کے قیام و اِلحاق کا ”پاکستان دِینی مدارس تعلیمی بورڈ آرڈیننس برائے ۲۰۰۱ء“ جاری کیا ہے، جس کا اطلاق پورے پاکستان پر ہوگا۔

جس پر عمل درآمد اس تاریخ سے ہوگا جس کا اعلان وفاقی حکومت کرے گی۔ اس آرڈیننس کے ذریعے دِینی مدارس میں جدید تعلیم دینے، انہیں منظّم کرنے کے لئے وفاقی حکومت گزٹ نوٹیفکیشن کے ذریعے پاکستان مدارس ایجوکیشن بورڈ کے قیام کا اعلان کرے گی۔ یہ بورڈ ماڈل دِینی مدارس اور دارالعلوم قائم کرے گا، اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارش پر یہ بورڈ دُوسرے مدارس کے اِلحاق کی منظوری دے گا۔

یہ بورڈ ایجوکیشن فنڈ کے نام سے ایک فنڈ قائم کرے گا، یہ فنڈ کسی بین الاقوامی ادارہ سے گرانٹ نہیں لے سکے گا، بورڈ کا چیئرمین معروف ماہرِ تعلیم ہوگا، اس کے ارکان میں تعلیم، مذہبی اور سائنس و ٹیکنالوجی کے سیکریٹری یا ان کے نامزد نمائندوں کے علاوہ کونسل کے موجودہ یا سابق ارکان بھی شامل ہوں گے، بورڈ کو دِینی مدارس کے نصاب، امتحانی نظام تیار کرنے اور اساتذہ کے تربیتی پروگرام منعقد کرنے کا اختیار ہوگا، بورڈ کے قائم کردہ اور اِلحاق شدہ تعلیمی اداروں میں اسلامی تعلیم اہم عنصر ہوگی، تاہم عمومی تعلیمی نظام کے نصاب کی بھی تعلیم دی جائے گی، بورڈ ڈگری، ڈپلومہ اور اسناد سے متعلق اُمور کی منظوری دے گا، بورڈ ایسے اختیارات استعمال کرے گا یا ایسے فرائض انجام دے گا جس کا تعین آرڈیننس میں کیا گیا ہے۔ بورڈ کو اختیار ہوگا کہ وہ کسی کنٹریکٹ کو جاری رکھے یا ختم کرے، اسی طرح اسے منقولہ یا غیرمنقولہ جائیداد کو خریدنے اور فروخت کرنے کا حق حاصل ہوگا، اس بورڈ کی باڈی کی پاکستان بھر کے دیوبندی، بریلوی، اہلِ حدیث اور شیعہ مدارس کے وفاقوں میں سے ایک ایک ممبر لیا

جائے گا، جبکہ اس بورڈ کا چیئرمین، وائس چیئرمین اور دوسرے تمام ممبران غیرعالم اور حکومتی اداروں کے پڑھے لکھے ہوں گے......“ (روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۹/اگست ۲۰۰۱ء)

صدر صاحب کے جاری کردہ آرڈیننس پر متعدد سیاسی، مذہبی اور مقتدر راہ نماؤں کے ملے جلے تبصرے اور تائید و تنقید پر مشتمل مقالات و مضامین شائع ہوئے ہیں۔

دِینی حلقوں، ائمہ، خطباء، علماء، اَربابِ مدارس اور دیوبندی مکتبۂ فکر کے ملک بھر کے دِینی مدارس کے امتحانی بورڈ ”وفاق المدارس العربیہ پاکستان“ کے علاوہ بریلوی اور اہلِ حدیث مکتبۂ فکر کے علماء نے اسے یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یہ آرڈیننس دِینی مدارس کے خلاف ایک کھلی سازش ہے جو کسی طرح قابلِ قبول نہیں ہے، اور ماڈل دِینی مدارس کے نام سے یہ دِینی مدارس پر کھلا حملہ ہے جو کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔ عام تأثر یہ ہے کہ یہ آرڈیننس دِینی مدارس کی آزاد دِینی حیثیت کو متأثر بلکہ ختم کرنے کے لئے بیرونی آقاؤں کے اشارے پر جاری کیا گیا ہے، ورنہ دِینی مدارس آج سے ڈیڑھ سو سال قبل جن مخصوص معروضی حالات اور جن مقاصد کے لئے قائم کئے گئے تھے، بحمداللہ آج تک وہ اپنے قیام کے مقصد میں نہ صرف کامیاب ہیں بلکہ بھرپور انداز اور کامیاب حکمتِ عملی سے اپنی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

دُنیا جانتی ہے کہ انگریزی اقتدار میں جب ہندوستان میں دِین اور دِینی اقدار کے مستقبل کو خطرات لاحق ہوئے اور علماء نے محسوس کیا کہ اگر مسلمانوں کی دِینی، علمی اور فکری تربیت اور ان کی نئی نسل کے لئے خالص دِینی اور علمی ماحول کا انتظام نہ کیا گیا تو اندیشہ ہے کہ مسلمانوں کی آنے والی نسل علم و عمل سے تہی دست، فکر و آگہی سے محروم اور فکری اِلحاد کا شکار ہوجائے گی، اور رفتہ رفتہ اس کا قرآن و سنت اور دِین و مذہب سے رابطہ منقطع ہوجائے گا، اس شدید ضرورت کے تحت ہندوستان

میں سب سے پہلا مدرسہ دارالعلوم دیوبند اور اس کے کچھ ماہ بعد مظاہر العلوم سہارنپور
قائم کیا گیا، اور پھر ان کی طرز پر پورے ہندوستان بلکہ ایشیا میں دِینی مدارس قائم
کئے گئے، جنھوں نے بغیر کسی سرکاری امداد و تعاون کے محض توکلاً علی اللہ قرآن و
سنت اور علومِ نبوّت کی بقا اور اشاعت و ترویج کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے رکھا، اپنوں
کی بے توجہی اور غیروں کی مخالفت کے باوجود ان کے پائے استقلال میں کبھی
جنبش نہیں آئی۔

قیامِ پاکستان کے بعد برسرِ اقتدار آنے والے حکمرانوں نے ان مدارس کی
حوصلہ افزائی کے بجائے ہمیشہ انہیں اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا اور مختلف حیلوں
بہانوں سے ان کو بند کرنے یا کمزور کرنے کی پوری کوشش کی، لیکن بحمد اللہ ہمیشہ انہیں
ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ سب سے پہلے فیلڈ مارشل ایوب خان نے دِینی مدارس کی آزاد
دِینی حیثیت کو متأثر کرنے کے لئے ڈاکٹر فضل الرحمٰن جیسے ملحد کو آگے کیا، اور ماضی
قریب میں فوجی حکمران جناب صدر محمد ضیاء الحق نے یہ ناخوشگوار موضوع چھیڑا، جنھوں
نے باقاعدہ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے خوشنما عنوان سے دِینی مدارس کے ساتھ
''ہمدردی'' کا اعلان کیا، اور اس کے کچھ عرصہ بعد ''قومی کمیٹی برائے دِینی مدارس'' کے
جال میں دِینی مدارس کو پھانسنے کی کوشش کی گئی، لیکن بحمداللہ وہ بھی اپنے مقاصد میں
ناکام رہے۔ صدر ضیاء الحق کے بعد ان کے سیاسی جانشین جناب میاں نواز شریف اور
پھر بے نظیر صاحبہ نے اس ''مقدس فرض'' کو نبھانے کے لئے اپنی توانائیاں صرف کیں
اور اب خیر سے جناب پرویز مشرف صاحب، دِینی مدارس کے خلاف صف آرا ہیں۔

دراصل قیامِ پاکستان سے اب تک افسرشاہی کی طرف سے وقتاً فوقتاً یہ
کوشش ہوتی رہی ہے کہ دِینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لے کر ان کی موجودہ
افادیت کو ختم کرکے انہیں جدید نظامِ تعلیم کی مشینری کا ایک پرزہ بنادیا جائے، اور دِینی
مدارس کے ''منہ زور گھوڑے'' کو پابند کرنے کی کوشش کی جائے تاکہ یہ مدارس اپنی

افادیت اور خاص دِینی ماحول کی برکات سے محروم ہوجائیں، اور ان کے اساتذہ اور
طلباء سرکاری اداروں کے اساتذہ اور طلباء کی طرح سرکاری کاسہ لیس بن کر اربابِ
اقتدار کی دِین دُشمن پالیسیوں کی راہ میں رکاوٹ بننے کی بجائے ان کی خلافِ اسلام
ہر پالیسی کے لئے مدد و معاون ثابت ہوں۔ لیکن جس طرح علماء نے یونیورسٹی گرانٹس
کمیشن کی طرف سے جاری کردہ ''آرڈیننس برائے قیام مدرسہ'' اور ''قومی کمیٹی برائے
دِینی مدارس'' کو مسترد کیا تھا، ٹھیک اسی طرح وہ موجودہ ''آرڈیننس برائے قیام ماڈل
دِینی مدارس'' کو بھی متفقہ طور پر مسترد کرچکے ہیں۔ چنانچہ ۱۰رستمبر ۲۰۰۱ء کو جامعہ علوم
اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں آل سندھ تحفظ دِینی مدارس کنونشن میں وفاق
المدارس کے اکابر، سندھ بھر کے نامور علمائے کرام اور تقریباً دو ہزار دِینی مدارس کے
مہتممین کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جمعیت علمائے اسلام کے امیر مولانا فضل
الرحمٰن، وفاق المدارس کے صدر مولانا سلیم اللہ خان، مولانا عبدالصمد ہالیجوی، جامعہ
علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، مولانا ڈاکٹر
مفتی نظام الدین شامزی، مولانا اسفند یار خان، مولانا فداء الرحمٰن درخواستی، مولانا محمد
مراد سکھر، مولانا عبدالغفور قاسمی سجاول، مولانا ڈاکٹر خالد محمود سومرو، مولانا غلام قادر
کلاب جیل سکھر، مولانا عزیز الرحمٰن دارالعلوم کراچی، مولانا محمد اسعد تھانوی، مولانا حکیم
محمد مظہر کراچی، مولانا زَرولی خان کراچی اور صاحبزادہ مولانا سیّد محمد سلیمان بنوری نے
کہا ہے کہ حکومت کا جاری کردہ ''ماڈل دِینی مدارس آرڈیننس'' ہمیں کسی صورت قابلِ
قبول نہیں۔ حکومت کو چاہئے کہ اس کو فوراً واپس لے، ورنہ ہم ملک بھر کے دیوبندی،
بریلوی، اہلِ حدیث علماء سے رابطہ کرکے اس کی بھرپور مزاحمت کریں گے۔ ہم اس
آرڈیننس کو دِینی مدارس اور دِین پر کسی حملے سے کم نہیں سمجھتے۔ انہوں نے واضح کیا کہ
اس آرڈیننس میں الفاظ کے ہیر پھیر میں اُلجھانے کی کوشش کی گئی ہے، جس سے
حکومت کے خفیہ عزائم کی نشاندہی ہوتی ہے۔

انہوں نے کہا کہ حیرت کی بات ہے کہ دِینی مدارس کی اصلاح کے لئے جو بورڈ تشکیل دیا گیا ہے اس میں جدید تعلیم کے ماہرین کو بھرپور نمائندگی دی گئی ہے، اور اس بورڈ کا چیئرمین اور وائس چیئرمین بھی انہیں حضرات کو مقرّر کیا گیا ہے، کیا کبھی علومِ نبوّت کے ماہرین کو بھی جدید تعلیم گاہوں کی اصلاح کے لئے کوئی نمائندگی دی گئی ہے؟

اسی طرح اس بورڈ کے پورے اختیارات کو ظاہر نہیں کیا گیا بلکہ یہ کہا گیا ہے کہ اس بورڈ کے اختیارات وہ ہوں گے جس کا تعین آرڈیننس میں کیا گیا ہے۔ چنانچہ بورڈ کے اختیارات کی تہہ میں جھانک کر دیکھا جائے تو اس سے اندازہ ہوگا کہ اس آرڈیننس کے بعد مدارسِ عربیہ کی آزادی وخودمختاری محض ایک مہمل لفظ ہوگا، ورنہ نصابِ تعلیم، نظامِ تعلیم اور معیارِ تعلیم میں دِینی مدارس، بورڈ کی ہدایات کے قانوناً پابند ہوں گے اور ان کی زمامِ اختیار تمام تر بورڈ کے ہاتھ میں ہوگی۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں یہ آرڈیننس ملک سے دِینی مدارس کے نظام کو ختم کرنے اور دِینی تعلیم کی رُوح کو کچلنے کے مترادف ہے۔ حق تعالیٰ شانہ دِینی مدارس کی حفاظت فرمائے اور اَربابِ اقتدار کو سرکاری مدارس کی اصلاح وتہذیب کی توفیق بخشے کہ سرکاری خزانہ کی مدد سے چلنے والے بیسیوں ایسے مدارس ہیں جن کا نتیجہ صفر بٹہ صفر ہے، جبکہ بحمداللہ دِینی مدارس اپنے مقاصد میں سو فیصد کامیاب ہیں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان ۱۴۲۲ھ مطابق نومبر ۲۰۰۱ء)

ماڈل دِینی مدارس آرڈیننس کا متن

رجسٹرڈ نمبر M - 302 / L - 7646

گزٹ آف پاکستان

غیر معمولی اتھارٹی کا شائع کردہ

اسلام آباد، بروز ہفتہ ۱۸؍اگست ۲۰۰۱ء

حصہ اوّل

ایکٹ، آرڈیننس، صدارتی احکام اور قواعد وضوابط

حکومتِ پاکستان

وزارتِ قانون، انصاف، انسانی حقوق اور پارلیمانی اُمور

(قانون، انصاف اور انسانی حقوق ڈویژن)

اسلام آباد، ۱۸؍اگست ۲۰۰۱ء

ایف نمبر۲ (ا) / ۲۰۰۱ - پبلی کیشن:... مندرجہ ذیل آرڈیننس جو صدر کی جانب سے نافذ کیا گیا عام اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے۔

آرڈیننس نمبر XL برائے ۲۰۰۱ء

یہ ایک آرڈیننس ہے:

جو ماڈل دینی مدارس کے قیام، دِینی مدارس میں معیارِ تعلیم میں یکسانیت کو

یقینی بنانے اور دِینی مدارس میں دی جانے والی اسلامی تعلیم کے نظام کو عام نظامِ تعلیم میں ضم کرنے کو یقینی بنانے کے لئے ہے، جبکہ یہ عام تعلیمی نظام کے ساتھ دِینی مدارس، جو کہ پاکستان میں اعلیٰ دِینی تعلیم دے رہے ہیں، ان کی رجسٹریشن، ریگولیشن، معیاریت، نصاب کی یکسانیت اور معیارِ تعلیم کی فراہمی میں مددگار ہے، تاکہ اس کے ذریعہ ڈگری، سرٹیفکیٹ اور اسناد جو کہ ان اداروں سے جاری کی جاتی ہیں، ان کی مساوی حیثیت تسلیم کرنے کو یقینی بنایا جائے، اور اسی طرح ان کے امتحانی نظام کو ریگولیٹ کرنے اور اسی طرح اس سے ملحقہ چیزوں کے لئے۔

اور جس طرح اس کی ضرورت ہے کہ دِینی مدارس اپنی آزاد حیثیت برقرار رکھیں اور بہتر طور پر مکمل، بھرپور اور اعلیٰ اسلامی تعلیم عام تعلیمی نظام کے مضامین کے ساتھ دیں۔

اور جس طرح صدر مطمئن ہیں کہ وہ حالات موجود ہیں جو اسے ضروری بناتے ہیں کہ فوری ایکشن لیا جائے۔

لہٰذا اب ۱۴؍اکتوبر ۱۹۹۹ء سے ایمرجنسی کے نفاذ اور عارضی آئینی حکم نمبر ایک ۱۹۹۹ء کی وجہ سے (دیکھئے عارضی آئین (ترمیمی) حکم نمبر۹ برائے ۱۹۹۹ء) اور تمام اختیارات کے استعمال جو انہیں اس کے ذریعہ ملے، اسلامی جمہوریہ پاکستان کے صدر مندرجہ ذیل آرڈی نینس جاری اور نافذ کرکے خوشی محسوس کر رہے ہیں:

۱:... مختصر عنوان، دائرۂ کار، اجراء:

یہ آرڈی نینس پاکستان مدرسہ ایجوکیشن (تأسیس والحاق ماڈل دِینی مدارس) بورڈ آرڈی نینس 2001ء کہلائے گا۔

(۲) اس کا دائرۂ کار پورے پاکستان میں پھیلا ہوگا۔

(۳) یہ اس وقت سے نافذ العمل ہوگا جو تاریخ کہ وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعہ واضح کرے گی اور مختلف تاریخیں مختلف علاقوں کے

لئے مخصوص ہوسکتی ہیں۔

۲:... تعریف:

اس آرڈی نینس میں، بشرطیکہ کوئی چیز موضوع یا تناظر سے متعارض نہ ہو:

(الف) ''اکیڈمک کونسل'' سے مراد اکیڈمک کونسل ہے جو سیکشن ۱۰ کے تحت تشکیل دی جائے گی۔

(ب) ''ملحقہ دِینی مدارس'' سے مراد وہ دِینی مدارس یا دارالعلوم ہیں جو اس بورڈ سے ملحق ہوں۔

(ج) ''بورڈ'' سے مراد پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ ہے، جو سیکشن ۳ کے تحت تشکیل دیا جائے گا۔

(د) ''کنٹرولنگ اتھارٹی'' سے مراد بورڈ کے چیئرمین ہیں۔

(ڈ) ''دِینی مدارس'' سے مراد مذہبی تعلیمی ادارے ہیں، بشمول دِینی مدارس، دارالعلوموں کے جو اسلامی تعلیم دینے کے لئے قائم کئے گئے، جن کا بنیادی نصاب اسلامی تعلیمات اور اَحکامات پر مشتمل ہے۔

(ذ) ''وفاقی حکومت'' سے مراد وزارتِ مذہبی اُمور ہے۔

(ر) ''جنرل ایجوکشن سسٹم'' سے مراد وہ نظامِ تعلیم ہے جو وزارتِ تعلیم، حکومتِ پاکستان سے منظور شدہ ہے۔

(ڑ) ''ممبر'' سے مراد بورڈ کا ممبر ہے۔

(ز) ''ماڈل مدرسہ یا ماڈل دارالعلوم'' سے مراد وہ مدرسہ یا دارالعلوم ہے جو اس آرڈینینس کے تحت بورڈ کی جانب سے قائم کیا جائے یا جس کا بورڈ سے الحاق ہو۔

(س) ''ناظم یا صدر'' سے مراد کسی وفاق یا تنظیم کا ناظم یا صدر ہے۔

(ش) ''مجوّزہ'' سے مراد وہ تجویز ہے جو اس آرڈی نینس کے تحت بنائے گئے قواعد وضوابط کے تحت ہوگی۔

(ص) ''قابلیت'' سے مراد کوئی ڈپلومہ، ڈگری، سند یا اور کوئی سرٹیفکیٹ ہوگا جو مکمل طور پر ضروری کورس یا ٹریننگ کی تکمیل کی علامت ہوگا، جو کہ بورڈ سے تسلیم شدہ ہو۔

(ض) ''ریگولیشن'' سے مراد ضوابط ہیں جو آرڈی نینس کے تحت بنائے جائیں گے۔

(ط) ''رولز'' سے مراد قواعد ہیں جو کہ آرڈی نینس کے تحت بنائے جائیں گے۔

(ظ) ''اسٹوڈنٹ'' سے کسی بھی جنس کا وہ شخص مراد ہے جو کسی تسلیم شدہ یا مشہور باعزّت مذہبی تعلیمی ادارے میں، جس کا تعلیمی معیار اچھا ہو، تعلیم حاصل کر رہا ہو۔

(ع) ''سیلے بائی'' سے مراد وہ نصاب ہے جس کا بنیادی جزو اسلامی تعلیم ہو اور جس میں عام تعلیمی نظام کے مجوّزہ مضامین بھی شامل ہوں۔

۳:... بورڈ کی تشکیل:

(۱) اس آرڈی نینس کی اجراء کے بعد جتنا جلد ہوسکے وفاقی حکومت سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعہ ایک بورڈ تشکیل دے گی جس کو پاکستان مدرسہ ایجوکیشن بورڈ کہا جائے گا۔

(۲) یہ بورڈ ایک کارپوریٹ ادارہ ہوگا جس کی مستقل ترتیب ہوگی اور جس کی ایک عام تصدیق ہوگی جس کی طاقت ہوگی کہ آرڈی نینس کی دفعات کے تحت وہ منقولہ اور غیرمنقولہ جائیداد حاصل کرے، اپنی تحویل میں رکھے اور ختم کرے، اور یہ کہ متذکرہ نام سے کسی کے خلاف دعویٰ دائر کرے یا اس کے خلاف دعویٰ دائر کیا جائے۔

(۳) بورڈ کا ہیڈکوارٹر اسلام میں ہوگا۔

(۴) بورڈ جہاں ضروری سمجھے گا اپنے ذیلی دفاتر قائم کرے گا۔

۴:... بورڈ کی ہیئتِ ترکیبی:

(۱) یہ بورڈ درج ذیل ممبران پر مشتمل ہوگا جنھیں وفاقی حکومت مقرّر کرے گی۔

(الف) ایک ممتاز ماہرِ تعلیم — چیئرمین

(ب) ایک وفاق، تنظیم یا رابطہ کا صدر یا ناظم جسے وفاقی حکومت چیئرمین سے مشورے کے بعد مقرّر کرے گی — وائس چیئرمین

(ج) ایک ماہرِ تعلیم جسے ایڈمنسٹریشن کے اُمور کا تجربہ ہو — سیکریٹری

(د) سیکریٹری وزارتِ تعلیم یا اس کا نامزد فرد جو جوائنٹ سیکریٹری سے کم عہدے کا نہ ہو — ممبر

(ڈ) سیکریٹری وزارتِ مذہبی اُمور یا اس کا نامزد فرد جو جوائنٹ سیکریٹری سے کم عہدے کا نہ ہو — ممبر

(ذ) چیئرمین یونیورسٹی گرانٹس کمیشن یا اس کی طرف سے نامزد ممبر — ممبر

(ر) دو علماء جو اسلامی نظریاتی کونسل کے ممبر ہوں یا رہے ہوں جنھیں چیئرمین نامزد کردے — ممبر

(ز) ڈائریکٹر جنرل دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی — ممبر

(س) ایک پروفیسر جو کہ کسی یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامک اسٹڈیز کا سربراہ بھی ہو — ممبر

(ش) چاروں صوبوں کے صوبائی سیکریٹری تعلیم — ممبر

(ص) وفاق کا صدر یا ناظم — ممبر

(ض) تنظیم کا صدر یا ناظم — ممبر

(ط) رابطہ کا صدر یا ناظم — ممبر

(ظ) چیئرمین انٹر بورڈ کوآرڈی نیشن کمیٹی (آئی بی سی سی) — ممبر

(ع) وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دو نمائندے ممبر

(۲): سرکاری ممبر سے علیحدہ ایک ممبر، بشرطیکہ ماقبل کو علیحدہ کیا جاچکا ہو، اس وقت تک اس عہدے پر رہ سکتا ہے جب تک کہ وفاقی حکومت کی رضامندی ہو۔

(۳): وہ شخص بورڈ کا نہ ممبر مقرّر ہوسکتا ہے اور نہ بحیثیت ممبر برقرار رہ سکتا ہے جو دیوالیہ قرار دیا جاچکا ہو یا جس پر کوئی اخلاقی جرم ثابت ہوچکا ہو یا جسے سرکاری ملازمت سے نااہل قرار دیا جاچکا ہو یا برخاست کیا جاچکا ہو۔

(۴): وہ شخص بورڈ کا نہ ممبر مقرّر ہوسکتا ہے، نہ اپنے عہدے پر برقرار رہ سکتا ہے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ، کسی برائی میں ملوّث رہ چکا ہو یا ایسے کسی کام میں اس کا یا اس کے پارٹنر کا کوئی حصہ یا انٹرسٹ ہو، نہ بورڈ کی جانب سے اور نہ اس کے بی ہاف پر، اور نہ اس کی کسی ملازمت پر ہے، کسی ممبر کے بارے میں ایسی کسی شکایت پر بورڈ ممبر کو سماعت کا ایک موقع دے کر مسئلے کا فیصلہ کرے گا اور اپنی سفارشات وفاقی حکومت کو منظوری کے لئے بھیجے گا، وفاقی حکومت کا فیصلہ حتمی شمار ہوگا۔

۵:... بورڈ کے اختیارات اور کام:

(۱): بورڈ کو ان کاموں اور ایسے اختیارات کے استعمال کا اختیار ہوگا جو اس آرڈی نینس کے اغراض کے نفاذ اور حصول کے لئے ضروری اور سازگار ہوں۔

(۲): آرڈی نینس کی دفعات کے حوالے سے اور وفاق یا تنظیم یا رابطے کے حقِ خودارادیت کے حوالے سے بورڈ کو مندرجہ ذیل اختیارات ہوں گے اور اسے مندرجہ ذیل کام کرنے ہوں گے:

(الف) ایسے ماڈل مدارس اور ماڈل دارالعلوموں کا قیام جن میں اسلامی تعلیم بحیثیت بنیادی جزو اور عام تعلیمی نظام کا مجوزہ کورس اور نصاب بھی شامل ہو۔

(ب) اکیڈمک کونسل کی جانب سے سفارش کردہ موجودہ مدارس کے الحاق کی شرائط کی منظوری اور ان پر عمل درآمد۔

(ج) اکیڈمک کونسل کی سفارشات کو مدِنظر رکھتے ہوئے ماڈل دِینی مدارس کے نصاب، پڑھائی کے کورس اور امتحان لینے کی شرائط کی منظوری دینا۔

(د) ماڈل دِینی مدارس اور دارالعلوم کے اساتذہ کے لئے مختلف سماجی علوم اور مذہبی کورسوں پر ٹیچر ٹریننگ پروگراموں کا انعقاد کرنا۔

(ڈ) الحاق کرنا اور ضوابط بنانا اور موجودہ مدارس کے لئے الحاق کی شرائط کی منظوری دینا۔

(ذ) مدارس اور عام نظامِ تعلیم کے نصاب میں ترمیم اور بہتری کے ذریعہ عام تعلیمی نظام اور مدارس میں خلیج کو پاٹنے کے لئے طریقے اور ذرائع تجویز کرنا۔

(ر) اکیڈمک کونسل کی سفارشات کی روشنی میں دِینی مدارس کے نصاب، پڑھائی کے کورس اور امتحان لینے کی شرائط کی منظوری دینا۔

(ڑ) ایسے افسران اور عملے کا تقرر کرنا جو اس کے کاموں کی انجام دہی کے لئے ضروری خیال کئے جائیں اور ان کی ڈیوٹی کا تعین اور ملازمت کی شرائط کا مقرّر کرنا۔

(ز) موجودہ دِینی مدارس اور ان کی تنظیموں کے درمیان تعاون اور ہم آہنگی کو فروغ دینا۔

(س) ڈگریوں، ڈپلومہ، اسناد یا سرٹیفکیٹ کی مساویت کی منظوری دینا جبکہ نصاب نظامِ تعلیم کے مضامین بھی شامل ہوں۔

(ش) ماڈل دِینی مدارس اور ماڈل دارالعلوموں میں نصابی اور غیرنصابی سرگرمیوں کو فروغ دینا۔

(ص) ماڈل دِینی مدرسہ یا ماڈل دارالعلوم کا اس نظر سے معائنہ کرنا اور معائنے کا انتظام کرنا تاکہ اس مدرسہ یا اس دارالعلوم کی کارکردگی بہتر بنائی جاسکے۔

(ط) تجویز شدہ شرائط کے مطابق اسکالرشپ، تمغوں اور انعامات کا اجراء اور ان کی ادائیگی۔

(ظ) دِینی مدارس کی لائبریریوں کی ترقی میں مدد دینا۔

(ع) سالانہ بجٹ کی منظوری دینا۔

(غ) ماڈل دِینی مدارس سے متعلق اُمور میں حکومت کو مشورے دینا۔

(ف) بورڈ کے تحت لئے جانے والے امتحانات میں اُمیدواروں کے داخلے کی کم از کم شرائط تجویز کرنا اور تمام تعلیمی مواد جو کہ تعلیم کے معیار کو بہتر بنانے کے لئے ضروری ہو اس کو شائع کرنا۔

(ق) بورڈ کے تحت تمام اُمور اہتمام بشمول عہدوں کا قیام و اختتام کا تعین کرنا اور فیصلہ کرنا۔

(ک) کسی مہتمم سے کسی معاہدے کا طے کرنا، اسے جاری رکھنا یا ختم کرنا، سرمایہ کاری کرنا، کسی منقولہ یا غیرمنقولہ جائیداد یا اثاثے کی خرید و فروخت۔

(ل) جب ضروری ہو تب آرڈی نینس کے مقاصد کو جاری رکھنے کے لئے خرچ کرنا۔

(م) بورڈ اپنے کسی کام کے لئے اپنے کسی ممبر یا آفیسر یا ایک کمیٹی یا ذیلی کمیٹی کو نامزد کرسکتا ہے۔

(ن) بورڈ کے قائم کردہ یا اس سے اِلحاق شدہ کسی دِینی مدرسہ کی بہتری کے لئے شکایات کی سماعت، انکوائری اور تحقیقات کرنا اور ہدایت دینا یا اقدامات کی سفارش کرنا۔

(و) اسی طرح دیگر تمام اختیارات کو استعمال کرنا جو کہ آرڈی نینس کے تحت دیئے گئے ہیں، دیگر تمام ضروری اقدامات کرنا جو کہ آرڈی نینس کے اغراض کو جاری رکھنے کے لئے ضروری ہوں۔

۶:...دورے:

(۱): بورڈ معائنہ یا انکوائری جو اس حوالے سے کی جائے گی کہ کوئی امر جو

ماڈل دِینی مدرسہ یا ماڈل دارالعلوم کے اُمور سے متعلق ہو اور وقتاً فوقتاً ایسے افراد مقرّر کرے گا جو اس کے خیال میں ایسے معائنے یا انکوائری کرنے کے لئے بہترین ہوں اور اپنی رپورٹ بورڈ کو پیش کریں۔

۷:... بورڈ کی میٹنگیں:

(۱): بورڈ کی میٹنگیں چیئرمین کی جانب سے بلائی جائیں گی اور اس تاریخ، وقت اور مقام جہاں کے بارے میں وہ فیصلہ کرے:

بشرطیکہ دو میٹنگوں کے درمیان چھ ماہ سے زیادہ کا وقفہ نہ ہو، اور کم از کم آٹھ روز کا تحریری نوٹس رجسٹرڈ ڈاک یا کوریئر سے ممبران کو بھیجا جائے گا جس میں میٹنگ ایجنڈا، تاریخ، وقت اور مقام کی صراحت ہوگی۔

(۲) چیئرمین یا اس کی عدم موجودگی میں وائس چیئرمین بورڈ کی میٹنگ کی صدارت کرے گا۔

(۳) بورڈ کے کل ممبران کا نصف میٹنگ کا کورم ہوگا، کم تعداد کو ایک شمار کیا جائے گا۔

(۴) بورڈ کا فیصلہ اس کے حاضر ممبران کی اکثریت اور ووٹنگ سے ہوگا، اور ٹائی (ووٹوں کی برابری) کی صورت میں چیئرمین کا ووٹ حتمی فیصل ووٹ ہوگا۔

۸:...چیئرمین:

(۱): بورڈ کا چیئرمین اس کا پرنسپل ایگزیکٹو آفیسر ہوگا اور بورڈ کی میٹنگوں کی صدارت کرے گا۔

(۲) چیئرمین ایسے تمام اختیارات استعمال کرے گا اور ایسے تمام اُمور سرانجام دے گا جو بورڈ کی جانب سے اس کو تفویض کئے گئے ہیں اور بورڈ کے اُمور کی صحیح طور پر انجام دہی کا ذمہ دار ہوگا۔

(۳) چیئرمین کی عدم موجودگی میں وائس چیئرمین ان اختیارت کو استعمال کرے گا اور ان اُمور کو سرانجام دے گا جو بورڈ کی جانب سے تفویض کئے جائیں۔

۹:...سیکریٹری:

(۱): بورڈ کا ایک سیکریٹری ہوگا جو ایک کل وقتی افسر ہوگا جسے وفاقی حکومت ان شرائط وضوابط پر مقرّر کرے گی جن کا وہ تعین کرے۔

(۲) سیکریٹری بورڈ کا ایڈمنسٹریٹو آفیسر ہوگا اور وہ بورڈ اور اس کے چیئرمین کے اَحکامات، جو کہ چیئرمین کی منظوری سے جاری ہوئے، پر عمل درآمد کو یقینی بنائے گا اور بورڈ کی جانب سے اور اس کے لئے فیصلوں کا نفاذ کرے گا۔ وہ اکیڈمک کونسل کے سیکریٹری کے فرائض بھی انجام دے گا۔

(۳) سیکریٹری، چیئرمین کی منظوری سے میٹنگ کے نوٹس ارسال کرے گا، میٹنگ کا نوٹس اور ایجنڈا بورڈ کے ہرممبر کو رجسٹری ڈاک یا کوریئر سے ارسال کیا جائے گا۔

(۴) سیکریٹری اس بات کو یقینی بنائے گا کہ فنڈ ان مقاصد پر خرچ کئے جائیں جس کے لئے وہ دیئے گئے، مختص یا منظور کئے گئے ہیں اور اکاؤنٹ کا سالانہ گوشوارہ اور بورڈ سے منظوری کے لئے بجٹ کا تخمینہ بنائے گا اور جمع کرائے گا۔

(۵) سیکریٹری بورڈ کی میٹنگ کی کارروائی کا ریکارڈ رکھے اور ان دیگر اُمور کو انجام دے گا جو بورڈ کی جانب سے اسے تفویض کئے جائیں۔

(۶) سیکریٹری بورڈ کے رجسٹرار کے فرائض بھی سرانجام دے گا اور اس حوالے سے بورڈ کی جانب سے مفوضہ کاموں کو انجام دے گا۔

۱۰:...اکیڈمک کونسل:

(۱): بورڈ کی ایک اکیڈمک کونسل ہوگی جو اس کو مشورے دے گی اور اس کے کاموں کی انجام دہی میں اس کی مدد کرے گی۔

(۲) کونسل مندرجہ ذیل ممبران پر مشتمل ہوگی جن کو بورڈ نامزد کرے گا، جن کے نام یہ ہیں:

۱: بورڈ کا چیئرمین	چیئرمین
۲: وزارتِ تعلیم کا ایک نمائندہ	ممبر
۳: وزارتِ سائنس اور ٹیکنالوجی کا ایک نمائندہ	ممبر
۴: ڈائریکٹر جنرل ریسرچ وزارتِ مذہبی اُمور، زکوٰۃ وعشر	ممبر
۵: چیئرمین انٹر بورڈ کوآرڈی نیشن کمیٹی	ممبر
۶: دوممتاز اسکالرز	ممبر
۷: ایک ممتاز سائنس دان	ممبر
۸: ایک ممتاز ماہرِ تعلیم	ممبر

(۳) اکیڈمک کونسل بورڈ کی ایڈوائزری کمیٹی ہوگی اور آرڈی نینس کی شقوں کے مطابق اسے اختیارات حاصل ہوں گے کہ وہ ماڈل دِینی مدارس اور دارالعلوم کے لئے تدریس وتربیت کے مناسب معیار، نصاب اور امتحانات کا بورڈ کے زیرِغور لانے اور منظوری کے لئے تعین کرے اور سفارش کرے۔

۱۱:... دِینی مدارس کا قیام اور الحاق:

(۱): ایک دِینی مدرسہ یا دارالعلوم سیکشن ۱۲ کے تحت الحاق کی درخواست دے سکتا ہے۔

(۲) بورڈ اس آرڈی نینس کے اغراض کے لئے ماڈل دِینی مدارس اور ماڈل دارالعلوم قائم کرسکتا ہے۔

۱۲:...الحاق:

(۱): کوئی بھی ادارہ (دِینی دارالعلوم یا دِینی مدرسہ) بورڈ کے تجویز کردہ

طریقۂ کار کے مطابق بورڈ سے الحاق کے لئے درخواست دے سکتا ہے۔

(۲) بورڈ درخواست پر غور کرے گا اور مجوزہ شرائط وضوابط پر الحاق کو قبول یا رَدّ کرسکتا ہے۔ ایسے اُمور میں بورڈ کا فیصلہ حتمی شمار ہوگا۔

۱۳:...نصاب:

(۱): ہر دِینی مدرسہ اور دارالعلوم جو بورڈ سے ملحق ہو اسلامی تعلیم بحیثیت بنیادی جزو پڑھائے گا اور عام نظامِ تعلیم کے ایسے مضامین بھی شامل رکھے گا جو مجوزہ ہوں۔

(۲) جہاں ملحقہ دِینی مدرسہ یا دارالعلوم آرڈی نینس کی شقوں کی یا بورڈ کی ہدایات کی خلاف ورزی کرے تو بورڈ سماعت کا ایک موقع دے کر اس مدرسہ یا دارالعلوم کا الحاق ختم کرسکتا ہے۔

۱۴:...بورڈ کے افسران اور ملازمین سرکاری ملازمین ہوں گے:

بورڈ کے افسران اور ملازمین تعزیراتِ پاکستان کی دفعہ ۲۱ (ایکٹ XLV ۱۸۶۰ء) کے تحت سرکاری ملازم شمار ہوں گے۔

۱۵:...افسران اور دیگر عملہ:

بورڈ ایسے افسران اور عملے کا تقرر کرسکتا ہے جسے وہ آرڈی نینس کی اغراض کے لئے ضروری خیال کرے۔

۱۶:...اختیارات کی منتقلی:

بورڈ تحریری آرڈر کے ذریعہ، جو آرڈر میں درج شرائط میں واضح کیا گیا ہو، ہدایات جاری کرسکتا ہے کہ کوئی مخصوص اختیار یا اُمور چیئرمین یا بورڈ کے کسی ممبر کی جانب سے ایک مخصوص مدّت تک، جو کہ ایک وقت میں چھ ماہ سے تجاوز نہ کرے گی، سرانجام دیئے جائیں گے۔

۱۷:...فنڈ:

ایک فنڈ قائم کیا جائے گا جسے پاکستان مدرسہ ایجوکیشن فنڈ کے نام سے موسوم کیا جائے گا، جس میں بورڈ کی تمام آمدنی، بشمول وفاقی حکومت، صوبائی حکومت یا دیگر اداروں کی جانب سے دیئے گئے عطیات اور گرانٹ جمع کی جائے گی۔

بشرطیکہ کسی بین الاقوامی عنصر کی جانب سے دی گئی امداد وفاقی حکومت کی منظوری کے بغیر قبول نہیں کی جائے گی۔

(۲) بورڈ کے فنڈ بورڈ کی جانب سے قائم کردہ یا اس سے الحاق شدہ ماڈل دارالعلوم اور ماڈل دِینی مدارس کے پروگراموں اور سرگرمیوں کے لئے استعمال ہوسکتے ہیں۔

۱۸:...اکاؤنٹس اور آڈٹ:

(۱): بورڈ تمام آمد وخرچ کے تمام گوشواروں کے حسابات کے کھاتوں کو دُرست حالت میں رکھے گا اور اپنی رپورٹ ہر سال وفاقی حکومت کو پیش کرے گا۔

(۲): بورڈ اپنے اکاؤنٹس کا ایک یا زائد آڈیٹرز سے، جو چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس آرڈی نینس مجریہ ۱۹۶۱ء (زیر دفعہ X مجریہ ۱۹۶۱ء) کے مطابق چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس ہوں، آڈٹ کرائے گا، جنھیں وفاقی حکومت بورڈ کی جانب سے سفارش کردہ چارٹرڈ اکاؤنٹنٹس کے ایک پینل میں سے آڈیٹر جنرل آف پاکستان کی مشاورت سے اس مشاہرے پر مقرر کرے گی جو وفاقی حکومت چاہے اور اپنے آڈٹ اکاؤنٹ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کو ہر سال جمع کرائے گا۔

۱۹:...پیش بندی:

اس آرڈی نینس یا اس کے کسی ضابطے کے تحت کوئی مقدمہ، دعویٰ یا کوئی اور قانونی کارروائی بورڈ کے چیئرمین، کسی ممبر یا کمیٹی یا کسی افسر یا کسی ملازم کے خلاف

کسی اچھے ارادے سے نہیں کیا جاسکے گا یا کرنے کا ارادہ نہیں کیا جاسکے گا۔

۲۰:...قانون بنانے کا اختیار:

(۱): بورڈ وفاقی حکومت کے مشورے سے سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعہ آرڈی نینس کی اغراض کے لئے قانون سازی کرسکتا ہے۔

(۲): ذیلی شق (۱) کے تحت مفوضہ اختیارات کی عمومیت کے ساتھ کسی تخصیص کے بغیر ایسے قوانین مندرجہ ذیل تمام اُمور یا کسی کی فراہمی کرسکتے ہیں:

(الف) مالیات۔

(ب) جنرل ایڈمنسٹریشن۔

(ج) اثاثوں کی دیکھ بھال اور اس سے متعلقہ اُمور۔

(د) ایسے دیگر اُمور جو اس آرڈی نینس کی دفعات کے لئے ضروری ہوں۔

۲۱:...ضوابط بنانے کا اختیار:

(۱): بورڈ سرکاری گزٹ میں نوٹیفکیشن کے ذریعہ آرڈی نینس کی اغراض کے لئے ضوابط سازی کرسکتا ہے۔

(۲): بورڈ سابقہ اختیارات کی عمومیت کے ساتھ کسی تخصیص کے بغیر ایسے ضوابط مندرجہ ذیل اُمور کے بارے میں مکمل یا ان میں سے کسی ایک کے بارے میں فراہمی کرسکتے ہیں:

(الف) کمیٹیوں کی تشکیل، بورڈ کے ملازمین کا تقرر اور ان کی ملازمت کی شرائط وضوابط۔

(ب) بورڈ کے ملازمین کی فلاح و بہبود کے لئے پنشن اور پروایڈنٹ فنڈ سے متعلق اُمور۔

(ج) داخلہ، نصاب، پڑھائی کے کورس کے طریقۂ کار، معیاری اداروں،

امتحانی ضوابط اور ڈگریوں کے اجراء اور اس سے متعلقہ اُمور۔

(د) ایسے دیگر اُمور جو اس آرڈی نینس کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہوں۔

۲۲:...مشکلات کا سدِ باب:

اگر اس آرڈی نینس کی کسی دفعہ کو بروئے کار لانے میں کوئی مشکل پیدا ہوتی ہے تو وفاقی حکومت بورڈ کی سفارشات پر ایسے حکم جاری کرسکتی ہے جو کہ وہ اس مشکل کے سدِ باب کے لئے ضروری سمجھے اور جو کہ اس آرڈی نینس کی دفعات سے متعارض نہ ہو۔

جنرل پرویز مشرف (صدر)

جناب جسٹس فقیر محمد کھوکھر (سیکریٹری)

منیجر پرنٹنگ کارپوریشن آف پاکستان پریس، اسلام آباد نے چھپوایا

منیجر آف پبلی کیشن، کراچی نے شائع کیا

دِین، دِینی مدارس اور شعائرِ اسلام کا تحفظ وقت کا تقاضا!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

دِین، دِینی اقدار اور اسلامی شعائر ہمیشہ سے ظالم سماج کی آنکھ میں کھٹکتے رہے ہیں، جس طرح آج سے چودہ سو سال پیشتر اسلام، اسلامی شعائر، دِین اور اہلِ دِین، کفار و مشرکین کی تنقید کے نشانے پر تھے، ٹھیک اسی طرح آج بھی وہ دِین دُشمنوں کی عداوت و نفرت اور بغض وعناد کے تیروں سے چھلنی ہیں، دُنیا بدل گئی، معاشرتی اقدار و اطوار میں ہزاروں تبدیلیاں رُونما ہوچکی ہیں، مگر دِین دُشمنوں کے موقف میں کسی قسم کی کوئی تبدیلی نہیں آئی، بلکہ ان کے بغض وعناد کی آگ روز افزوں ہے، اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ جیسے جیسے اشاعتِ اسلام میں اضافہ ہوتا گیا ویسے ویسے معاندینِ اسلام کے جذبۂ عداوت میں ہیجان وعروج ہوتا گیا، اور نوبت بایں جا رسید کہ اب نام نہاد مسلمان بھی معاندین ومشرکین کی بولی بولنے اور ان کی ہاں میں ہاں ملاکر ان کا راگ اَلاپنے لگے ہیں۔

چنانچہ ان کو علمائے دِین اور حامیانِ دِین و ملت، دہشت گرد، تنگ نظر، تاریک خیال، ملکی ترقی کے دُشمن، قل اعوذیئے، چند قاعدے پڑھے اور جاہل وغیرہ کے ”خوبصورت“ القابات کے مستحق نظر آتے ہیں، اسی طرح وہ درس گاہیں، جن میں قرآن وسنت اور دِین وملت کی تعلیم دی جاتی ہے، دہشت گردی کے اَڈّے، تشدّد

گاہیں، عصبیت وفرقہ واریت کی تربیت گاہیں، اور حکومتِ وقت کی ہر جائز و ناجائز نہ ماننے کی وجہ سے ”بغاوت“ کی مرتکب نظر آتی ہیں، فیا حسرتا!

ایسا لگتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہمارے دور سے متعلق ہی ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی مہجوری کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

”عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: اِنَّ الْاِسْلَامَ بَدَأَ غَرِیْبًا، وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَأَ، فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ۔“

(ترمذی ج:۲ ص:۹۱)

ترجمہ:... ”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: بے شک اسلام کی ابتدا غربت (اجنبیت) سے ہوئی، اور عنقریب یہ پھر ویسے ہی غریب (اجنبی) ہوجائے گا جیسے کہ اس کی ابتدا ہوئی تھی، پس خوشخبری ہے غرباء کے لئے۔“

یعنی جس طرح شروع شروع میں اسلام مہجور تھا اور اس کے ماننے والے بہت تھوڑے اور غریب الدیار تھے، ایسے ہی قربِ قیامت میں بھی اسلام کو چھوڑ دیا جائے گا، اور اس کے ماننے والے تھوڑے رہ جائیں گے، اور معاشرتی اعتبار سے وہ غربت و اجنبیت کا شکار ہوں گے، پس ایسے لوگ جو اس وقت بھی اسلام کے ساتھ وابستہ ہوں گے قابلِ مبارک باد ہیں۔

صد حیف! کہ آج اسلام پھر مسلمانوں کے ہاں اسی طرح غریب واجنبی ہے جس طرح آج سے چودہ سو سال پیشتر غریب واجنبی تھا، اور صد افسوس کہ مسلمان ہی اس کو دیس نکالا دینے پر تلے ہوئے ہیں، ورنہ کیا مجال تھی امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی، کہ وہ ہزاروں میل دُور سے آکر مسلمانوں کو تہ تیغ کرتے اور ہم مسلمانوں کے بجائے کافروں کی خدمت گزاری اور ان کے تعاون میں اپنی فوز وفلاح سمجھتے؟

آج ہمارے انحطاط و زوال کا یہ عالم ہے کہ ہم ہر وہ کام کرنے کے لئے تیار اور کمر بستہ نظر آتے ہیں جس کا امریکہ بہادر اور اس کے اتحادی حکم دیں، چاہے وہ ہمارے دِین و مذہب، ملکی اور قومی وقار کے خلاف بھی کیوں نہ ہو۔ کل تک امریکہ بہادر رُوس کے مقابلے میں ان نہتے مسلمانوں کی جاں سپاری کو جہاد کا نام دیتا تھا تو ہم بھی ان سربکف مجاہدین کی قربانیوں کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، لیکن جس دن سے رُوس کا کانٹا نکل گیا اور امریکہ کی نظریں پھر گئیں تو یہی مسلمان امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی نظروں میں دہشت گرد بن گئے، وہ مدارس جو قرآن وسنت کی تعلیم و ترویج میں صدیوں سے اپنا کردار ادا کرتے آرہے تھے، یک لخت دہشت گردی کے اَڈّے بن گئے، وہ علماء جو روکھی سوکھی کھاکر دِین کی امانت کو اپنے سینوں میں محفوظ کئے ہر باطل کا مقابلہ کرتے آرہے تھے، اور جنھوں نے ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی لڑی، شاملی کے میدان میں خاک و خون میں تڑپائے گئے، جنھیں سور کی کھالوں میں بند کرکے اُبلتے تیل میں بھونا گیا اور اِستخلاصِ وطن کی پاداش میں کالے پانی میں جلاوطنی کی قید میں ڈالا گیا، ہم نے ان کی قربانیوں کی پوری تاریخ سے آنکھیں بند کرلیں، ان کے جذبۂ حریت کو ''دہشت گردی'' اور ان کی دِین وملت سے وفاداری کو ''فرقہ واریت'' کے بدترین عنوانات سے یاد کیا جانے لگا۔

قرآن وسنت کی ترویج و اشاعت کی ان درس گاہوں کو ملک وقوم کے لئے مہلک شمار کیا جانے لگا، ان پر طرح طرح کے الزامات اور اتہامات باندھے جانے لگے، اکابر علمائے اُمت کو شہید کیا گیا، اور ایسے اکابرینِ اُمت کو راستے سے ہٹانے کی ناپاک کوششیں کی گئیں جو اُمت میں وحدت کی علامت تھے، جن کے قول وقرار کو سند کا درجہ حاصل تھا، صرف یہی نہیں بلکہ مسلمانوں کو مختلف عصبی اور گروہی ٹکڑیوں میں بانٹا گیا، مسلمانوں کو مسلمانوں سے لڑایا گیا، اور مسلمانوں کے دِلوں سے دِین اور اربابِ دِین کی قدر و قیمت گھٹانے کی سعیٔ نامشکور کی گئی، دِین داروں اور دِینی حلیہ رکھنے

والوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا گیا تاکہ نئی نسل دِین و مذہب کی علامتوں سے بھی متنفر ہوجائے، غرض غیروں کے اشارے پر ہر وہ کام کیا گیا جس سے مذہب وملت کو زک پہنچے اور اغیار کے اسلام دُشمنی کے جذبے کو تسکین پہنچے، مگر بایں ہمہ مسلمانوں نے نتائج سے بے پروا ہوکر اپنا سب کچھ مذہب وملت پر نثار کردیا، اور انہوں نے قرآن وسنت سے بغاوت کے بجائے اسے اپنے سینوں میں جگہ دی، تو غالباً شیطانِ مغرب نے اپنے ''سعادت مند'' شاگردوں کو یہ سبق پڑھایا کہ جب تک مسلمانوں میں قرآن و سنت کی ترویج و اشاعت کے مراکز یہ دِینی مدارس باقی رہیں گے، اس وقت تک مسلمان اپنے مذہب وملت سے نہیں ہٹ سکتے، اور نہ ان کے دِل سے قرآن وسنت کی محبت کو نکالا جاسکتا ہے، اسی طرح یہود و ہنود کی عداوت ان کے سینوں سے نہیں کھرچی جاسکتی، شیطانِ مغرب کی اس ''وحی'' کا آنا تھا کہ چاروں طرف سے مدارس اور اربابِ مدارس کے خلاف بند زبانیں کھل گئیں، بیوروکریسی اور لادِین وزیروں و مشیروں نے اپنے تیر وتفنگ کے رُخ مدارس کی طرف موڑ دیئے۔ دُوسری جانب ضمیر فروش صحافیوں، انگریزی اخبارات کے نام نہاد دانشوروں اور اسکالروں نے دِینی مدارس، ان میں پڑھائے جانے والے علومِ نبوّت، حاملینِ قرآن وسنت اور طلبہ کے خلاف اپنی گز گز کی زبانیں کھول کر ان کے خلاف سوقیانہ زبان استعمال کرنا شروع کردی، ایسا لگتا ہے کہ جیسے انہوں نے ان کو بدنام کرنے کا ٹھیکہ ہی لے رکھا ہے، چنانچہ وہ حکومت اور اربابِ اقتدار کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ ملک میں افراتفری اور بدامنی کے ذمہ دار یہی دِینی مراکز ہیں، ان کو لگام دے دی جائے تو سب اچھا ہوجائے گا، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایوب خان کے دور سے مدارس دُشمنی کا شروع ہونے والا یہ بدترین پروگرام حقائق کی دُنیا میں ہمیشہ ناکام ہوتا رہا، اور اِن شاء اللہ آئندہ بھی اس کو ناکامی ہی ہوگی۔

موجودہ فوجی حکومت میں بھی اغیار کے اشاروں پر ناچنے والوں نے جنابِ

صدر کو پھر سے اس طرف متوجہ کیا، لیکن جب خفیہ ایجنسیوں نے ان مدارس کی چھان بین کی، تو انہیں خوردبین لگا کر بھی کہیں ان میں دہشت گردی کا نام ونشان نظر نہیں آیا، بالآخر جنابِ صدر نے بین الاقوامی میڈیا کے سامنے برملا اعتراف کیا کہ ان مدارس میں کہیں کوئی دہشت گردی نہیں ہوتی، بلکہ یہ قوم کے دس لاکھ غریب بچوں کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کے علاوہ ان کی کفالت کرتے ہیں، مجھے بتلایا جائے کہ دُنیا میں کوئی ایسی این جی اوز ہے جو روزانہ دس لاکھ افراد کو کھانا کھلاتی ہو؟ لیکن جنابِ صدر کے اس بیان سے دِین دُشمنوں کے جذبۂ عداوت میں کمی کے بجائے مزید اضافہ ہوگیا، اور بالآخر وہ یہ طے کرانے میں کامیاب ہوگئے کہ ان مدارس کو سرکاری تحویل میں لے کر ماڈل دِینی مدارس کے نام سے ان کو لگام دی جائے۔

ممکن ہے کہ جنابِ صدر اپنے تئیں اِخلاص سے دِینی مدارس کی کفالت کرنا چاہتے ہوں اور ان کا جذبہ صادق ہو، اور وہ چاہتے ہوں کہ دِینی مدارس کے طلبہ جدید علوم حاصل کرکے معاشرے میں اپنا مؤثر کردار ادا کرسکیں، لیکن ان کو یہ بات نہیں بھولنی چاہئے کہ بیوروکریسی ان کے ان مقاصد کو کبھی پورا نہیں ہونے دے گی، وہ اگر اس سلسلے میں کوئی قدم اُٹھانا چاہتے ہیں تو اس کے لئے تجرباتی طور پر نئے مدارس قائم کرکے ان پر اپنے تجربات کریں اور ان آزاد دِینی مدارس کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، چنانچہ اکابر علماء اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے زعماء نے ایک ملاقات میں جنابِ صدر کو اس طرف متوجہ کرکے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا ہے، اُمید ہے کہ جنابِ صدر اس کی طرف خصوصی توجہ کرکے صحیح صورتِ حال کا ادراک کریں گے اور دِین دُشمنوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بنیں گے، چنانچہ روزنامہ ''اُمت'' ۷رجنوری ۲۰۰۲ء کی یہ خبر کسی قدر اس طرف اشارہ کرتی ہے کہ حکومت ماڈل دِینی مدارس کے لئے تین نئے مدارس قائم کرکے اس میں اپنے پروگرام کو جاری کرے گی۔

دِینی مدارس اور ان سے فارغ ہونے والے علماء نے ہمیشہ ملکی تاریخ میں

مثبت ومؤثر کردار ادا کیا ہے، الحمدللہ ملکی تاریخ گواہ ہے کہ کبھی کسی موقع پر بھی علماء نے کسی قربانی سے دریغ نہیں کیا، بلکہ برِصغیر کی آزادی سے لے کر اب تک ان مدارس سے نکلنے والے کسی فرد نے ملک وقوم کو نقصان نہیں پہنچایا، بلکہ ہمیشہ انہوں نے امن و آشتی کا درس دیا ہے، اور ایک صالح معاشرہ قائم کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا ہے۔ لاکھوں ایسے افراد جو معاشرہ کے لئے بدنامی اور ننگ و عار کا بدنما داغ تھے ان علماء کے دم قدم سے اور ان کی محنتوں اور کاوشوں سے وہ ملک وقوم کے وقار کا ذریعہ بن گئے، ان مدارس نے چور ڈاکو نہیں، صالح افراد اور باخدا انسان پیدا کئے ہیں، یہ مدارس کبھی ملکی خزانہ پر بوجھ نہیں رہے، انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت مسلمانوں کی دہلیز پر ایمان و اسلام کی دعوت پہنچائی، انہوں نے ہمیشہ مسلمانوں کو دُنیا میں جینے اور رہنے کا سلیقہ سکھلایا، ان کو حریت و آزادی کا درس دیا، اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملایا، یہی ان کا جرم ہے جو اسلام دُشمنوں کو برداشت نہیں۔ جنابِ صدر اور ان کی کابینہ کو ٹھنڈے دل سے حقائق کا ادراک کرنا چاہئے، اور بحیثیت ایک مسلمان اور اسلامی ملک کے سربراہ کے ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ دفاعِ اسلام کے فریضے کو نبھائیں اور شعائرِ اسلام کا تحفظ کریں، اور ایسے لادِین افراد سے بازپرس کرنی چاہئے کہ وہ آخر دِینی مراکز کے پیچھے کیوں پڑگئے ہیں؟ اور اس کا بھی کھوج لگانا چاہئے کہ ان کے پیچھے کون سی ایسی قوتیں ہیں جو دِینی طبقے کو بدنام کرنے کے درپے ہوکر، ان کو ہیجان میں مبتلا کرکے سڑکوں پر لاکر حکومت کے لئے مسائل پیدا کرنا چاہتی ہیں...؟

جنابِ صدر کو اس پر بھی غور کرنا چاہئے کہ اس وقت جبکہ ملکی سرحدوں پر انڈیا جیسے عیار دُشمن نے حالات کو مخدوش کر رکھا ہے، دُوسری طرف افغانستان کی موجودہ عبوری حکومت اور شمالی اتحاد، پاکستان کو موردِ الزام ٹھہرا رہا ہے، یہ کون سی عقلمندی اور دانش مندی ہے کہ بیرونی خطرات کے ساتھ ساتھ اندرونِ ملک دِینی قوتوں کے ساتھ محاذ آرائی کی جائے؟ اور دِینی مدارس کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جائے، دِینی اور

سیاسی جماعتوں اور جہادی قوتوں کے کارکنوں کی گرفتاری عمل میں لائی جائے...؟ ہمارے خیال میں جنابِ صدر کو اس قسم کے مشورے دینے والے ان کے خیرخواہ نہیں بدخواہ ہیں، جو انہیں اندرونی و بیرونی مخالفت کے خطرناک غار میں دھکیل کر انہیں ناکام کرنا چاہتے ہیں۔ دُنیا جانتی ہے کہ جو ملک اندرونی طور پر خلفشار کا شکار ہو، وہ کسی بیرونی قوت کے مقابلے میں کھڑا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لئے اس وقت ضرورت ہے کہ تمام دِینی اور سیاسی قوتوں سے محاذ آرائی کے بجائے ان کو اعتماد میں لیا جائے اور گرفتار تمام اکابرین اور کارکنوں کو فوراً رہا کیا جائے، اور ایسی تمام قوتوں اور عناصر کا کھوج لگایا جائے جو ملک میں افراتفری پیدا کرکے ملکی امن و امان کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ذوالقعدہ ۱۴۲۲ھ مطابق فروری ۲۰۰۲ء)

تحفظِ مدارس کی تحریک

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

گزشتہ سال ۱۸؍اگست ۲۰۰۱ء کو حکومتِ پاکستان نے دِینی مدارس پر ''نظرِ التفات'' کی اور ان کی ''عزّت افزائی'' کرتے ہوئے انہیں سرکاری مشینری کا پرزہ قرار دینے کے لئے ''ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس'' جاری فرمایا، اور اپنے تئیں مدارس کے شہ زور گھوڑے کو لگام دینے کی ''مبارک'' کوشش فرمائی۔

لیکن اس خالص ''شریفانہ'' آرڈی نینس کے مندرجات کو دیکھ کر کسی طرح یقین نہیں آسکتا تھا کہ اس کے نفاذ کے بعد یہ مدارس اپنی دِینی حیثیت برقرار رکھ سکیں گے، بلکہ اس بات کا شدید اندیشہ تھا کہ اگر خدانخواستہ اس کا نفاذ ہوگیا تو یہ دِینی مدارس خالص سیکولر اداروں کا رُوپ دھار لیں گے۔

اس لئے ملک بھر کے اربابِ مدارس، دِینی مدارس کے تمام وفاقوں اور مذہبی راہ نماؤں نے نہ صرف اُسے متفقہ طور پر مسترد کردیا، بلکہ پورے ملک میں اس آرڈی نینس کے خلاف بھرپور نفرت و بیزاری کا اظہار کیا گیا، جگہ جگہ اس حکومتی اقدام کے

خلاف جلسے، جلوس اور اجتماعات منعقد کئے گئے۔ چنانچہ اس بروقت احتجاج کا یہ فائدہ ہوا کہ حکومت کے کارپردازوں نے علماء کے نمائندہ وفد کے سامنے واضح طور پر اس کا اعلان کیا کہ دِینی مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں، بلکہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ دِینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کیا جائے، ان کی مدد کی جائے، ان میں دِینی تعلیم کے علاوہ عصری علوم: انگلش، سائنس اور کمپیوٹر کی تعلیم کا انتظام کرکے انہیں باقاعدہ منظّم کیا جائے، لہٰذا جو مدارس پہلے سے رجسٹرڈ ہیں یا جن میں عصری علوم پڑھائے جارہے ہیں، ان کو ''ماڈل مدارس'' سے اِلحاق کے لئے مجبور نہیں کیا جائے گا، ہاں! البتہ جو مدارس اپنی خوشی سے ''ماڈل مدارس'' کے پروگرام سے متفق ہوں اور وہ ان سے اِلحاق کرنا چاہیں ان کو اس آرڈی نینس کی پابندی کرنا ہوگی۔

یوں یہ مرحلہ بخیر وخوبی طے ہوگیا، لیکن بعد کے حالات سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کا یہ رویہ محض وقتی دباؤ کا نتیجہ تھا، ورنہ درپردہ اس نے اپنے عزائم کی تکمیل کا پروگرام جاری رکھا ہوا ہے، چنانچہ آج سے ایک ماہ پیشتر بلی تھیلے سے باہر آگئی اور حکومت کی مدارس کش پالیسی پر مبنی پاکستانی تاریخ کا وہ مکروہ ترین مجوّزہ دِینی مدارس (رجسٹریشن اینڈ ریگولیشن) آرڈی نینس ۲۰۰۲ء جاری کردیا گیا، جس کے ایک ایک حرف سے دِین دُشمنی اور مدارس مخالفت ٹپکتی تھی۔ اگر اربابِ مدارس متفقہ طور پر اس کے خلاف ملک گیر احتجاج نہ کرتے اور رائے عامہ ہموار نہ کرتے اور خدانخواستہ اس کا نفاذ ہوجاتا، تو وہ دن ملک میں دِینی مدارس کی تاریخ کے خاتمے کا دن ثابت ہوتا۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اربابِ مدارس اور اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کو، جنھوں نے اس آرڈی نینس کی ایک ایک شق کا تنقیدی جائزہ لیا، حکومت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کو للکارا اور واضح کیا کہ ملک بھر کے علماء کی لاشوں سے گزر کر اس آرڈی نینس کو نافذ کیا جاسکے گا، اور باور کرایا کہ جب تک ملک بھر میں ایک بھی عالمِ دِین موجود رہے گا، اِن شاء اللہ آپ کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہوسکے گا۔

چنانچہ اس سلسلے کا ایک نمائندہ اجلاس تین وفاقی وزراء کے ساتھ ۶؍جولائی کو اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس میں انہیں حکومت کی بدعہدی یاد دِلائی گئی اور انہیں اس اقدام کے عواقب ونتائج کی سنگینی سے آگاہ کیا گیا۔

پھر ۱۸؍جولائی ۲۰۰۲ء کو لاہور میں اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں مجوّزہ آرڈی نینس کے ممکنہ نفاذ کی صورت میں دِینی حلقوں میں پائے جانے والے اضطراب کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا شق وار تنقیدی خاکہ مرتب کیا گیا۔

اس کے بعد ۲۴؍جولائی ۲۰۰۲ء کو اسلام آباد میں جامعہ فریدیہ کے زیر اہتمام ملک بھر کے سرکردہ علماء کا کنونشن منعقد کیا گیا، جس میں نہایت حکمت وتدبر اور عزم و ہمت سے اس کالے قانون کے خلاف مزاحمت کی حکمتِ عملی اور لائحہ عمل طے کیا گیا، اور متفقہ طور پر اس آرڈی نینس کے خلاف مندرجہ ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:

''تحفظِ مدارسِ دِینیہ کنونشن اسلام آباد کا اعلامیہ
منعقدہ ۲۴؍جولائی ۲۰۰۲ء بروز بدھ، بمقام جامعہ فریدیہ اسلام آباد۔

اُمتِ مسلمہ کا وجود اور بقاء دِینِ اسلام کے ساتھ وابستہ ہے، دِین نے اس کی حفاظت کی ہے اور اس کا اوّلین فریضہ دِین کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دِین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور اس کا ذریعہ اُمت اور اس کے علماء کو بنایا ہے۔ آج دُنیا میں سب سے زیادہ محفوظ قرآن وسنت اور اس کے خادم علوم ہیں۔

دورِ نبوّت سے لے کر آج تک ہر دور میں علماء نے کسی حکومت کی مداخلت کے بغیر قرآن وسنت اور اس کے علوم

کی ترویج و اشاعت کا فریضہ سرانجام دیا ہے، ائمہ اربعہؒ اور محدثینؒ ومفسرینؒ نے کسی حکومتی سرپرستی، تعاون اور مداخلت کے بغیر دِین کی تعلیم کو جاری رکھا اور مدارسِ دِینیہ سے ایسے افراد پیدا ہوئے جنھوں نے ایک طرف عوام کو اسلامی تعلیمات سے روشناس کرکے قربِ خداوندی کی راہ دِکھائی اور پُرامن معاشرے کی تشکیل کے لئے صالح افراد کی تیاری میں مدومعاون ہوئے، تو دُوسری جانب حکومتِ وقت کی قرآن وسنت کی روشنی میں راہ نمائی کا فریضہ بااحسن وجوہ انجام دیا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حکومتیں حالات و واقعات کے تحت جنم لیتی اور سیاسی مصلحتوں کا شکار ہوتی ہیں۔ اس لئے اگر دِینی مراکز کو بھی حکومتی کنٹرول میں لے لیا جائے تو دِینِ حق کا ابدی پیغام مصلحتوں اور خواہشات کی بھینٹ چڑھ جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ دِینی مدارس ہر دور میں آزادی کے ساتھ دِینِ حق کی تعلیم وترویج کا فریضہ انجام دیتے رہے، تاریخِ اسلام کے کسی موڑ پر بھی مدارس کی آزادی پر قدغن نہیں لگائی گئی۔ جہاں تک حکومتی انتظامی معاملات کا تعلق ہے تو مدارس نے ہر دور میں شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے حکومتِ وقت سے تعاون کیا اور ملک وملت کی امن وسلامتی کو مقدم رکھا۔

حکومتِ پاکستان نے دِینی مدارس کی رجسٹریشن اور ریگولیشن کے لئے جو آرڈی نینس منظور کیا ہے، یہ دراصل مدارسِ دِینیہ کو حکومت کی بیوروکریسی کے کنٹرول میں دینے کی ایک سوچی سمجھی سازش ہے اور اس کا مقصد دِینی تعلیم کے نظام کو عملاً غیرمؤثر بنانا ہے۔ حکومت کا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم مدارس کی

اصلاح کرنا چاہتے ہیں، لیکن کسی نظام کی اصلاح وہی لوگ کرسکتے ہیں جو اسے جانتے ہوں۔ بیوروکریسی پر مشتمل بورڈ، دِینی تعلیم کو نہ جانتے ہیں، نہ اس کی اہمیت و افادیت کے قائل ہیں، اور وہ اس کا نظام چلانے کا تجربہ بھی نہیں رکھتے تو وہ اصلاح کیسے کریں گے؟ اگر حکومت اصلاح کرنا چاہتی ہے تو سرکاری تعلیمی اداروں کی اصلاح کرے تاکہ ان اداروں سے دِین اور دُنیا کے ایسے ماہرین تیار ہوسکیں جو دیانت و امانت میں بھی معاشرے میں امتیازی مقام رکھتے ہوں، لیکن عملاً ان اداروں سے جو لوگ تیار ہورہے ہیں وہ معاشرتی بگاڑ کا ذریعہ ثابت ہورہے ہیں۔ دِینی مدارس کی اصلاح کا عمل جاری ہے اور مدارس کے وفاقوں اور تنظیموں کی مجالسِ عاملہ نصاب اور نظام دونوں میں اصلاحات، تجویز اور نافذ کر رہی ہیں۔ مدارسِ دِینیہ کی تنظیموں نے اس سازش کا بروقت ادراک کرکے مجوّزہ آرڈی نینس مسترد کردیا ہے۔

اس فیصلے کی تائید میں یہ عظیم الشان علماء و مشائخ کا کنونشن اعلان کرتا ہے کہ مدارس کی حرمت اور آزادی کے تحفظ اور علمِ دِین کی تعلیم وتربیت کے نظام کو بحال رکھنے کے لئے ہم اپنی جدوجہد، حکومت کے ''مدارس آرڈی نینس'' واپس لینے کا باقاعدہ اعلان کرنے تک جاری رکھیں گے۔ دِینی مدارس اور دِینی تنظیموں کی اس تحریک کو ''آرڈی نینس'' واپس لینے کے علاوہ اور کسی اور طریقے سے ختم نہیں کیا جاسکتا، اس آرڈی نینس کو ترامیم کے ذریعے قابلِ قبول نہیں بنایا جاسکتا۔

لیکن جب حکومتی آرڈی نینس کا مقصد حق کی آواز کو

دبانا اور مدارسِ دِینیہ کو بیوروکریسی اور سیاسی افراد کے تابع مہمل بنانا ہوتو کوئی بھی ذی شعور اس سے انکارنہیں کرسکتا کہ یہ طریقِ کار نہ تو حکومت کے حق میں مفید ہے، نہ ملک وملت کا اس میں بھلا ہے، اور نہ ہی دِین کے فروغ کے لئے اسے کارآمد قرار دیا جاسکتا ہے، اس میں پوری ملتِ اسلامیہ کا خسارہ ہے۔ یہ سمجھنا کہ اس سے صرف مدارس پر قدغن ہوگی، دُرست نہیں، بلکہ یہ آرڈی نینس اور اس کے مندرجات پوری کی پوری دِینی عمارت کو بنیادوں سمیت منہدم کرنے کے مترادف ہے، لیکن ایسا کبھی نہیں ہوگا، کیونکہ یہ دِین پھلنے پھولنے کے لئے آیا ہے، مٹنے کے لئے نہیں۔

ان حقائق کی روشنی میں ہم موجودہ ''مدارس آرڈی نینس'' کو یکسر مسترد کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ رجسٹریشن اور مدارس کی آزادی کا سابقہ نظام بحال رکھا جائے۔

(اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان)۔''

اسلام آباد کے اس کنونشن میں طے کیا گیا کہ اگلا کنونشن ۳۱؍جولائی ۲۰۰۲ء کو جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں ہوگا، چونکہ اس سے ایک روز پہلے ۳۰؍جولائی کو اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کی حکومتی اہل کاروں سے ملاقات طے تھی، اس لئے اس کا شدید اندیشہ تھا کہ اگر خدانخواستہ حکومت اس آرڈی نینس کے نفاذ پر بضد رہی تو تحفظِ مدارس کی تحریک میں شدّت آجائے گی اور ملک افراتفری کا شکار ہوجائے گا، بہرحال مقامِ شکر ہے کہ حکومت نے بروقت حالات کی نزاکت کو محسوس کرلیا، دُوسری طرف علماء کے نمائندہ وفد کی بیدارمغزی اور حکمت وتدبر نے بھی اپنا کام دِکھلایا کہ وہ سرکاری نمائندوں کو اپنی غلطی کا احساس دِلانے میں کامیاب

ہوگئے، چنانچہ سرکاری نمائندوں نے علماء کو یقین دہانی کرائی کہ موجودہ مجوّزہ آرڈی نینس سرِدست کالعدم تصوّر کیا جائے اور آئندہ کسی مشترکہ اجلاس میں علماء کی مشاورت سے یہ آرڈی نینس اَزسرِنو مرتب کیا جائے گا، علماء کو اس آرڈی نینس کی جن جن شقوں پر اعتراض ہے ان میں ترمیم کردی جائے گی۔

اگلے دن جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں طے شدہ پروگرام کے مطابق کنونشن منعقد ہوا، اس موقع پر جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے مدیر اور اس کنونشن کے میزبان حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر زید مجدہٗ نے اس صورتِ حال کے تناظر میں اپنے خیرمقدمی کلمات میں درجہ ذیل جذبات اورعزائم کا اظہار فرمایا:

''خیرمقدمی کلمات

محدث العصر، عاشقِ رسول، قائدِ تحریکِ ختمِ نبوّت حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا قائم کردہ رُوحانی اور علمی مرکز جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اپنے اس اعزاز پر تہ دِل سے اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کے راہ نماؤں شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان (صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان)، مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی (صدر تنظیم المدارس اہلسنّت پاکستان)، مولانا گوہرالرحمٰن (صدر رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان)، پروفیسر ساجد میر (صدر وفاق المدارس السّلفیہ پاکستان)، مولانا ریاض حسین نجفی (صدر وفاق المدارس الشیعہ پاکستان) کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے مدارسِ دِینیہ کے تحفظ اور ان کی آزادی پر قدغن لگانے والے آرڈی نینس کومسترد کرنے کے اعلامیہ کے لئے میزبانی کے لئے اسے منتخب کیا۔

جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا ایک ایک فرد
پانچوں وفاقوں سے ملحق مدارس کے علمائے کرام، مشائخِ عظام
اور تمام دِینی مدارس سے تعلق رکھنے والے علمائے کرام اور
اربابِ اہتمام اور متحدہ مجلس عمل میں شامل جماعتوں سے تعلق
رکھنے والے راہ نماؤں اور علمائے کرام کو اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ
دِینیہ پاکستان کے اس عظیم الشان کنونشن میں تشریف آوری پر
خوش آمدید کہتا ہے اور ان کی میزبانی کے لئے چشم براہ ہے۔

محترم مہمانانِ گرامی! موجودہ صورتِ حال پوری دُنیا
کے مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش ہے، کمیونزم کے خاتمے اور
رُوس کی افغان مسلمانوں کے ہاتھوں شکست و ریخت کے بعد
امریکہ، مغرب، یہودیوں اور عیسائیوں کے سامنے اسلام ایک
دُشمن کی حیثیت سے اُبھر کر آیا ہے، اس لئے انہوں نے اسلام
اور اسلامی تہذیب کو ختم کرکے مسلم ممالک میں مغربی تہذیب کو
مسلط کرنے کی کوشش کی، اور اسلام کی سربلندی اور نشأۃِ ثانیہ کو
اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ قرار دیا۔ دُنیا بھر میں جہاں کہیں
مسلم اُمہ نے مزاحمت کی، اس کی قیادت و سیادت دِینی مدارس
سے وابستہ علمائے کرام کے حصے میں آئی، جس کی وجہ سے
امریکہ، مغرب اور یہودی لابی کی نگاہوں میں دِینی مدارس کھٹکنے
لگے اور دِینی مدارس کے خلاف مذموم پروپیگنڈا مہم شروع کردی
گئی، اور ہر اسلامی حکومت کو مجبور کیا گیا کہ وہ ان دِینی مدارس کی
سرگرمیوں پر نگاہ رکھے اور ان کی آزادی کو سلب کرے، یہاں
تک کہ مملکتِ سعودی عرب پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ مکہ یونیورسٹی،
مدینہ یونیورسٹی اور دمام یونیورسٹی بند کرے یا اس کے نصاب سے

قرآن و حدیث کی تعلیم ختم کرے یا جہاد سے متعلق آیات و
احادیث کو حذف کرے۔

ہمارے علمائے کرام نے ہر دور میں اس دباؤ کو نہ
صرف یہ کہ مسترد کیا ہے بلکہ مدارسِ دِینیہ کی آزادی اور حریتِ
فکر کی حفاظت اپنی جان سے بڑھ کر کی ہے۔ سرزمینِ افغانستان
پر وحشیانہ حملے اور اسلامی حکومت کو بزورِ طاقت ختم کرنے کے
بعد امریکی اور مغربی حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ انہوں نے
پاکستانی حکومت کو ان مدارس کو بند کرنے اور ان کی آزادی سلب
کرنے کے لئے لاکھوں ڈالر مہیا کرنے کے علاوہ اپنی امداد کو
مدارس کی بندش کے ساتھ مشروط کردیا، جس کی وجہ سے حکومتِ
وقت نے مدارس کو ختم کرنے کے لئے ''اصلاحِ مدارس'' کے
عنوان سے مدارس کو سرکاری تحویل میں لینے کے لئے مدرسہ
آرڈی نینس جاری کیا، جس کو پاکستان کے تمام مدارس نے
انفرادی طور پر اور ان کی پانچوں تنظیمات نے اجتماعی طور پر
مسترد کردیا ہے، آج کا یہ کنونشن صوبہ سندھ کی سطح پر اس آرڈی
نینس کو مسترد کرنے کے لئے تمام علمائے کرام اور مشائخِ عظام
کی ایک متفقہ آواز کے اظہار کے لئے منعقد کیا گیا ہے۔ میں
اس موقع پر میزبان کی حیثیت سے مولانا محمد یوسف بنوری، مفتی
احمد الرحمٰن، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید اور شہیدِ اسلام مولانا محمد
یوسف لدھیانوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی جانشینی اور جامعہ سے متعلق
شاخوں کی طرف سے اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کے
راہ نماؤں کو بھرپور یقین دِلاتا ہوں کہ تمام مکاتبِ فکر کے علمائے
کرام مدارس کے تحفظ کے سلسلے میں جو فیصلے کریں گے اور جس

قسم کی قربانیاں طلب کریں گے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور اس کے علماء، طلباء اور فضلاء کو صفِ اوّل کا سپاہی پائیں گے، یہ ادارہ ہمیشہ دِین کے تحفظ کا مرکز رہا ہے، ختمِ نبوّت کی تحریک کی قیادت اسی ادارے کے بانی نے کی۔ قید و بند کی صعوبتیں ہوں یا خونِ جگر پیش کرنے کا نذرانہ، جان و مال کی قربانی ہو یا منصب و وقار کا ایثار، ان تمام میدانوں میں آپ ہمیں پہلی صفوں میں پائیں گے۔ تحریک کے سلسلے میں ہمارا ادارہ ہمیشہ مرکز کا کردار ادا کرنے کے لئے تیار ہے۔ میں ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے اپنے راہ نماؤں سے یہ درخواست کروں گا کہ مدارسِ دِینیہ کے لئے یہ موقع نازک ترین موقع ہے، اور جس طرح ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی دورِ اقتدار میں علمائے کرام نے قربانیوں کی اعلیٰ مثال قائم کرکے ان مدارس کی حفاظت کی، آج بھی یہ مدارس ہم سے اسی قربانی کے طالب ہیں۔ آیئے! حکومت کی تمام ترغیبات اور دباؤ کو پسِ پشت ڈال کر ہم اتحاد اور اجتماعیت کے ساتھ قربانیوں کے ایک لامتناہی اور مثالی کردار کے لئے کمربستہ ہوجائیں اور مدارس کے تحفظ کے سلسلے میں کسی قسم کی کوتاہی یا حکمت کو روا نہ رکھیں۔ کسی قسم کا آرڈی نینس بھی مدارس کی آزادی کو مجروح کردے گا، اس کی ایک ایک شق مسترد کرنے کے قابل ہے۔ میں ان اربابِ مدارس کو جو لاعلمی یا ترغیبات کے پیشِ نظر حکومت کے اس اقدام کو مستحسن سمجھ کر ان کا ساتھ دے رہے ہیں، توجہ دِلانا چاہوں گا کہ وہ اپنے مرکز کی طرف لوٹ جائیں، کیونکہ اسی میں خیر اور مدارس کا تحفظ ہے۔ میں آخر میں اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ سندھ کے راہ نماؤں مولانا

غلام دستگیر افغانی، مولانا ولی خان مظفر، مولانا امداداللہ، مولانا محمد یوسف قصوری، قاری محمد ضمیر اختر منصوری، مولانا سعید احمد جلال پوری اور علامہ اکرام حسین ترمذی کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ ان حضرات نے کنونشن کے انعقاد کے لئے بھرپور تعاون کیا۔ میں ایک بار پھر اپنے اکابرین اور تمام مہمانانِ گرامی اور شرکائے کنونشن کو خوش آمدید کہتا ہوں، و**اخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین**۔''

۳۱؍جولائی ۲۰۰۲ء کے اس کنونشن میں بلامبالغہ بیس ہزار کے قریب علماء، خطباء اور طلبہ نے شرکت کی اور مثالی اتحاد کا مظاہرہ کیا، چنانچہ مقرّرین نے اس آرڈی نینس کے خلاف بھرپور مزاحمت کا اعلان کرتے ہوئے طے کیا کہ ہم دِینی مدارس کی حریتِ فکر و عمل کے خلاف کسی سرکاری قانون کو قبول نہیں کریں گے، اگر خدانخواستہ ایسے کسی آرڈی نینس کے نفاذ کی کوشش کی گئی تو اس کا پوری قوت سے مقابلہ کیا جائے گا۔ اس کنونشن سے درجہ ذیل حضرات نے خطاب کیا:

۱:...مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر (میزبان)

۲:...مولانا سلیم اللہ خان صاحب (صدر وفاق المدارس)

۳:...مولانا فضل الرحمٰن صاحب (امیر جمعیت علمائے اسلام)

۴:...مولانا سمیع الحق صاحب (صدر جمعیت علمائے اسلام)

۵:...حافظ حسین احمد صاحب (سابق سینیٹر)

۶:...مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب (رکن مجلسِ شوریٰ وفاق المدارس)

۷:...مولانا محمد حنیف جالندھری صاحب (ناظمِ اعلیٰ وفاق المدارس)

۸:...مولانا شاہ احمد نورانی صاحب (صدر جمعیت علمائے پاکستان)

۹:...ڈاکٹر سرفراز نعیمی صاحب (ناظمِ اعلیٰ تنظیم المدارس پاکستان)

۱۰:... پروفیسر منیب الرحمٰن صاحب (نائب صدر تنظیم المدارس)

۱۱:...مولانا غلام محمد سیالوی صاحب (صدر صوبہ سندھ)

۱۲:...مولانا عبدالمالک صاحب (صدر رابطۃ المدارس الاسلامیہ پاکستان)

۱۳:...مولانا عبدالرؤف صاحب (رُکن مجلسِ شوریٰ)

۱۴:...مولانا ضمیر اختر منصوری صاحب (صدر صوبہ سندھ)

۱۵:... پروفیسر ساجد میر صاحب (صدر وفاق المدارس السّلفیہ)

۱۶:...مولانا محمد یوسف قصوری صاحب (صدر صوبہ سندھ وفاق المدارس السّلفیہ)

۱۷:...عمر فاروق سعیدی صاحب (رکن مجلسِ شوریٰ)

۱۸:...علامہ حسن ترابی صاحب (رکن وفاق المدارس الشیعہ پاکستان)

۱۹:...مولانا حسن ظفر نقوی صاحب (رکن مجلسِ شوریٰ)

۲۰:...عون نقوی صاحب (رکن)

۲۱:...منوّر حسن صاحب (امیر جماعتِ اسلامی، کراچی)

اس کنونشن کے آخر میں متفقہ طور پر درج ذیل اعلامیہ جاری کیا گیا:

"اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ، کراچی کا اعلامیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دِینی مدارس اور بقائے اسلام کا آپس میں چولی دامن کا تعلق ہے، سب سے پہلا مدرسہ مکہ مکرّمہ میں حضرت ارقم بن ارقم رضی اللہ عنہ کے مکان میں قائم کیا گیا، لیکن جب وقت کے طاغوتوں نے اسے اپنے لئے خطرہ قرار دے کر اس کی راہ میں رُکاوٹیں ڈالنے کی کوشش کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مدرسہ کے چند طلبہ کو لے کر مدینہ منوّرہ تشریف لے گئے اور وہاں مسجدِ نبوی کے ساتھ ہی تاریخِ اسلام کے اس دُوسرے مدرسہ کی

داغ بیل ڈالی، جو آج تک "صفہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ البتہ اس پہلے اور دُوسرے مدرسہ میں فرق یہ تھا کہ پہلا مدرسہ غیر اقامتی اور دُوسرا مدرسہ اقامتی تھا۔ رُؤسائے کفر کو یہ دُوسرا مدرسہ بھی ایک آنکھ نہ بھایا، چنانچہ اس دور کی سپر طاقتوں نے اسلام کے اس مرکز اور مسلمانوں کی اس دِینی درس گاہ کو ختم کرنے اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجادینے کے منصوبے کے تحت اپنی اتحادی قوّتوں کو اس پر آمادہ کیا کہ سب مل کر یکبارگی اس پر ایسا فیصلہ کن حملہ کریں کہ ہمیشہ کے لئے اس کا نام ونشان مٹادیا جائے، مگر چونکہ قرآنِ کریم اور اس کے متعلقہ علوم کی حفاظت وصیانت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے، اس لئے اس کو مٹانے والے خود تو مٹ گئے مگر اسے نہ مٹاسکے۔

آج ہند و پاک اور دُنیا بھر میں قائم ہزاروں مدارس دراصل اس نبوی مدرسہ کی شاخیں اور اس رُوحانی گلشن کے گل و بوٹے ہیں۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل جب ہندوستان میں انگریزوں نے اسلام کو مٹانے کی ناپاک کوشش کی اور مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے کی پالیسی اپنائی تو مسلمانوں نے پھر سے نئے جوش و ولولے اور کامیاب حکمتِ عملی سے آزاد دِینی مدارس کی داغ بیل ڈالی، جو بحمداللہ اُمتِ مسلمہ کے دِین و ایمان اور حریتِ فکر و عمل کی نہایت خوبصورت انداز سے آبیاری کرتے آئے ہیں۔

چنانچہ یہ کہنا بجا ہوگا کہ گزشتہ صدی میں ہمارے دِینی مدارس ہی ویرانۂ ہند میں دِینِ خداوندی کے باغبان رہے، انہوں نے دِین کی آبیاری کی، اس کی سرسبزی و شادابی کو قائم رکھا، اس میں نئے نئے گل بوٹے لگائے، انہی کے دَم قدم سے

علومِ نبوّت زندہ و تابندہ رہے، انہی کے طفیل قال اللہ و قال الرسول کی پاکیزہ صدائیں مشامِ جان کو معطر اور جذباتِ ایمان کو تازہ کرتی رہیں، انہی دِینی مدارس کی برکت سے گلشنِ دِین سدا بہار رہا، یہی وہ قلعے تھے جن سے دِین کا دِفاع ہوا، یہی وہ چھاؤنیاں تھیں جن میں پاسبانئ دِین و ملت کی تربیت دی گئی، یہی وہ جزیرے تھے جو مغربیت کے طوفانِ بلاخیز میں دِین اور اہلِ دِین کا مأمن بنے اور جنھوں نے مادّیت کے ایمان شکن تھپیڑوں میں ملتِ اسلامیہ کو ایمان و رُوحانی غذا مہیا کی۔

لیکن جس طرح آج سے چودہ سو سال پیشتر قائم ہونے والا آزاد دِینی مدرسہ، اسلام دُشمنوں کی نگاہ میں کھٹکتا تھا، ٹھیک اسی طرح ہند و پاک کے موجودہ دِینی مدارس بھی ان کی نگاہ میں نہیں جچتے۔

چنانچہ اسلام دُشمن ان مدارس اور ان کی حریت و آزادی سے خائف اور بدحال ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دِینی مدارس کی خدمات، کارنامے اور حریت و آزادی کا درس، ان کے لئے کسی ایٹم بم سے کم نہیں، اس لئے ہمیشہ سے ان کی کوشش رہی ہے کہ کسی طرح ان کو صفحۂ ہستی سے ناپید کردیا جائے، یا کم از کم ان کو حکومتی تحویل میں لے کر ان کی موجودہ افادیت کو ختم کردیا جائے، اور انہیں جدید نظامِ تعلیم کی مشینری کا ایک پرزہ بنادیا جائے۔

پاکستان کے دِینی مدارس کی رُوح کچلنے اور انہیں حکمرانوں کے منشا کے مطابق ڈھالنے کی کوششیں قریباً ہر دور میں ہوتی رہی ہیں، سابقہ اکثر حکمرانوں نے ان مدارس پر قدغن

لگانے کی بھرپور کوشش کی، اب آخر میں موجودہ حکومت بھی امریکہ اور مغربی قوّتوں کے ایما و اشارے پر مدارس دُشمنی کے میدان میں سرگرمِ عمل ہے۔

چنانچہ دِینی مدارس کی ''اصلاح و ترقی'' کے نام سے انہوں نے مدارس کو رجسٹر اور ریگولائز کرنے کے لئے مدرسہ آرڈی نینس جاری کرکے پاکستان کے اربابِ دِین اور مسلمانوں کو نہایت کرب و ابتلا سے دوچار کر رکھا ہے، دِینی مدارس کی تاریخ شاہد ہے کہ انہوں نے ہمیشہ ملک و قوم کے مفادات کو پیشِ نظر رکھا ہے، انہوں نے قوم کو نیک و صالح افراد مہیا کئے ہیں، ان دِینی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء ہمیشہ ملکی قانون کے وفادار ثابت ہوئے ہیں، اور اپنی مدد آپ کے تحت انہوں نے لاکھوں ابنائے اسلام کو زیورِ تعلیم سے آراستہ کیا ہے، اور ہمیشہ خالص دِینی اور مذہبی تعلیم کی ترویج کو مقصد بنائے رکھا ہے، انہوں نے کبھی تصادم کی راہ نہیں اپنائی، بلکہ انہوں نے ہمیشہ حکومت کی جائز پالیسیوں کی تائید اور اربابِ اقتدار سے تعاون کیا ہے۔

لیکن موجودہ مدرسہ آرڈی نینس چونکہ ان مدارس کی افادیت اور ان کی اسلامی رُوح کو کچلنے کے مترادف تھا، اس لئے ملک بھر کے تمام وفاق ہائے مدارس، تنظیمات اور تمام دِینی مدارس کا نمائندہ اجتماع، نے متفقہ طور پر اس آرڈی نینس کو مکمل طور پر مسترد کردیا تھا اور واضح کردیا تھا کہ اگر حکومت نے خدانخواستہ اس آرڈی نینس کو بزورِ قوّت دِینی مدارس پر مسلط کرنے کی کوشش کی تو اِن شاء اللہ اربابِ مدارس اس کی بھرپور

مزاحمت کریں گے اور ضرورت پڑی تو اس سلسلے میں راست
اقدام کرنے سے قطعاً گریز نہیں کریں گے، اور کسی صورت میں
اس آرڈی نینس کا نفاذ قبول نہیں کریں گے، اور ہم نے اربابِ
اقتدار سے پُرزور مطالبہ کیا تھا کہ وہ دِینی مدارس کی بجائے حکومتی
اور سرکاری مدارس کی اصلاح و تربیت پر توجہ دیں، دِینی مدارس کو
اپنے حال پر چھوڑ دیں اور ہمیں کسی انتہائی اقدام پر مجبور نہ کریں،
اسی میں ملک و قوم اور اربابِ اقتدار کی خیرخواہی اور بہتری ہے۔

موجودہ حکومت نے اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کے
اضطراب و احتجاج کو محسوس کیا اور حقیقت پسندی کا ثبوت دیتے
ہوئے اس موقف کو تسلیم کیا کہ مدارسِ دِینیہ کی آزادی، حریتِ فکر
وعمل، نظامِ تعلیم اور انتظام و انصرام پر قدغن نہیں لگائی جائے گی،
اس سلسلے میں ۳۰؍جولائی کو وزیرِ داخلہ، وزیرِ مذہبی اُمور، وزیرِ
تعلیم کے ساتھ اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کے راہ نماؤں کا ایک
اجلاس ہوا جس میں اس مجوّزہ آرڈی نینس کی ترتیبِ نو کا فیصلہ کیا
گیا، اور مدارسِ دِینیہ کے راہ نماؤں کے ساتھ ایک مشترکہ کمیٹی
قائم کی گئی جو نئے سرے سے ایک متفقہ مسوّدۂ قانون وضع کرے
گی جس کے تحت دِینی مدارس کی حیثیت بحال رہے گی اور اتحاد
تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کا مشترکہ بورڈ ہی رجسٹریشن اتھارٹی ہوگا
اور سابقہ رجسٹر مدارس کی اَزسرِنو رجسٹریشن نہیں ہوگی۔ کنونشن میں
شریک تمام علمائے کرام اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کے مرکزی
راہ نماؤں کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتے ہوئے ہم اس
عزم کا اظہار کرتے ہیں کہ مدارس کے تحفظ اور آزادی کے لئے
کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کیا جائے گا۔ اس موقع پر ہم

حکومت کے حقیقت پسندانہ رویہ کی بھی تعریف کرتے ہوئے یہ
واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ حکومت آئندہ بھی ان مدارس کے
سلسلے میں یہ رویہ برقرار رکھے گی اور مدارس کے خلاف مذموم
پروپیگنڈے کو بند کرنے کے لئے اقدامات کرے گی۔

(۳۱؍جولائی ۲۰۰۲ء بمقام جامعہ علومِ اسلامیہ کراچی)۔‘‘

اس عظیم الشان اور مثالی کنونشن کے موقع پر جہاں دِینی مدارس کی آزادی اور
حریتِ فکر و عمل کے خلاف حکومتی اقدامات کے خلاف بھرپور مزاحمت کا اعلان کیا گیا،
وہاں دُنیا بھر کے مظلوم مسلمانوں کے حقوق کی پامالی، ان کی مظلومیت، مغرب اور
امریکی جارحیت اور علمائے اُمت کی بے جا گرفتاریوں کے خلاف بھی احتجاج کیا گیا
اور قراردادیں پیش کی گئیں، چنانچہ اس موقع پر درج ذیل قراردادیں منظور کی گئیں:

’’قراردادیں:

۱:...’’اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘ کے زیرِ
اہتمام تمام مکاتبِ فکر کے علماء و مشائخ کا یہ عظیم الشان نمائندہ
اجتماع اس عزم کا اظہار کرتا ہے کہ ہم دِینی مدارس، جامعات کی
حریتِ فکر وعمل کو اپنے تعامل و توارث اور روایت کے مطابق قائم
و دائم اور جاری و ساری رکھنے کے لئے کسی قربانی سے دریغ نہیں
کریں گے، دِینی مدارس و جامعات کی حریتِ فکر وعمل ہمارے
عقیدہ و عمل کا لازمی تقاضا ہے اور اس پر کوئی مفاہمت نہیں کی
جائے گی، اور اگر ہمیں انتہائی اقدام پر مجبور کیا گیا تو ہم پوری
قوم کو اِن شاء اللہ العزیز متحرک کریں گے۔

۲:...تمام مکاتبِ فکر کے علماء و مشائخ کا یہ عظیم الشان
نمائندہ اجتماع قائدین ’’اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘

کی قیادت کی اہلیت، اصابتِ رائے اور فیصلوں پر مکمل اعتماد کا
اظہار کرتا ہے اور ان کو یقین دِلاتا ہے کہ ان کے ایک اشارے
پر اِن شاء اللہ العزیز ہم سب، تمام اساتذہ وطلباء مدارس و
جامعاتِ دِینیہ میدانِ عمل میں کود پڑیں گے اور حصولِ منزل تک
چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

۳:... اسلام آباد میں ’’اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ
پاکستان‘‘ کے قائدین کے ساتھ تین وفاقی وزراء (وزیرِ داخلہ،
وزیرِ تعلیم اور وزیرِ مذہبی اُمور) کے بالترتیب ۱۶ اور ۳۰؍جولائی
۲۰۰۲ء کو جو اجلاس منعقد ہوئے، ان میں قائدین ’’اتحاد
تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘ نے وفاقی کابینہ کے منظور کردہ
مجوّزہ دِینی مدارس (رجسٹریشن اینڈ ریگولیشن) آرڈی نینس ۲۰۰۲ء کو
اس کی موجودہ شکل میں کلی طور پر مسترد کرنے کا جو فیصلہ کیا، ہم اس
کی مکمل تائید وحمایت کرتے ہیں، اور جس جرأت، قوتِ استدلال
اور حقائق وشواہد کی تائید کے ساتھ ہمارے قائدین ’’اتحاد تنظیماتِ
مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘ نے دِینی مدارس، جامعات اور اہلِ
مدارس کا موقف پیش کیا ہے، ہم اس کی تحسین کرتے ہیں اور اللہ
جل شانہ سے ان کے لئے مزید توفیق و تائید اور جرأت و
استقامت کی دُعا کرتے ہیں۔

۴:... ۳۰؍جولائی کو قائدین ’’اتحاد تنظیماتِ مدارسِ
دِینیہ پاکستان‘‘ اور حکومت کے وزراء کے درمیان باہمی افہام و
تفہیم کے نتیجے میں ۶ نمائندگان ’’اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ
پاکستان‘‘ اور تین وفاقی سیکریٹریوں پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی
گئی ہے تاکہ مجوّزہ قانون کو اَز سرِ نو اس انداز میں مرتب کیا جائے

جو ’’اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘ کے لئے قابلِ قبول ہو۔

تمام مکاتبِ فکر کے علماء و مشائخ کا یہ عظیم الشان
نمائندہ اجتماع حکومت کے مثبت رویے اور اس فیصلے کو نگاہِ تحسین
سے دیکھتا ہے اور حسنِ ظن رکھتا ہے کہ اس میثاق پر مکمل طور پر عمل
کیا جائے گا اور محض دفع الوقتی اور پریشر ریلیز کرنے کی حکمتِ
عملی کے طور پر اسے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

۵:... ہم اہلِ اقتدار کو متنبہ کرتے ہیں کہ اِن شاء اللہ
ہم حصولِ مقصد تک متحرک، مستعد، فعال اور باخبر رہیں گے اور
اپنی قیادت کے شانہ بشانہ چلیں گے۔

۶:... ’’اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان‘‘ نے اپنی
جانب سے نیک نیتی و اِخلاص کی علامت کے طور پر ۷؍اگست
۲۰۰۲ء کو لاہور میں طلب کردہ ’’آل پارٹیز تحفظ مدارسِ دِینیہ
کانفرنس‘‘ کو سرِدست ملتوی کرنے کا فیصلہ کیا ہے، آئندہ رُونما
ہونے والے حالات کی روشنی میں اس کے انعقاد کا فیصلہ کیا
جائے گا۔

۷:... یہ اجلاس سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ
کے امتناعِ رِبا کے بارے میں ۱۹۹۹ء کے متفقہ فیصلے کو آئینی،
قانونی اور شرعی قرار دیتا ہے اور اس اجلاس کی رُو سے وہ فیصلہ
آج بھی مؤثر اور نافذ العمل ہے، سپریم کورٹ کے جن ججوں
نے پاکستان کے اصل آئین سے حلفِ وفاداری کو توڑ کر پی سی او
کے تحت حلف اُٹھایا وہ عہد شکنی کی بنا پر اس شرعی معاملے کو طے
کرنے کے مجاز نہیں، نیز شرعی ججوں کے نام پر جن دو اشخاص کو
سپریم کورٹ کے شریعت اپیلٹ بنچ میں شامل کیا گیا ہے وہ قطعی

طور پر اس منصب کے اہل نہیں، اس پوری بنچ کی نااہلیت کا مزید ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے امتناعِ رِبا کے فیصلے کی اَز سرِنو سماعت کا فیصلہ دے کر اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے مجرمانہ جنگ کا فیصلہ کیا ہے، لہٰذا ہمارا مطالبہ ہے کہ سابقہ موٴثر فیصلے کے مطابق ملک سے سودی نظام کو فوری طور پر ختم کیا جائے۔

۸:... یہ اجلاس قادیانیوں کو تعلیمی ادارے واپس کرنے کی مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ یہ فیصلہ فوری طور پر واپس لیا جائے۔

۹:... یہ اجلاس اساتذہٴ کرام کے تقدس کی پامالی اور ان پر لاٹھی چارج کی مذمت کرتا ہے اور حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ اساتذہٴ کرام کے جائز مطالبات تسلیم کئے جائیں۔

۱۰:... یہ اجلاس ملک بھر میں بے گناہ علمائے کرام کی گرفتاری کو تشویش کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے مطالبہ کرتا ہے کہ بے گناہ افراد کو فی الفور رہا کیا جائے۔

۱۱:... یہ اجلاس حکومت سے مطالبہ کرتا ہے کہ افغانستان میں قید پاکستانی مجاہدین پر مظالم کا سلسلہ بند کراکر فوری طور پر ان کی رہائی کا انتظام کیا جائے۔

۱۲:... یہ اجلاس کشمیر، فلسطین، افغانستان، چیچنیا اور دیگر آزادی حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے والے مسلمانوں کی بھرپور حمایت کرتے ہوئے اقوامِ متحدہ سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ ان ممالک کے مسلمانوں پر ظلم وستم کا سلسلہ ختم کرائے۔

۱۳:... یہ اجلاس امریکہ اور مغرب کی جانب سے مدارسِ دِینیہ اور دِینی جماعتوں کے خلاف مذموم پروپیگنڈے کی

مذمت کرتا ہے اور مطالبہ کرتا ہے کہ یہ ممالک دِینی مدارس اور دِینی اَحکام کے سلسلے میں مداخلت کا رویہ بند کردیں۔“

اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان، اپنی پُرخلوص مساعی، مدارس کش آرڈی نینس کے تعاقب اور حکومتی اہل کاروں سے کامیاب مذاکرات پر قابلِ صد مبارک باد ہے، اللہ تعالیٰ اتحاد کے راہ نماوٴں کو مزید در مزید ہمت و جرأت، خلوص و اِخلاص اور اتحاد و اتفاق کی دولت سے مالامال فرمائے، اور ان کے اس اتحاد کو نظرِ بد سے محفوظ فرمائے، آمین!

ہمیں اپنے قائدین پر بحمداللہ سو فیصد اعتماد ہے، اور ہمیں یہ بھی یقین ہے کہ وہ اِن شاء اللہ پاکستان بھر کے اربابِ مدارس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچائیں گے، بلکہ وہ اس مشکل مرحلے میں بھی حسبِ سابق نہایت کامیاب و سرخرو ہوکر گزریں گے۔

چنانچہ تحفظِ دِینی مدارس تحریک میں مختلف مسالک کا ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا، ان کا بیک آواز ہوکر حکومت کے موقف کو چیلنج کرنا اور اَربابِ اقتدار کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر، ٹھوس دلائل سے اپنے موقف کو صحیح ثابت کرکے سرکاری موقف کو غلط ثابت کرنا، اس کی واضح مثال ہے۔

مگر بایں ہمہ اربابِ اقتدار اور بیوروکریسی کی کہہ مکرنیوں اور سابقہ بدعہدیوں کے تناظر میں خطرات و خدشات اور اندیشوں کا دِل و دِماغ میں راہ پانا ایک فطری اَمر ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نہایت ادب سے ”الدین النصیحة“ کے پیشِ نظر، اپنے قائدین کی خدمت میں ممکنہ خطرات واندیشوں کا اظہار کردیا جائے:

الف:... اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کے قائدین کو چاہئے کہ وہ حکومتی وعدوں اور طفل تسلیوں پر اعتماد کرتے ہوئے اپنی مساعی، کوششوں اور تحریک سے اس وقت تک دستبردار نہ ہوں جب تک کہ اس کا مکمل یقین نہ ہوجائے کہ حکومت اپنے

عزائم سے واقعتاً باز آچکی ہے، اس لئے کہ عموماً ہوتا یہ ہے کہ حکومت اور بیوروکریسی عوامی دباؤ سے بچنے اور مسلمانوں کے جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وقتی طور پر کچھ زبانی کلامی وعدے اور طفل تسلیاں دے کر جان چھڑالیتی ہے، جبکہ دُوسری طرف وہ درپردہ اپنے منصوبوں پر کام جاری رکھتی ہے، پھر اچانک قانون سازی کرکے عوام کو قانون کے شکنجے میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ اگست ۲۰۰۱ء میں جاری ہونے والے مجوّزہ ماڈل دِینی مدارس آرڈی نینس پر بظاہر حکومت کی پسپائی، دستبرداری، ایک سال بعد موجودہ مجوّزہ مدرسہ آرڈی نینس کا اجراء اور اس پر عمل درآمد کا شد و مد سے اعلان، حکومت کے اس مکروہ طرزِ عمل کی نشاندہی کرتا ہے۔

ب:...ہمیں یقین ہے کہ پانچوں وفاقوں کے ذمہ دار اپنے اپنے حلقے کے قابلِ اعتماد راہ نما ہیں، اور یقیناً وہ اپنے اپنے حلقے کے معتمد ہیں، جو کسی طرح حکومتی سازشوں کا شکار نہیں ہوں گے، مگر اس موقع پر اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ حکومتی اہل کار اپنے منصوبے کو کامیابی سے ہمکنار کرنے اور اپنی خفت مٹانے کے لئے اس اتحاد میں پھوٹ ڈالنے کی سرتوڑ کوشش کریں گے، خدانخواستہ اگر اس اتحاد میں دراڑیں پڑگئیں یا کسی ایک تنظیم نے اس اتحاد سے علیحدگی اختیار کرلی، تو اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ پاکستان کے غبارے سے ہوا نکل جائے گی، جس سے حالات کا دھارا یکسر تبدیل ہوجائے گا اور ہم جیتی ہوئی بازی ہار جائیں گے۔ اس لئے ہر مسلک کی تنظیم کے ذمہ داروں کو اس سلسلے میں نہایت حزم و احتیاط کا مظاہرہ کرنا چاہئے اور کسی ایسے بدخواہ کی بات پر کان نہ دھرنا چاہئے جو اس اتحاد سے علیحدگی کی بات کرے، یا جذباتیت کا مظاہرہ کرے۔

ج:...اس کا بھی قوی اِمکان ہے کہ بیوروکریسی کچھ لوگوں کو توڑنے کے لئے جاذبِ نظر وعدے اور پیشکشیں کرے، ممکن ہے کسی ایک حلقے کے لوگوں کو بھاری مناصب اور ماڈل مدارس کی اعلیٰ افسری اور ان کے کارکنوں کی بھرتی کا وعدہ

بھی دیا جائے۔

اس لئے کوشش یہ ہونی چاہئے کہ اس اتحاد کے ذمہ داران میں سے کوئی حکومتی مدارس کی سرپرستی تو کجا، ان میں اپنے کارکنوں کی بھرتی کی سفارش تک نہ کرے، ورنہ یہ سیاسی رشوت بھی ان کے موقف سے دست برداری کے مترادف ہوگی۔

د:...حکومت اور بیوروکریسی اس وقت حقائق کا ادراک کرچکی ہے، اور اس پر واضح ہوچکا ہے کہ اس کا موقف سو فیصد غلط ہے، اس لئے اس وقت اس کی کوشش ہوگی کہ وہ اپنی شکست چھپانے اور اربابِ مدارس کو نیچا دِکھانے کے لئے اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کو اس بات پر آمادہ کرے کہ موجودہ مدارس آرڈی نینس میں جو جو شقیں قابلِ اعتراض ہیں ان کی نشاندہی کردی جائے، ہم ان سب کو ختم کرکے اتحاد مدارسِ دِینیہ کے لئے قابلِ قبول دُوسرا آرڈی نینس جاری کرنے کو تیار ہیں۔

بادی النظر میں یہ بات اگرچہ بڑی معقول نظر آتی ہے، لیکن درپردہ یہ بہت بڑی گہری سازش اور حکومتی چال ہے، اس لئے کہ اس وقت حکومت اور بیوروکریسی کی پوری کوشش ہے کہ اربابِ مدارس کسی بھی آرڈی نینس کو ماننے کے لئے آمادہ ہوجائیں، چاہے وہ لولالنگڑا ہی کیوں نہ ہو، اس لئے کہ اس وقت حکومت اور بیوروکریسی کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ کسی طرح اربابِ مدارس، سرکاری آرڈی نینس کی ماتحتی قبول کرلیں، کیونکہ ایک بار جب مدارس کو کسی آرڈی نینس میں جکڑ لیا جائے گا تو بعد میں اس میں حسبِ منشا ترمیمات کرکے اسے مزید درمزید ترسخت کیا جاسکے گا۔ اس لئے بطورِ خاص اس بات کو پیشِ نظر رکھا جائے اور یہ موقف اختیار کیا جائے کہ مدارس کے سلسلے میں ہمیں کسی قسم کا کوئی آرڈی نینس قابلِ قبول نہیں، بلکہ مدارس کی حسبِ سابق دِینی رُوح اور حریتِ فکر و عمل برقرار رکھی جائے اور انہیں آزادانہ ماحول میں رضاکارانہ طور پر ملک وقوم اور دِین وملت کی خدمت کرنے دی جائے۔ سرِدست اس موقف پر جتنی شدّت اختیار کی جائے، اتنی مفید اور مناسب ہے۔

اگر اس سلسلے میں تھوڑی سی نرمی برتی گئی تو بعد میں شدید مشکلات کا سامنا ہوگا، واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی جمادی الاخریٰ ۱۴۲۳ھ مطابق ستمبر ۲۰۰۲ء)

صدارتی ارشادات

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

مسلم حکمران عموماً اور ہمارے صدرِ محترم جناب جنرل پرویز مشرف صاحب خصوصاً، امریکی مفادات کے ایجنڈے کی تکمیل کے لئے کس قدر ''خلوص'' و ''اِخلاص'' اور ''تندہی'' سے مصروف ہیں؟ اس کا اندازہ ان کے آئے دن کے بیانات، خطابات اور ملکی و غیرملکی خبر رساں ایجنسیوں کو دیئے گئے انٹرویوز سے لگایا جاسکتا ہے، آج کی صحبت میں ہم ان کے اسی سلسلے کے ایک بیان پر چند معروضات پیش کرنا چاہیں گے۔

جنرل پرویز مشرف صاحب نے جمعرات ۲۰ر نومبر ۲۰۰۳ء کو اسلام آباد میں اِفطار ڈنر کے موقع پر اخبارات کے ایڈیٹروں سے نہایت تفصیل سے بات چیت کی، جس کے چند نکات درج ذیل ہیں:

> ''.... دِینی مدرسوں میں کیا ہو رہا ہے؟ کراچی کے ایک مدرسے میں ۱۰۰ آدمی بیٹھے ہیں، وہ جاہی نہیں رہے تھے، اب ہم یہ برداشت نہیں کریں گے .....۔
>
> میں نے ارکانِ اسمبلی اور ناظموں سے بھی کہا ہے کہ وہ مدرسوں میں جائیں، دیکھیں، اگر وہاں انتہاپسندی کی تعلیم دی جارہی ہے تو اسے روکیں .....۔

حکومت مدارس کی تعلیم کے خلاف نہیں مگر ہم انہیں قومی دھارے میں لازمی شامل کریں گے .....۔

..... مدارس بچوں کو صرف خطیب نہیں، بلکہ ڈاکٹر و انجینئر بھی بنائیں، حکومت تعلیم، صحت اور تخفیفِ غربت کے لئے حتی المقدور وسائل فراہم کرے گی .....۔

..... اسلام امن، روشن خیالی اور محبت کا مذہب ہے، مسلمانوں میں یہ ہمت اور شعور ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کو خود سمجھیں نہ کہ ہم اسلام کو مولوی صاحبان کے حوالے کردیں اور خود الگ ہوکر بیٹھ جائیں۔ کوئی بھی مولوی یا باریش شخص مسجد میں کھڑے ہوکر جو مرضی بکواس کرے، غلط سلط کہتا رہے، ہم اسے کچھ نہیں کہتے۔ اسی لئے غیر منطقی اور فضول باتیں کہنے کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے، ہم میں جرأت ہونا چاہئے، اگر کوئی عقل کی بات نہیں کرتا تو اسے ٹوکنا چاہئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایسے لوگوں سے تعاون کی نہیں، بلکہ انہیں گرفتار کروانے کی ضرورت ہے .....۔

..... ہم مسجدوں اور مدرسوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں، حال ہی میں کراچی میں ڈیفنس ہاؤسنگ اتھارٹی کی مسجد سلطان میں ایک انتہائی اہم عسکری شخصیت نماز پڑھنے گئی، مسجد کے اندر تو سب ٹھیک ٹھاک تھا، باہر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ نوجوان پمفلٹ اور پوسٹر بانٹ رہے ہیں، جن میں انتہاپسندی کی دعوت دی گئی تھی، پولیس والے موجود تھے لیکن وہ آرام کر رہے تھے، انہیں کچھ نہیں کہہ رہے تھے، اس شخصیت نے فوراً حکم دیا کہ انہیں گرفتار کیا جائے، ان سے پوچھ گچھ ہوئی، تو ایک بہت

بڑا گروہ بے نقاب ہوا، ان کے بتانے پر چھاپے مارے گئے تو بے شمار لٹریچر، پمفلٹ، ۱۳ لاکھ روپے بھی پڑے ہوئے ملے، باہر سے بھی ایسی سرگرمیوں کے لئے پیسہ آرہا ہے، جنوبی افریقہ سے، مشرقِ وسطیٰ سے فنڈنگ ہورہی ہے .....۔

..... جہاد کے نام پر چندہ کیا جارہا ہے، زبردستی ہورہی ہے، لیکن پولیس والے خاموشی سے یہ دیکھتے رہتے ہیں، کوئی کاروائی نہیں کرتے، جہاد کے لئے چندہ جمع کرنے والوں کو پکڑنا چاہئے، اخبار، ٹی وی سے بھی عام لوگوں میں یہ بیداری اور شعور پھیلانا چاہئے کہ انتہاپسندی، شدّت پسندی کسی صورت میں برداشت نہیں کی جانی چاہئے، انہوں نے کہا کہ انتہاپسندی کے خلاف انتظامی اقدامات بھی ضروری ہیں .....“

(روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۲۱/نومبر ۲۰۰۳ء)

چونکہ صدر صاحب کے طویل خطاب اور ان کے مفصّل ”ارشادات“ کو نقل کرنے میں طوالت کا اندیشہ تھا، اس لئے ہم نے اس کے چند اقتباسات نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

جنابِ صدر پرویز مشرف صاحب جب سے برسرِ اقتدار آئے ہیں، وہ اکثر و بیشتر، مُلاَّ، مولوی، علماء، دِین و مذہب اور مدارس و مساجد کے بارے میں ”ارشادات“ فرماتے رہتے ہیں، ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ موصوف نے اپنے دورِ حکومت میں جس طبقہ پر زیادہ ”نوازشات“ کی ہیں، وہ دِینی، علمی اور مذہبی طبقہ ہی ہے، موصوف نہایت ”دِل سوزی“ سے مدارس و مساجد، مُلاَّ، مولوی اور مذہبی طبقے کی ”اصلاح“ کی فکر میں ہیں، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ پاکستان سے اس ”فساد“ کو دیس نکالا دے کر ہی رہیں گے۔ موصوف کی ”مساعیٔ جمیلہ“ کے نتیجے میں افغانستان میں اس ”جن“ کو

قابو کرلیا گیا ہے، اب وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان میں بھی ترکی کی طرز کی خالص ''ترقی یافتہ'' حکومت قائم ہوجائے اور موصوف پاکستان کے ''کمال اتاترک'' کے منصب پر فائز ہوکر ''مذہبی جنون'' کو جڑ سے اُکھاڑ پھینکیں۔ اس لئے عموماً ان کا رُوئے سخن اس طبقے کی طرف ہوتا ہے اور وہ اکثر و بیشتر مُلاَّ، مولوی، مسجد و مدرسہ کے کردار میں کیڑے نکالنے، ان کو بدنام کرنے، ان کی توہین و تضحیک کے ''نیک'' کام میں مصروف نظر آتے ہیں۔

یہ بات بھی اپنی جگہ دُرست ہے کہ بعض اوقات دانستہ یا نادانستہ ان کی زبان سے ان کے بارے میں کلمۂ خیر بھی نکل جاتا ہے، مگر جلد یا بدیر وہ اس کی تلافی بھی فرمادیتے ہیں، اس لئے دِینی مدارس کے بارے میں ان کی زبان سے صادر ہونے والے کلماتِ خیر کو سہو و غلطی پر ہی محمول کیا جائے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جنابِ صدر جس پروگرام کے تحت برسرِ اقتدار آئے ہیں، اس کا بنیادی ہدف دِین، مذہب، مُلاَّ، مولوی، مسجد، مدرسہ، اسلام اور مسلمان ہی ہیں۔ غالباً انہیں تمام بُرائیاں، بلکہ بُرائیوں کی جڑ اور بنیاد ہی ان میں نظر آتی ہے، جب ہی تو ان کی ''اصلاح و تنقید'' کا پورا زور اس پر صَرف ہو رہا ہے۔ چنانچہ ان کے بیان کے مذکورہ بالا اقتباسات کے بغور مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ وہ جو کچھ فرما رہے ہیں یہ ان کے ضمیر کی آواز اور سوچ و فکر کا عکس ہے، وہ جب مُلاَّ، مولوی، مسجد اور مدرسہ کا نام لیتے ہیں تو جذباتی ہوجاتے ہیں اور بلاتکان بولتے چلے جاتے ہیں، انہیں اس کا احساس بھی نہیں رہتا کہ وہ کیا بول رہے ہیں؟ حق و سچ سے اس کا کتنا علاقہ ہے؟ ان کو اس کا خیال بھی نہیں رہتا کہ کوئی ''گستاخ'' حقائق جاننے کے لئے دلائل و شواہد کا مطالبہ بھی کرسکتا ہے اور یہ بھی پوچھ سکتا ہے کہ ملک کا ذمہ دار اور صدرِ مملکت اتنی بڑی بات کر رہا ہے تو اس کا کیا ثبوت ہے؟ مگر وہ ان سب سے مستغنی ہوکر اس کے درپے ہیں کہ دِین، مذہب، مسجد، مدرسہ اور مولوی کو مطعون کرنے کا کوئی موقع

میسر آنا چاہئے اور بس! مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ذیل میں جنابِ صدر کے اُٹھائے گئے مذکورہ بالا نکات کا مختصر سا جائزہ پیش کردیا جائے۔

ا:... جنابِ صدر نے استفسار فرمایا ہے کہ:

''دِینی مدرسوں میں کیا ہو رہا ہے؟''

ہم جنابِ صدر سے پوچھنا چاہیں گے کہ کیا یہ سچ ہے کہ آج تک آپ کو معلوم نہیں ہوسکا کہ دِینی مدرسوں میں کیا ہو رہا ہے؟ حالانکہ آنجناب خیر سے مسلمان اور سیّد خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، کراچی کے باسی اور ایک عرصے سے آرمی کے ساتھ منسلک ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے، بین الاقوامی حالات پر آپ کی گہری نظر ہے، اسی طرح متعدّد دِینی مدارس میں تشریف لے جاچکے ہیں، کئی بار اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کے سربراہوں سے آپ کی تفصیلی ملاقاتیں بھی ہوچکی ہیں اور آپ کو مدارس کے نصاب کی اصلاح و ترمیم کی فکر بھی ہے، اس کے باوجود آپ کا یہ پوچھنا کہ مدارس میں کیا ہو رہا ہے؟ دِینی مدارس کا استہزاء و تضحیک اور ان کی قدر گھٹانے بلکہ ان کی خدمات کی نفی کے مترادف نہیں؟

تاہم اگر آنجناب کو معلوم نہیں کہ مدارس میں کیا ہو رہا ہے؟ تو ہم عرض کئے دیتے ہیں کہ:

ان میں قرآن و سنت اور مذہب و ملت کی تعلیم دی جاتی ہے، یہاں عبد کا معبود کے ساتھ تعلق جوڑا جاتا ہے، یہاں انسانوں کو دُنیا کے بجائے آخرت کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، ان میں مخلوق کو خالق سے جوڑا جاتا ہے، یہاں کسی دہشت گردی اور بغاوت کا نہیں بلکہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا درس دیا جاتا ہے، یہاں مؤاخذۂ آخرت کا اِحساس دِلایا جاتا ہے اور یہ سکھایا جاتا ہے کہ کل قیامت کے دن تمہیں اپنی زندگی بھر کے ایک ایک عمل اور قول و فعل کا حساب دینا ہے، یہاں ایثار و قربانی اور محبت و مودّت کا سبق پڑھایا جاتا ہے، یہاں طبقاتی نفرتوں، قومی، صوبائی اور لسانی

کشمکش کا قلع قمع کیا جاتا ہے، یہاں دنگا فساد کی نہیں، امن و آشتی کی تعلیم ہوتی ہے، یہاں بڑوں کا احترام، چھوٹوں پر شفقت کا اِحساس وشعور بیدار کیا جاتا ہے، یہاں اَمر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے، یہاں اخلاقی، سماجی اور معاشرتی بُرائیوں کے قلع قمع کی طرف توجہ دِلائی جاتی ہے، یہاں اِحساسِ ذمہ داری اور قانون کی پاسداری کا خوگر بنایا جاتا ہے۔

آنجناب یقیناً اس سے آگاہ ہوں گے کہ استثنائی صورتوں سے قطع نظر، آج تک کہیں کسی مدرسہ کا کوئی فاضل کسی قانون شکنی اور کسی معاشرتی بُرائی کا مرتکب نہیں پایا گیا، لیکن اس کے باوجود آپ کا یہ فرمانا کہ ''دِینی مدرسوں میں کیا ہو رہا ہے؟'' ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔

۲:...اسی طرح آپ کا یہ ارشاد کہ:

''کراچی کے ایک مدرسہ میں ۱۰۰ آدمی بیٹھے ہیں، وہ جا ہی نہیں رہے تھے، اب ہم یہ برداشت نہیں کریں گے۔''

گستاخی معاف! محض ایک اخباری گپ اور افترا کا پلندہ ہے، جو بلاشبہ دِینی مدارس کے کردار کو مخدوش کرنے کے لئے تراشا گیا ہے، جنابِ صدر! اس قسم کی ایک خبر کچھ عرصہ پہلے بھی اخبارات میں اُچھالی گئی تھی، اس وقت ہم نے اس کو لائقِ التفات نہیں سمجھا، کہ اخبارات میں لادِین طبقہ دِینی مدارس اور اہلِ دِین سے خدا واسطے کا بغض وعناد رکھتا ہے، بلکہ وہ دِینی مدارس کی عداوت کے معاملے میں اُدھار کھائے بیٹھا ہے، لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ جیسے ذمہ دار نے بھی کراچی کیا ملک بھر کے دِینی مدارس کو بدنام کرنے کے لئے اس قسم کی بے اصل خبر کا سہارا لینے میں کوئی خفت محسوس نہیں کی۔ جنابِ صدر! دِینی مدارس کا کردار کھلی کتاب کی مانند ہے، دِینی مدارس کے دروازے ہمہ وقت اور ہر ایک کے لئے کھلے ہیں، ان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں، آپ یا آپ کی ایجنسیاں جب چاہیں آئیں اور ان کو چیک کریں،

اِن شاء اللہ ان میں ایسی کوئی سرگرمیاں نہیں ملیں گی۔ جنابِ صدر! کم از کم آپ نے اپنی ایجنسیوں سے تحقیق تو فرمالی ہوتی کہ وہ کون سا مدرسہ ہے اور کہاں واقع ہے؟ آپ اس کا نام تو لیتے کہ فلاں مدرسہ میں ایسا ہوا ہے۔

ہمیں اس کا احساس ہے کہ آپ کو جو بریف کیا گیا آپ نے وہ فرمادیا، لیکن آپ کے منصب کے شایانِ شان نہیں کہ بلاتحقیق ایسی کوئی بات زبان و بیان میں لائیں جس کا کوئی ثبوت نہ ہو اور بعد میں خفت اُٹھانی پڑے۔

۳:...آپ نے ارشاد فرمایا کہ:

''میں نے ارکانِ اسمبلی اور ناظموں سے بھی کہا ہے کہ وہ مدرسوں میں جائیں، دیکھیں، اگر وہاں انتہاپسندی کی تعلیم دی جارہی ہے تو اسے روکیں۔''

خوش آمدید! ضرور بھیجئے! مگر ہمارے خیال میں جنابِ صدر! اگر آپ خود تشریف لاکر اس کا جائزہ لیتے تو زیادہ اچھا ہوتا، یوں آپ کے سامنے حقائق کھلتے، دُودھ کا دُودھ اور پانی کا پانی ہوجاتا۔

تاہم یہ نکتہ تحقیق طلب ہے کہ انتہاپسندی کی تعلیم سے کیا مراد ہے؟ اگر انتہاپسندی سے مقصود قرآن و سنت، تفسیر، اُصولِ تفسیر، حدیث، اُصولِ حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، علمِ کلام، ادب، معانی، بدیع، بیان اور منطق وفلسفہ ہوں، تو یقیناً مدارس میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے، اور یہ سلسلہ آج کا نہیں، بلکہ خیرالقرون سے آج تک پورے چودہ سو سال سے جاری ہے اور اِن شاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہے گا، اس کو کوئی بند کرسکا ہے اور نہ آئندہ کوئی طالع آزما بند کرسکے گا۔ امریکہ کیا! دُنیا بھر کی تمام طاغوتی قوّتیں جمع ہوکر بھی اس کا سدِ باب نہیں کرسکتیں، اس لئے کہ وعدۂ الٰہی: ''اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ'' (بے شک ہم نے قرآن اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے) کے پیشِ نظر جس طرح قیامت تک قرآن محفوظ رہے گا،

اسی طرح قرآن کے خادم علوم بھی محفوظ رہیں گے۔ لیکن اگر انتہاپسندی کا کوئی دُوسرا مفہوم ہے تو یقیناً دِینی مدارس میں ایسی کسی انتہاپسندی کی تعلیم نہیں دی جاتی۔

ہاں! البتہ اسلام دُشمن قوتیں خصوصاً فرعون امریکہ اور اس کے ہم نوا پوری اسلامی تعلیمات، خصوصاً قرآن وسنت سے وابستگی کو ''انتہاپسندی'' کا نام دے کر اسے ختم کرنا چاہتا ہے، اگر کوئی بدبخت اس نام نہاد انتہاپسندی کی تعلیم کو روکنے کے درپے ہے تو اسے سمجھ لینا چاہئے کہ اِن شاء اللہ وہ قہرِ الٰہی کی آہنی دیوار سے اپنا سر پھوڑنے کے علاوہ کچھ حاصل نہیں کرسکے گا۔

۴:... جنابِ صدر نے ارشاد فرمایا کہ:

''حکومت مدارس کی تعلیم کے خلاف نہیں، مگر ہم انہیں
قومی دھارے میں لازمی شامل کریں گے۔''

کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے نتیجے میں قائم ہونے والے وہ دِینی مدارس جو ڈیڑھ سو سال سے بے مثال خدمات انجام دے رہے ہیں اور جنھوں نے ایسے ایسے نام وَر افراد پیدا کئے جن پر پوری ملتِ اسلامیہ کا سر فخر سے بلند ہے، کیا وہ آج تک قومی دھارے میں شامل نہیں ہوسکے؟ جن مدارس نے شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ جیسا آزادیٔ ہند و پاک کا ہیرو پیدا کیا، جنھوں نے شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ جیسا انگریز دُشمن پیدا کیا، جنھوں نے حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ ایسے اکابرینِ اُمت کو جنم دیا، جنھوں نے تحریکِ پاکستان کی قیادت کی، مسلمانوں کو قیامِ پاکستان کا شعور بخشا اور آخر میں مغربی و مشرقی پاکستان کے جھنڈے لہراکر پاکستان اور پاکستانی قوم کو اعزاز بخشا، کیا وہ آج تک قومی دھارے میں شامل نہیں ہیں؟ آخر ''قومی دھارے'' کا کیا معنی ہے؟ یہی کہ وہ بھی سرکاری تحویل میں چلنے والے ان اسکول و کالج اور یونیورسٹیوں کی مانند ایسے افراد کو جنم دیں جو اساتذہ کی

پٹائی کریں، ہڑتالیں کریں، قومی و ملکی خزانے کو شیرِ مادر سمجھ کر ہضم کریں، ملک کو دولخت کریں، مسلمانوں کو قومی، صوبائی اور لسانی بنیادوں پر تقسیم کریں، عصبیت کو ہوا دیں، قتل و غارت گری کا بازار گرم کریں، چوری ڈکیتی جیسے جرائم کے مرتکب ہوں اور نفاذِ اسلام کی راہ میں رُکاوٹ بنیں...؟

اگر قومی دھارے میں شامل کرنے کا یہ معنی ہے کہ ان میں دِینی تعلیم کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم کا بندوبست بھی کیا جائے، تو آنجناب کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ ان دِینی مدارس کے ابتدائی درجات میں باقاعدہ تمام عصری علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، ان دِینی مدارس کے بورڈ، وفاقہائے مدارس کے نصاب میں اُردو، انگلش، حساب اور جغرافیہ باقاعدہ پڑھایا جاتا ہے، اور ان دِینی مدارس کی تعلیم کا معیار ملک بھر کے عصری و سرکاری اسکولوں سے کسی طرح کم نہیں اور بحمداللہ! ان مدارس کے فاضل سرکاری یونیورسٹیوں کے تعلیم یافتہ افراد سے ہر اعتبار سے فائق ہیں۔

ان مدارس میں جہاں یہ تمام عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں، وہاں قرآن، حدیث، فقہ، اُصولِ فقہ، تفسیر، اُصولِ تفسیر کے علاوہ ادب، فلسفہ، فلکیات، منطق، معانی وغیرہ دُوسرے متعدّد ایسے علوم بھی پڑھائے جاتے ہیں، جن کے نام سے بھی سرکاری اسکولوں کے فاضل ناآشنا ہیں۔

ضرورت تو اس کی تھی کہ سرکاری اسکولوں کو مشرف بہ اسلام کیا جاتا اور ان میں دِین و مذہب، عربی، فارسی، قرآن و حدیث، تفسیر، فقہ و اُصولِ فقہ کی تعلیم کا انتظام کیا جاتا، لیکن اس کے برعکس ان مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے عنوان سے ان کی حریت و آزادی پر قدغن لگانے اور ان کی افادیت کو ختم کرنے کی منصوبہ بندی کی جارہی ہے۔

جنابِ صدر! اگر آپ کو ملک و قوم کی خیرخواہی اور نسلِ نو کے مستقبل کا کچھ پاس ہے تو ہم نہایت اِخلاص سے عرض کرنا چاہیں گے کہ دِینی مدارس کی اصلاح اور

ان کو ”قومی دھارے میں شامل کرنے“ کی فکر کی بجائے سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی اصلاح اور ان کے نظامِ تعلیم پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ جہاں تک دِینی مدارس کی کارکردگی کا تعلق ہے بحمداللہ! وہ اپنی بساط سے بڑھ کر خدمات انجام دے رہے ہیں، بحمداللہ! وہ بے بضاعتی اور قلتِ وسائل کے باوجود اپنے قیام کے مقاصد کو نہایت اَحسن انداز سے پورا کر رہے ہیں۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی سے وہ ناموافق حالات، مخالفتوں اور رُکاوٹوں کے باوجود بلاتوقف و تخلّف ملک و قوم کی خدمت کر رہے ہیں، جبکہ سرکاری اسکول و کالج اور یونیورسٹیاں، سرکاری امداد، تعاون اور سرپرستی کے باوجود انحطاط و تنزل اور ابتری کی طرف رواں دواں ہیں، ان کا نظامِ تعلیم اور معیارِ تعلیم جیسا کچھ ہے، وہ جنابِ صدر اور پوری قوم سے اوجھل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج پاکستانی شہری اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے سرکاری اسکولوں کے بجائے پرائیویٹ اسکولوں کا رُخ کر رہے ہیں، اور ملک بھر میں پرائیویٹ اسکول ایک نفع بخش کاروبار اور دِلکش صنعت کا رُوپ دھار چکے ہیں، اور عموماً یہ تأثر پایا جاتا ہے کہ بچوں کو سرکاری اسکولوں میں بھیجنا، ان کے اوقات ضائع کرنے اور اخلاقی قتل کے مترادف ہے۔ کیا ایسے سرکاری اداروں کی اصلاح کی ضرورت نہیں؟ کہیں دِینی مدارس کو قومی دھارے میں شامل کرنے کے پیچھے بھی اس قسم کے عزائم کی تکمیل تو کارفرما نہیں کہ ان کی افادیت ختم کرکے انہیں بھی سرکاری اسکولوں کی طرح بے مقصد بنادیا جائے؟ جنابِ صدر! پہلے اپنے گھر کی خبر لیجئے! پھر دُوسروں کی طرف توجہ فرمائیے۔ ہاں! جب سرکاری اسکولوں کا معیار اور کردار مثالی بن جائے اور دِینی مدارس اس معیار کے نہ ہوں تو شوق سے ان کی فکر کیجئے گا۔

۵:... جنابِ صدر اپنی اسی تقریر و خطاب میں مزید ارشاد فرماتے ہیں:

> ”...مدارس بچوں کو صرف خطیب نہیں، بلکہ ڈاکٹر و انجینئر بھی بنائیں......“

۱:... بادی النظر میں صدر صاحب کا یہ ارشاد بڑا ہی خوشنما اور دِلکش ہے، لیکن بغور دیکھا جائے تو موصوف کی تعلیمی شعبے سے لاعلمی اور جہالت کا منہ بولتا ثبوت ہے، کیونکہ دِینی مدارس کا قیام ڈاکٹر و انجینئر پیدا کرنے کے لئے نہیں، بلکہ خداشناس حافظ و قاری، مفتی، محدّث، مفسر اور علمائے دِین بنانے کی غرض سے عمل میں لایا گیا تھا، اور وہ بحمداللہ! اپنے اس مقصد کو بخوبی انجام دے رہے ہیں۔

۲:... دِینی مدارس صرف دِین کی تعلیم کے لئے وقف ہیں اور ان کو صرف دِین کی تعلیم کے لئے چندہ دیا جاتا ہے، اب اگر چندہ تو دِین کے لئے لیا جائے اور تعلیم غیرِ دِین کی دی جائے تو یہ ان اہلِ خیر کے ساتھ دھوکا اور خیانت ہوگی جو دِین کے نام پر ان مدارس کی امداد و معاونت کرتے ہیں، کیا وہ نہیں کہیں گے کہ ڈاکٹر و انجینئر بنانے کے لئے سرکاری ادارے کچھ کم تھے کہ تم نے بھی ان مدارس کو دُنیاطلبی کا ذریعہ بنادیا؟

۳:... کیا ہم جنابِ صدر سے پوچھ سکتے ہیں کہ انہوں نے کبھی یہ خوبصورت و صائب اور خیرخواہانہ مشورہ سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کو بھی دیا ہے؟ اگر نہیں تو کیوں؟ بلاشبہ جس طرح کسی ایک خاص شعبے کے ادارے سے یہ توقع رکھنا کہ اس میں دُوسرے علوم و فنون پڑھائے جائیں، حماقت و جہالت ہے، اسی طرح دِینی مدارس ...جو خالص دِینی تعلیم کے لئے وقف ہیں... ان کو ڈاکٹر و انجینئر بنانے کی تلقین کرنا بھی سفاہت و دنائت ہے۔

آج سے ۱۴ سال پیشتر گورنر پنجاب جناب میاں اظہر صاحب کے اسی طرح کے ایک ”حکیمانہ“ مشورے کے جواب میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نے جو کچھ لکھا تھا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے یہاں نقل کردیا جائے:

> ”الف:... جو ادارہ کسی خاص شعبے کی تعلیم و تدریس کے لئے مخصوص ہو، اس کے منتظمین کو مشورہ دینا کہ وہ اس

ادارے میں اس کے علاوہ فلاں کام بھی سکھایا کریں، ایک احمقانہ رائے ہے۔ آپ نے کسی زرعی کالج میں جاکر وہاں یہ مشورہ کبھی نہیں دیا ہوگا کہ وہ اپنے طلبہ کو جوتے گانٹھنے کا فن بھی سکھایا کریں، کیونکہ ملک کی ترقی کے لئے اس کی بڑی ضرورت ہے۔ اور کسی لاء کالج کے منتظمین کو کبھی یہ مشورہ نہیں دیا ہوگا کہ ان طلبہ و طالبات کو سینے پرونے کا کام بھی ضرور سکھایا کریں۔ کسی انجینئرنگ کالج کے طلبہ کو یہ مشورہ نہیں دیا گیا کہ ان کو نائی اور دھوبی کا کام بھی سکھایا جائے، یہ بھی بڑے ضروری کام ہیں۔ اس قسم کی تمام تجاویز کو احمقانہ قرار دیا جائے گا اور کوئی عقل مند ایسی تجویز پیش نہیں کرے گا، چونکہ دِینی مدارس قرآن وسنت اور دِینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماہرین تیار کرنے کے لئے مخصوص ہیں، لہٰذا ان کو یہ مشورہ دینا کہ وہ ان کو دُنیا کا کوئی پیشہ بھی سکھایا کریں، اس کی مثال ایسی ہوگی کہ کوئی شخص کیمبرج یونیورسٹی کے منتظمین کو جاکر یہ مشورہ دے کہ ازراہِ کرم وہ اپنے طلبہ کو بھنگی کا کام ضرور سکھایا کریں، کیونکہ علومِ نبوّت کے مقابلے میں جدید علوم، جن کا سب سے بڑا مقصد ہی پیٹ پوجا ہے، ان کی حیثیت شاید بھنگیوں کے پیشے سے بھی گھٹیا ہو۔

ب:... عصری علوم کی تعلیم کے لئے بے شمار تعلیم گاہیں ملک میں موجود ہیں اور ان سے فارغ ہونے والوں کی ایک بڑی اور ہولناک تعداد اپنی اعلیٰ ڈگریاں ہاتھ میں لئے حصولِ روزگار میں سرگرداں ہے، لیکن انہیں نہ ملازمت ملتی ہے اور نہ کسی اور کام میں ان کی کھپت ہے۔ جن حضرات کو دِینی طلبہ پر ترس آرہا ہے اور وہ دِینی مدارس میں عصری علوم پڑھانے کی تلقین

فرمایا کرتے ہیں، ان کو ٹھنڈے دِل سے اس پر غور کرنا چاہئے کہ ہمارے عصری علوم کے اداروں نے بے کار نوجوانوں کی کھیپ میں اضافہ کرنے کے سوا اور کون سا کارنامہ انجام دیا ہے؟ کہ ٹوٹے پھوٹے دِینی مدارس کو بھی عصری علوم کے اداروں میں تبدیل کرکے ایسے بے کار نوجوانوں کی تعداد میں اضافے کا مشورہ دیا جارہا ہے...؟

ج:... دِینی مدارس کے نصاب میں حالات و زمانہ اور عصری تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے متعدّد تبدیلیاں کی گئی ہیں اور ان مدارس کے اکابر نے بارہا اس مسئلے پر بھی غور وفکر کیا ہے کہ قرآن وسنت اور دِینی علوم کے بنیادی ڈھانچے کو قائم رکھتے ہوئے دِینی مدارس میں جدید علوم کو کس طرح سمویا جائے کہ یہ نصاب قدیم و جدید اور دِین و دُنیا کی تعلیم کا ایک حسین مرقع بن جائے، اس سلسلے میں متعدّد عملی تجربات بھی کئے گئے، لیکن ہمیں اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی عار نہیں کہ دِینی مدارس کے مقصد و موضوع کو قائم رکھتے ہوئے ابھی تک جدید علوم کا پیوند لگانا ممکن نہیں ہوا، کیونکہ عملی تجربات نے ثابت کردیا کہ اس پیوندکاری کے نتیجے میں یا تو دِینی مدارس اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائیں اور اپنے اصل ہدف کو بھول کر جدید عصری تعلیم گاہوں میں تبدیل ہوجائیں، اس صورت میں ان کو ''دِینی مدارس'' اور دِینی تعلیم کے نام پر قوم کے اہلِ خیر سے چندہ لینا جائز نہیں ہوگا۔ یا یہ نتیجہ ہوگا کہ ان مدارس سے پیدا ہونے والی نسل کے ہاتھ میں نہ دِین رہے نہ دُنیا، نہ وہ جدید علوم میں لائقِ رشک مقام حاصل کرسکیں اور نہ قرآن وسنت اور دِینی علوم میں ان کی مہارت

لائقِ اعتماد ہوگی۔“

(اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں ج:۲ ص:۳۸۵ تا ۳۸۷)

جنابِ صدر ان گزارشات کے بعد یقیناً اپنے ”نیک“ اور ”مفید“ مشورے کی ”حقیقت“ اور اس کی ”افادیت“ و ”اہمیت“ سمجھ چکے ہوں گے، مزید کچھ عرض کرنا سوءِ ادبی ہوگی، تاہم اکابر علماء اور اَربابِ مدارس موجودہ صورتِ حال سے غافل نہیں، بلکہ انہوں نے اپنے دِینی مدارس میں عصری تعلیم کا ضروری حصہ شامل کر رکھا ہے، اور انہوں نے بہت پہلے نہایت طویل غور وفکر کے بعد اَربابِ حکومت سے اپنی یہ تجویز بھی پیش کر رکھی ہے کہ:

”نصاب میں قدیم و جدید کی پیوندکاری کے بجائے یہ صورت اختیار کی جائے کہ دِینی مدارس کے فضلاء میں جو حضرات ذہین و فطین ہوں، وہ دِینی علوم سے فراغت کے بعد جدید علوم میں خصوصی مہارت حاصل کریں، یہ صورت قابلِ عمل بھی ہے اور بہت سے فضلاء نے اس میدان میں لائقِ تحسین کامیابیاں بھی حاصل کی ہیں۔“

(اربابِ اقتدار سے کھری کھری باتیں ج:۲ ص:۳۸۷)

اس کے ساتھ ہی اس پر بھی غور کیا جائے کہ دُنیاوی اور عصری تعلیم گاہوں سے فراغت کے بعد ایسے حضرات، جو دِینی ذہن رکھتے ہوں اور نہایت ذہین و فطین ہوں، ان کو دِینی مدارس کی طرف متوجہ کیا جائے اور وہ اس میدان میں اختصاص حاصل کرکے سرکاری اداروں کی اصلاح و تربیت کی طرف توجہ دیں۔ یوں دِین و دُنیا کا حسین امتزاج بھی حاصل ہوجائے گا اور دونوں قسم کی تعلیم گاہیں اپنے اپنے میدان میں نہایت حریت و آزادی سے بہتر سے بہتر انداز میں خدمات بھی انجام دے سکیں گی۔

۶:... اپنی اسی تقریر میں صدر جنرل پرویز مشرف صاحب عوام کو علماء کے

خلاف بغاوت کا درس دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

”اسلام امن، روشنی خیالی اور محبت کا مذہب ہے، مسلمانوں میں یہ ہمت اور شعور ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کو خود سمجھیں، نہ کہ ہم اسلام کو مولوی صاحبان کے حوالے کردیں اور خود الگ ہوکر بیٹھ جائیں، کوئی بھی مولوی یا باریش شخص مسجد میں کھڑے ہوکر جو مرضی بکواس کرے، غلط سلط کہتا رہے، ہم اسے کچھ نہیں کہتے، اسی لئے غیر منطقی اور فضول باتیں کہنے کا سلسلہ بڑھتا جارہا ہے، ہم میں جرأت ہونا چاہئے، اگر کوئی عقل کی بات نہیں کرتا تو اسے ٹوکنا چاہئے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ ایسے لوگوں سے تعاون کی نہیں بلکہ گرفتار کروانے کی ضرورت ہے۔“

چشمِ بد دُور! جنابِ صدر نے نائبینِ رسول، وارثانِ منبرِ نبوی اور علمائے اُمت کے بارے میں جن ”پاکیزہ“ خیالات اور ”مہذّب و شائستہ“ زبان کا استعمال فرمایا ہے، انہیں پڑھ کر کسی شریف شہری، مہذّب پاکستانی اور دُنیا بھر کے غیرجانبدار مسلمانوں کو یقین نہیں آسکتا کہ یہ کسی سنجیدہ اور شریف انسان کا کلام ہے، چہ جائیکہ ایک مسلمان ملک کے ذمہ دار، فوجی سربراہ اور صدارت کے اعلیٰ منصب پر فائز شخص کا کلام ہو۔ یہ یقین کرنا اَزبس مشکل ہے کہ جنابِ صدر اہلِ دِین اور علماء دُشمنی میں اتنی پست سطح پر اُتر کر ایسی سوقیانہ اور گھٹیا گفتگو بھی کرسکتے ہیں؟ مگر چونکہ ۲۱/نومبر ۲۰۰۳ء سے تادَمِ تحریر ۲۰/دسمبر ۲۰۰۳ء تک ان کی طرف سے اس کی کوئی تردید نہیں آئی تو اس کا یقین کئے بغیر چارہ نہیں کہ واقعتاً ”کوثر و تسنیم“ سے دُھلی زبان اور ”تہذیب و شائستگی“ کے یہ ”شہ پارے“ عزّت مآب صدرِ پاکستان جناب جنرل پرویز مشرف صاحب ہی کے ہیں۔

اُصولی طور پر صدرِ پاکستان ہی نہیں، ہرفوجی اور پاکستانی کو دِینی، ملّی رُجحانات

اورفکری احساسات میں مکمل آزادی ہے، انہیں یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی ذات کی حد تک جو چاہیں عقیدہ رکھیں اور جس مذہب و ملت کو چاہیں اپنائیں، اسی طرح ملّی زعماء، سیاسی قائدین اور بین الاقوامی لیڈروں میں سے جس کو چاہیں اپنا آئیڈیل اور ہیروقرار دیں،لیکن بحیثیت صدرِ پاکستان، وہ ایک مسلمان ملک کے سربراہ ہیں، انہیں اسلامی اقدار کی پاسداری، اکابر علمائے اُمت کی اتباع،نہیں تو کم از کم ان کی لحاظ داری اور مسلمانوں کے جذبات کا خیال رکھنا لازم ہے، اسی طرح ان کے اخلاقی فرائض میں شامل ہے کہ جس طرح وہ عیسائی، یہودی، ہندو اور دُوسری اقلیتوں کے جذبات کا احترام کرتے ہیں، اسی طرح پاکستان کی مسلم اکثریت کے جذبات کا پاس کرتے ہوئے ان کے دِینی اور مذہبی راہ نماؤں کی عزّت واحترام کا بھی لحاظ رکھیں۔

ان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ علمائے دِین اور نائبینِ رسول کے خلاف بازاری اورگھٹیا زبان استعمال کریں، انہیں بدنام کریں، ان کو گالیاں دیں اور دِینی تعلیم کے پُرامن مراکز، مساجد و مدارس پر کیچڑ اُچھالیں اور ان کے خلاف ''بکواس'' جیسے غلیظ الفاظ استعمال کریں۔

جنابِ صدر! کسی کو گالی دینے سے اس کا کچھ بگڑے یا نہ بگڑے، البتہ گالی دینے والے کی ذہنی سطح کا اندازہ ہوجاتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:''سباب المسلم فسوق وقتاله کفر'' (مسلمان کو گالی دینافسق اوراس کوقتل کرنا کفر کی علامت ہے) جنابِ صدر! آپ کے ان غیرشائستہ الفاظ سے جہاں آپ کی زبان گندی ہوئی، وہاں اس کا بھی اندازہ ہوا کہ آپ دِلی طور پرمسلمانوں اور ان کے دِینی و مذہبی راہ نماؤں کے بارے میں کس قدر''نیک'' جذبات رکھتے ہیں؟ اورآپ کے دِل میں ان کا کس قدر احترام واکرام ہے؟ آپ کے ان''شہ پاروں'' سے لوگ یہ قیاس آرئیاں بھی کریں گے کہ''برتن سے وہی چھلکتا ہے جو کچھ اس میں ہوتا ہے'' اسی طرح موافق ومخالف یہ بھی کہیں گے کہ:

تا مردسخن نہ گفتہ باشد
عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جنابِ صدر! علماء مسجدوں کے منبر پر''بکواس'' نہیں فرماتے بلکہ قرآن و حدیث،علومِ نبوّت اوراُسوۂ حسنہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ جنابِ صدر! آپ نے عوام سے یہ اپیل کرکے کہ''وہ مولویوں کو ٹوکیں'' نہ صرف علماء کی توہین کی ہے، بلکہ پوری پاکستانی برادری کے۱۴کروڑ مسلمانوں کو گالی دی ہے،کیا آپ کے خیال میں وہ ایسے ناخواندہ، جاہل اور بے غیرت ہیں کہ ان کے سامنے منبرِرسول پر''بکواس'' کی جاتی ہے اور وہ خاموش تماشائی اور بے غیرتی و دیوثی کا مجسمہ بن کر اس کوٹھنڈے پیٹوں ہضم کرجاتے ہیں؟ ہم اپنی قوم اور مسلمانوں سے اتنا بدظن نہیں، کہ وہ دِین کے معاملے میں اس قدر بےحسی کا مظاہرہ کریں، بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ ان کو علمائے اُمت نے جوتعلیم وتربیت دی ہے، وہ ایسی کسی''بکواس'' کے سننے کے روادارنہیں، اگر وہ ایسے ہی بے غیرت ہوتے تو غلام احمد قادیانی اور اس جیسے دُوسرے ملعونوں کو بھی برداشت کرجاتے، وہ یوسف کذّاب اور راجپال کوٹھکانے نہ لگاتے، اگر وہ ایسے ہی بے غیرت ہوتے تو سکندر مرزا سے اب تک کے آمروں کو برداشت کرجاتے اور ان کے خلاف مزاحمت کی کوئی تحریک نہ اُٹھاتے، اگر وہ اتنا ہی جاہل و اُجڈ ہوتے تو ۱۹۵۳ء،۱۹۷۴ء، ۱۹۷۷ء،۱۹۸۴ء کی تحریکیں نہ اُٹھتیں، بلکہ سرے سے قیامِ پاکستان کا مرحلہ ہی پیش نہ آتا۔

جنابِ صدر! یہ انہیں علماء کی مساعیٔ جمیلہ اورعوام کو دیئے گئے شعور کی برکات ہیں کہ آج آپ ایک اسلامی ملک کے سربراہ ہیں، ملک میں دِین داری ہے، مساجد ہیں، مدارس ہیں اور مسلمانوں میں دِین و مذہب کا شعور ہے، اگر یہ علماء بقول آپ کے''بکواس'' نہ کرتے تو یہاں سے اسلام کب کا رُخصت ہوگیا ہوتا اور یہاں مغرب کی طرح مادر پدر آزادی کا راج ہوتا اورآپ کو ان علماء کے خلاف''جہاد'' کی ضرورت

بھی پیش نہ آتی۔

۷:... جنابِ صدر مزید فرماتے ہیں:

''اسلام امن، روشن خیالی اور محبت کا مذہب ہے، مسلمانوں میں ہمت اور شعور ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کو خود سمجھیں نہ کہ ہم اسلام مولوی صاحبان کے حوالے کردیں اور خود الگ ہوکر بیٹھ جائیں۔''

جنابِ صدر کا یہ ارشاد بظاہر بہت ہی خوشنما، خوبصورت اور دِلکش ہے کہ اسلام کو سمجھنے کی سعی و کوشش کی جائے اور اس میں زیادہ سے زیادہ دِلچسپی لی جائے۔ لیکن اگر بغور دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ موصوف مسلمانوں کو دِین و مذہب میں دِلچسپی لینے سے زیادہ خودرائی اور خودرَوی اور علماء سے بغاوت و سرکشی کا درس دینا چاہتے ہیں۔ دُوسرے لفظوں میں وہ مسلمانوں کو اس کی تلقین فرمانا چاہتے ہیں کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اِلٰہی دِین اور آسمانی کتابوں کی تعبیر و تشریح میں حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے جانشینوں کی تعلیم و تربیت کے برعکس خود تراشیدہ تأویلات اور نفسانی خواہشات پر اعتماد کرتے ہوئے دِین و مذہب سے ''آزادی'' حاصل کرلی ہے، تمہیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے مذہب کے جوئے کو اپنی گردن سے اُتار پھینکنا چاہئے، جس طرح وہ مذہب و ملت کی قید سے آزاد ہیں، تمہیں بھی مذہب سے ''آزادی'' حاصل کرلینی چاہئے، جس طرح انہوں نے مذہب و سیاست کو الگ الگ کردیا ہے، تمہیں بھی اس ''زرّیں'' اُصول کو اپنانا چاہئے، جس طرح وہ مذہب کو فرد کا انفرادی معاملہ کہہ کر اس میں کسی مداخلت کے روادار نہیں، تمہیں بھی اپنے مذہبی معاملے میں کسی مُلّا، مولوی، محدّث و مفسر، اِمام و فقیہ اور اسلافِ اُمت میں سے کسی کی اِتباع نہیں کرنا چاہئے، بلکہ قرآن و سنت کو اپنی عقلِ نارسا سے سمجھنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ فہمِ دِین کے لئے تمہیں کسی کے علم و تحقیق اور تعبیر و تشریح پر

اعتماد کی بجائے اپنی ذاتی پسند و ناپسند اور خواہشِ نفس پر اعتماد کرنا چاہئے۔

جنابِ صدر کا لائق و صائب مشورہ اور خوبصورت تشویق و تحریض کس قدر ''حکیمانہ'' ہے؟ اس کی تشریح و توضیح کی چنداں ضرورت نہیں۔ البتہ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ کیا کبھی جنابِ صدر نے فنونِ دُنیا اور علومِ جدیدہ کے طلبہ کو بھی اس کی تلقین و تشویق فرمائی ہے کہ ماہرینِ فن کی کورانہ تقلید کی بجائے اپنی عقل و فہم پر اعتماد کیا جائے؟ کیا انہوں نے کبھی طب و زراعت، انجینئرنگ اور سائنس کے طلبہ کو بھی اس طرح متوجہ کیا ہے کہ: ''طب و زراعت اور سائنس و انجینئرنگ کو خود سمجھنے کی کوشش کریں اور ان فنون کو اساتذۂ فن کے حوالے کرکے خود الگ ہوکر نہ بیٹھ جائیں''؟ اگر نہیں، تو کیوں؟ کیا یہ علوم و فنون غیر اہم ہیں؟ کیا ان شعبوں میں مہارت و اختصاص پیدا کرنے کی ضرورت نہیں؟ سوال یہ ہے کہ آخر ان علوم و فنون کی تعبیر و تشریح اور ان کی اصطلاحات میں ماہرین کی تقلید کیوں کی جاتی ہے؟ دریافت طلب اَمر یہ ہے کہ جب مخلوق کے مرتب کردہ علوم و فنون اور انسانوں کی وضع کردہ اصطلاحات میں ہم اپنی طرف سے اس میں کسی حک و اضافہ، اس کی کسی تفسیر و تشریح کے مجاز نہیں، تو اِلٰہی دِین اور آسمانی کتاب میں کیونکر اس کی اجازت دی جاسکتی ہے...؟

جنابِ صدر! جن لوگوں نے بھی خواہشِ نفس اور ذاتی پسند و ناپسند سے آسمانی کتابوں اور اِلہامی دِین کو سمجھنے کی غلط رَوِش اپنائی، وہ اِلحاد و زَندقہ کی خارزار وادیوں میں گم ہوگئے، یہود و نصاریٰ کی گمراہی، توراۃ، زَبور اور اِنجیل وغیرہ تمام آسمانی کتابوں کے دُنیا سے ناپید ہونے اور ان میں تحریف و تبدل کا سبب یہی ناپاک رَوِش تھی، اسی طرح مسیلمہ کذّاب و اَسودعنسی سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز تک تمام ملحدین کی گمراہی کا سبب بھی یہی اغوائے شیطانی تھا کہ انہوں نے قرآن و سنت کو اپنی خواہشات کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کی ناپاک کوشش کی، انجامِ کار وہ خود ہی جادۂ مستقیمہ سے ہٹ کر شیطان کے ہم نوا بن گئے۔

کیا آنجناب بھی پاکستان کے مسلمانوں کو ...نعوذ باللہ... یہ مشورہ دے کر یہود و نصاریٰ، اَسود عنسی، مسیلمہ کذّاب، غلام احمد قادیانی اور غلام احمد پرویز کی راہ پر لگانا چاہتے ہیں؟

جنابِ صدر! جس طرح دُنیاوی علوم وفنون میں ذاتی مطالعہ، جنگل کی خودرو گھاس سے زیادہ قیمت نہیں رکھتا، اور ایسے عطائی مسیحا کو حوالۂ زنداں کیا جاتا ہے، ٹھیک اسی طرح دِین میں بھی جو شخص اس کا مظاہرہ کرے گا وہ اِلحاد و زَندقہ کی وادیوں میں بھٹک کر اسلام کی سرحد کو پار کر جائے گا۔ خدارا! دِین و مذہب اور قرآن و سنت کے بارے میں احتیاط کو مدِنظر رکھئے اور "ضَلُّوْا فَأَضَلُّوْا" کا مصداق نہ بنئے۔

۸:... جنابِ صدر نے فرمایا ہے کہ:

"ہم مسجدوں اور مدرسوں کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔"

انہوں نے ڈیفنس کراچی کی ایک مسجد کی مثال دے کر فرمایا کہ:

"اس کے باہر کچھ نوجوان پمفلٹ اور پوسٹر بانٹ رہے تھے، جن میں انتہاپسندی کی دعوت دی گئی تھی۔"

سوال یہ ہے کہ جب مسجد کے اندر کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں تھی تو مسجد کا غلط استعمال کیونکر ہوا؟ پھر مسجد کے قضیہ میں مدرسوں کا تذکرہ کہاں سے آگیا؟ اسی طرح یہ بات بھی ہے کہ اس میں مسجد و مدرسہ والوں کا کیا قصور ہے؟ اس لئے کہ بالفرض اگر کوئی نام نہاد انتہاپسند کسی سرکاری عمارت یا بلڈنگ بلکہ ایوانِ صدر کے باہر ایسا لٹریچر بانٹ رہا ہو تو کیا سرکاری بلڈنگ اور ایوانِ صدر کو مطعون کیا جائے گا؟ اگر نہیں، اور یقیناً نہیں، تو مسجد و مدرسہ کو کیونکر مطعون کیا جاتا ہے؟

جنابِ صدر نے جس "انتہاپسندی" کا تذکرہ فرمایا ہے خود ان کے بیان میں آگے اس کی وضاحت بھی موجود ہے کہ: "وہاں جہاد کی فضیلت، دعوت اور اس کا چندہ کیا جارہا تھا۔"

جنابِ صدر، ماشاء اللہ! حاضر سروس فوجی اور فوج کے سربراہ ہیں، ان کو معلوم ہوگا کہ فوج کا مقصد ہی دِفاعِ اسلام اور ملکی سرحدات کا تحفظ ہے، کیا اسی کا نام "جہاد" نہیں؟ اگر یہ "انتہاپسندی" ہے تو جنابِ صدر ہی فرمائیں کہ پھر ہماری افواج کا کیا مصرف رہ جاتا ہے؟ کیا جہاد منسوخ ہوگیا ہے؟ کیا قرآن میں جہاد کی آیات اور جہاد کی تیاری سے متعلق نصوص، اور ذخیرۂ احادیث بھی ...نعوذ باللہ... انتہاپسندی کی تعلیم پر مبنی ہیں؟ اگر جہاد کی دعوت وفضیلت "انتہاپسندی" ہے تو پھر جنابِ صدر بھی بحیثیت ایک مسلمان کے "انتہاپسند" ہیں، کیا ...نعوذ باللہ... جنابِ صدر کا ان آیات و احادیث پر ایمان نہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کو "انتہاپسندی" کہنا محلِ نظر ہے۔

جنابِ صدر! بلاشبہ جہاد اسلامی فریضہ ہے اور وہ قیامت تک باقی رہے گا، اسے "انتہاپسندی" کہنا صحیح نہیں۔ ہاں! یہ کہا جاسکتا ہے کہ چونکہ ہمارے خیال میں اس وقت اس کی ضرورت نہیں اور حکومت کی جانب سے اس کی اجازت نہیں تو اسے موقوف رکھا جائے، لیکن اسلام دُشمنوں سے متأثر ہوکر اسے "انتہاپسندی" کہنا آپ کے شایانِ شان نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!

وصلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہ محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

(ماہنامہ "بینات" کراچی ذوالقعدہ ۱۴۲۴ھ مطابق جنوری ۲۰۰۴ء)

کذب وافترا کا طوفان
اور ہماری بے حسی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

مشہور کہاوت ہے کہ: "الناس علیٰ دین ملوکھم" یعنی لوگوں کا ذوق و مذاق اور دِین و مذہب وہی ہوتا ہے جو ان کے حکمرانوں، بادشاہوں اور اَربابِ اقتدار کا ہو۔

تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں دیکھا جائے تو بلاشبہ یہ کہاوت صد فی صد صحیح اور دُرست ہے، کیونکہ عموماً کسی ملک کی عوام اپنی انفرادی زندگی، قول وفعل، بود و باش، لباس و پوشاک، رہن سہن، طرزِ زندگی، حتیٰ کہ دِین وملت اور مذہب وعقیدے میں اسی کو اختیار کرتی ہے جس کو اَربابِ اقتدار کی پسندیدگی کا اعزاز حاصل ہو۔

دُور جانے کی ضرورت نہیں! اسی پاکستان کے مختلف ادوار کے حکمرانوں کے ذوق و مذاق کے اختلاف اور پسند و ناپسند کی تاریخ سے اس کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، چنانچہ جس دور میں حکمرانوں نے انگریزی لباس: پینٹ شرٹ اور مغربی طرزِ زندگی کو اختیار کیا، تو قریب قریب عوام بھی اسی وضع قطع کی دِل دادہ تھی، لیکن بعد میں آنے والے حکمرانوں نے جب شلوار قمیص اور شیروانی کو رواج دیا تو اسے نشانِ شرافت اور قومی لباس کا درجہ حاصل ہوگیا، اور چھوٹے سے بڑے اور نیچے سے اُوپر تک سب ہی اس میں ملبوس نظر آنے لگے۔

اسی طرح جب ایک حکمران نے عمرہ پر جانے کی طرح ڈالی تو، دِل سے نہ سہی، مگر سب ہی کو اس سعادت کا شوق چرانے لگا، ایسے ہی جب کسی سربراہ نے ہاتھ میں تسبیح پکڑی تو ان کے عقیدت کیش اور جیالوں نے نہ چاہتے ہوئے بھی اسے اپنانے کی سعی وکوشش فرمائی۔

اور... اب آخر میں ... جب موجودہ حکمرانوں نے دِینی مدارس، مساجد، علماء، اربابِ دِین اور جہاد ایسے مقدس ومنصوص اسلامی فریضے کو مطعون کرنے کی رَوِش اپنائی تو اُوپر سے نیچے تک ان کے وفا شعار غلام، مخلص کارکن اس "کارِ خیر" میں پیش پیش نظر آئے۔ یہاں تک کہ جو لوگ کبھی مدارس و مساجد اور علماء کی قربانیوں کے حق میں مقالات ومضامین لکھا کرتے تھے، وہی اب ان کی مخالفت کا صور پھونکتے نظر آرہے ہیں، اسی طرح جو لوگ کبھی جہاد کے حامی حکمرانوں اور سربراہوں کی تقریریں لکھا کرتے تھے، اب وہی اسے "دہشت گردی" کا "حسین" ٹائٹل دے رہے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح جو لوگ کبھی دِینی مدارس کو بہترین تعلیمی ادارے اور علماء کو بہترین شہری قرار دیتے تھے، اب وہ انہیں "دہشت گردی کے اَڈّے" اور "ملکی ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ" باور کراتے نظر آتے ہیں۔

توجہ طلب اَمر یہ ہے کہ یہ سب کچھ ایک دم کیسے ہوگیا؟ اس کے کیا اسباب و محرکات تھے؟ آخر ایسی کون سی افتاد آن پڑی کہ یک لخت دِل و دِماغ کی کیفیت بدل گئی؟ انداز و اطوار بدل گئے، وفاداریاں تبدیل ہوگئیں، ضمیروں کی سوچ اور سوچوں کے دھارے بدل گئے...؟

ہمارے خیال میں اس کی سب سے بڑی وجہ اَربابِ اقتدار کے ذوق و مذاق اور قبلے کی تبدیلی ہے، رہے عوام اور نام نہاد دانشور! نہ ان کی اپنی سوچ وفکر ہے اور نہ ذوق و مذاق، اس لئے جب تک اربابِ اقتدار، دِینی مدارس، علماء، اربابِ دِین اور جہاد کو اچھا کہتے رہے، ان کے حاشیہ بردار اور "نظریاتی" کارکن بلکہ وفادار ملازم

بھی انہیں اچھا کہتے اور لکھتے رہے، لیکن جیسے ہی ان کے آقاؤں کا قبلہ بدلا، ان کی نگاہیں بھی خود بخود بدل گئیں، لہٰذا وہ بھی انہیں بُرا کہنے اور لکھنے لگے، کیونکہ وہ ''بینگن کے نہیں، شاہ کے ملازم ہیں''۔

موجودہ دور چونکہ مصلحت کوشی، مفاد پرستی، حرص و آز، طمع و لالچ اور مادّیات کا دور ہے، اس لئے پسند و ناپسند کے معیار، ذوق و مذاق اور اصطلاحات و اقدار میں بھی زمین و آسمان کی تبدیلی آچکی ہے۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جدید اصطلاح میں عقل مندی و دانشوری اس کا نام ہے کہ جرأت و ہمت، خلوص و اِخلاص، حق گوئی و بے باکی ایسی ''فرسودہ'' روایات کو خیر باد کہہ کر ذاتی مفادات اور نجی اغراض کا تحفظ کیا جائے، ''سرکاری حق'' کو حق اور ''سرکاری باطل'' کو باطل کہا جائے، یہی ''حق و سچ'' اور ''امانت و دیانت'' ہے، اور اسی میں عزّت وعظمت اور ترقی کا راز ہے۔

چنانچہ حالات و واقعات اور قیاس وقرائن سے بھی یہی اندازہ ہوتا ہے کہ آج کل ہماری جدید تعلیم گاہوں اور مغربی تربیت گاہوں میں اس مضمون پر خصوصی توجہ دی جارہی ہے۔

غالبًا یہ اسی کی برکات ہیں کہ اب ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ، بیوروکریسی اور صحافی اپنے آپ کو حکومت مخالفت کی کسی آزمائش میں نہیں ڈالنا چاہتے، چنانچہ جوں ہی اربابِ اقتدار کا قبلہ تبدیل ہوتا ہے یا کسی معاملے میں ان کی رائے بدلتی ہے، ہمارے دانشوروں، صحافیوں اور بیوروکریسی کی سوچیں خود بخود بدل جاتی ہیں، ان کی تنقید وتضحیک کے ترکش کے سارے تیروں کا رُخ قوم و ملک اور اسلام دُشمنوں کے بجائے اپنوں ہی کی طرف ہوجاتا ہے، جس کی واضح مثال یہ ہے کہ جب سے حکمرانوں کو دِینی مدارس، مساجد، اربابِ دِین، جہاد و مجاہدین کے کردار میں ''دہشت گردی'' کے ''جراثیم'' نظر آنے لگے، اس وقت سے لادِین صحافیوں کی ساری صلاحیتیں

اسی ''کارِخیر'' کے لئے وقف ہوگئیں۔

خدانخواستہ ایسا لگتا ہے کہ اب مسلمانوں میں دِین و ایمان اور عقائد ونظریات نام کی کوئی چیز نہیں، ان کا ہر قدم کسی کے ایماء پر اُٹھتا اور رُکتا ہے، مفادات کی بیڑیاں اور اَغراض کی زنجیریں انہیں حق گوئی و آزادیٔ اظہارِ رائے سے روکتی ہیں، وہ وہی کچھ بولتے اور لکھتے ہیں جو ذاتی اغراض و مفادات ان سے بلواتے اور لکھواتے ہیں۔

اے کاش! کہ ہم نے مغرب، مغربی حکمرانوں اور ان کے اسلام دُشمن صحافیوں سے کچھ سبق لیا ہوتا، کہ آج تک وہ اپنی قوم و ملک اور مذہب وملت سے بے وفائی کے روادار نہیں، بلکہ وہ اپنے ملک اور ملک کے ایک ایک فرد کے لئے وکیلِ صفائی کا کردار ادا کر رہے ہیں، اس کے برعکس ہم اپنے ملک، اس کی عوام، دِین و مذہب، مذہبی راہ نماؤں اور دِینی اداروں کو بدنام کرنے میں اغیار کے اشاروں پر ناچ رہے ہیں۔

یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ جب سے ہمارے حکمرانوں، بیوروکریسی اور لادِین صحافیوں نے اپنے سائنس دانوں، دِینی قومی راہ نماؤں، دِینی اداروں، علماء اور جہاد و مجاہدین کے خلاف محاذِ جنگ کھولا ہے، اغیار نے کھل کر ان کو بدنام کرنے کی مہم شروع کردی ہے۔

اس وقت اسلام دُشمن قوتوں کی تمام تر صلاحیتیں اس پر صَرف ہورہی ہیں کہ کسی طرح دِینی مدارس، علماء، جہاد اور مجاہدین کے حوالے سے اسلام کو بدنام کیا جائے، اور مسلمان عوام میں انہیں گالی کا درجہ دے دیا جائے، اسی طرح بین الاقوامی سطح پر بھی اسلام اور مسلمانوں کو قاتل و دہشت گرد باور کراکر ان کے خلاف انتہائی اقدام کے جواز کی سند حاصل کرلی جائے، تاکہ جب ان کے خلاف کاروائی کی جائے تو ان کے حق میں آواز اُٹھانے والا کوئی نہ ہو۔

شومیٔ قسمت کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ہونے والی اس بدترین سازش کے بنیادی کردار اور ذمہ دار ہمارے اربابِ اقتدار ہی ہیں، اس لئے کہ جب کسی ملک کا حکمران اپنی عوام، گھر کا سربراہ اپنے افرادِ خانہ، اور باپ اپنی اولاد کو چور،

ڈاکو، قاتل و دہشت گرد کہے اور ان کو پکڑ پکڑ کر حوالۂ زنداں کرے تو دُوسرے کیونکر انہیں چور، ڈاکو، قاتل و دہشت گرد نہیں کہیں گے...؟ اسی طرح جب کوئی ان کے سربراہ کی تقلید میں انہیں چور، ڈاکو اور قاتل و دہشت گرد کہے، یا انہیں حوالۂ زنداں کرے، تو وہ کیونکر ان کے منہ پر ہاتھ رکھ سکے گا...؟ کچھ یہی حال اس وقت ہمارے حکمرانوں، بیوروکریسی اور لادِین صحافیوں کی ''مساعیٔ جمیلہ'' کا ہے کہ جب سے انہوں نے یہ ''مبارک'' محنت شروع کی ہے، اسلام دُشمنوں کو کھلے عام اسلام، مسلمانوں، دِینی مدارس اور علماء کے خلاف بہتان تراشی، افترا پردازی اور انہیں بدنام کرنے کا موقع میسر آگیا ہے، اور اب ان کی زبان وقلم کو کوئی نہیں روک سکتا۔

ہمارے خیال میں اس وقت بین الاقوامی میڈیا، خصوصاً اُردو اور انگریزی اخبارات میں دِینی مدارس اور علماء کے خلاف جو طوفانِ بدتمیزی برپا ہے وہ ہماری اسی حماقت کا ثمرہ اور نتیجہ ہے۔

دِینی مدارس اور علماء کے خلاف انگلش اخبارات میں کیا کچھ اُچھالا جارہا ہے؟ اس کی ایک جھلک کا مشاہدہ کرنے کے لئے امریکی میگزین ''ٹائمز'' ۷رستمبر۲۰۰۳ء میں شائع ہونے والی ''ٹم مک گر'' کی ایک رپورٹ کے چند اقتباسات پیشِ خدمت ہیں، جسے ماہنامہ ''بینات'' کے ایک مخلص قاری اور حساس مسلمان نے ترجمہ کرکے بھیجا ہے اور ساتھ ہی یہ فرمائش بھی کی ہے کہ ''بینات'' میں حقائق لکھ کر اس پروپیگنڈے کا سدِ باب کیا جائے، موصوف کے خط کے ضروری اقتباسات اور رپورٹ کا ترجمہ درج ذیل ہے:

''۱۵رستمبر۲۰۰۳ء کو شائع ہونے والے امریکی جریدے ''ٹائمز'' (Times) میں مسلم اُمہ کے لئے عناد سے بھرپور دو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ جس میں سے ایک کا تعلق تو سعودی حکومت کی ہمدردیوں کے پیمانے ناپنے سے ہے، جس میں بظاہر سعودی حکمرانوں کا اپنا ملک و ایمان سب کچھ امریکیوں کی نذر کرنے کے باوجود امریکہ کے لئے اعتماد کا ووٹ صرف ۱۷فیصد ہے، جو درحقیقت قرآنِ کریم کے بتلائے

گئے اُصول پر منطبق بھی ہے کہ: ''یہود و نصاریٰ تمہارے دوست کبھی نہیں ہوسکتے۔'' اس مضمون میں مزید جو کچھ بھی کہا گیا ہے وہ سب غیریقینی نہیں، بلکہ امریکی پالیسیوں کا حصہ ہے کہ ''مسلم اُمہ غریب تر بنتی چلی جائے اور مسلمانوں پر خدا کی عطا کردہ نعمتِ زَر سے مغرب مستفید ہوتا رہے'' جس کے ذمہ دار یقیناً ہمارے مسلم حکمران ہیں۔

جبکہ دُوسرے مضمون میں وطنِ عزیز کے مرکزی دِینی ادارہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے حوالے سے امریکہ کی کھلی دُشمنی کا اظہار ہے، آیئے ہم اس مضمون پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

مضمون کی ابتداء ایک بڑی تصویر سے ہے، جس میں قرآنِ کریم حفظ کرتے ہوئے بچوں اور قرآنِ کریم کی واضح عکاسی کی گئی ہے، اور جلی حروف میں یہ تحریر ہے: "Islamic other Hot Spots" جو بمعنی ''اسلام کے دُوسرے آتش دان'' بنتا ہے۔

دُوسرے صفحے پر جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا مکمل احاطہ کی ہوئی اس کی تصویر ہے، جس میں جامعہ کے صدر دروازے سے لے کر صحن تک واضح دِکھلایا گیا ہے، اس کے نیچے مضمون سے پیشتر جلی حروف میں ایک پیراگراف ہے، جس میں کہا گیا ہے کہ: ''دہشت گردی صحیح معنوں میں کہاں سے شروع ہوئی؟ گزشتہ دو سال میں امریکہ نے اپنے دُشمنوں کی کھوج میں پوری دُنیا سے اسلامی فوجداری (جہادی تنظیم) کی بیخ کنی کی بنیاد ڈالی ہے۔''

مزید یہ کہ ان جہادی تنظیموں اور اداروں جن کی جڑیں ان کے جہادی پیغامات رسانی کے ذریعہ ان کی اگلی نسلوں تک پہنچ سکتی ہیں، ان کے لئے امریکہ نے پاکستان، برطانیہ اور انڈونیشیا جیسے ممالک سے جان توڑ محنت حاصل کرلی ہے، مگر درج بالا خدشے کے پیشِ نظر ''ٹائمز'' جریدے نے ان جہادی مراکز کا اَزخود دورہ کیا اور انہیں جہادی تنظیم کے ''آتش دان'' قرار دیا ہے۔

اصل مضمون جو پاکستان سے متعلق ہے وہ یوں شروع ہوتا ہے:

''ٹھنڈے فرش کی تہوں میں؟''

''گرمیوں کی سہ پہر میں نے پاکستانی بندرگاہ کے شہر کراچی میں سینکڑوں مسلم طالب علموں کو مسجد کی محرابوں میں سخت ٹائلوں والے فرش پر سوتے دیکھا، جن پر مکھیوں کے جھنڈ کے جھنڈ لہرا رہے تھے۔

اچانک اذان کی آواز اسپیکر سے گونجی، تو یہ لڑکے طہارت و وضو کے لئے چل دیئے، ان میں کم عمر بچے جن کی عمر تقریباً ۸ سال ہوگی، یہ سب چھ گھنٹہ فی دن قرآن یاد کرتے ہیں، اور انہیں آرام اور نماز کا وقفہ ملتا ہے، جبکہ یہ طلباء ریاضی، جغرافیہ، تاریخ اور کمپیوٹر جیسے مضامین سے محروم رہتے ہیں، جبکہ ان کے ایک اُستاذ کا کہنا ہے کہ کیا یہ سارے علوم ان کو سیکھنا ضروری ہیں؟

سیّد اعجاز علی شاہ نے کچھ اس طرح کہا ہے کہ: ''پیغمبر علیہ السلام سے لے کر اب تک کرۂ اَرض پر دو ہی قوتیں جمع ہوئی ہیں، ایک مسلمان اور دُوسری غیرمسلم، جبکہ ان کے مابین لڑائی روزِ قیامت تک جاری رہے گی۔''

اسلام اتنا زیادہ دقیانوسی نہیں جتنا کہ بنوری ٹاؤن جیسے اداروں کے پڑھائے جانے والے اسباق میں ہے، جو کم و بیش اپنے ادارے سمیت شہر کی دُوسری شاخوں میں نو ہزار طلباء میں پڑھائے جارہے ہیں۔

۱۱رستمبر کے بعد آتشی زمانہ شروع ہوا، اور صدر بش اپنے غلیظ بیانات کے ذریعے فرعونیت پر اُتر آیا، جبکہ اُسامہ بن لادن کی ایک آواز (للکار) نے اسے اسلامی ہیرو (لیڈر) بنادیا۔

علامہ بنوری ٹاؤن سابقہ طالبان کمانڈوزوں کی آماج گاہ بننے والے اداروں میں سرِفہرست ہے، جو افغانستان کے لئے پاکستانی سرحدوں کے راستے القاعدہ تنظیم کو بھاری افرادی قوّت فراہم کرتا رہا ہے۔

۱۱رستمبر کے واقعے کے نتیجے میں امریکی حکومت نے ان مدارس کو دہشت گردی کے مراکز قرار دے کر ان کی تعلیمی پالیسی اور ان کے پڑھائے جانے والے نظریات پر لازمی کنٹرول حاصل کرنے کی سفارشات دی ہیں، امریکی حکومت کا یہ بھی خیال ہے کہ پرویز مشرف ضرور بالضرور ان اداروں پر پٹا ڈال کر رکھے گا۔

کتنی ہی تبدیلیاں (اب تک) ہوچکی ہیں، مگر بنوری ٹاؤن کی مسجد کے اُستادوں نے آگ بھڑکانے کا عمل جاری رکھا ہوا ہے، آج کل بنوری ٹاؤن میں بنیاد پرستی کو پروان چڑھایا جارہا ہے، آپ کو بظاہر وہ پہلے جیسے اشتہارات نظر نہیں آئیں گے، جن میں شہداء کے لواحقین کے لئے امداد مانگی گئی ہو، جو افغانستان میں امریکیوں سے لڑتے ہوئے مارے گئے ہوں، بلکہ سیاسی بیان بازی ہر وقت گردش کرتی رہتی ہے۔ جیسا کہ قاری محمد اقبال (مسجد کے ذمہ داروں میں سے ایک) نے کہا کہ: ''ہمیں پاکستانی پولیس کی طرف سے مسلسل دھمکیاں ملتی رہتی ہیں کہ ہم امریکہ یا بش کے بارے میں کوئی اختلافی بیان نہ دیں، لیکن ہم ڈرنے والے نہیں۔''

اس سلسلے میں خفیہ ادارے مسلسل ان علماء کی نگرانی کر رہے ہیں کہ آیا یہ حکومتی اَحکامات تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟

بہرحال مدرسہ کی جماعت (Class Room) کے اندر امریکی حکومت کے خلاف مسلسل بیانات و خطاب، جلتی پر تیل کا کام کر رہے ہیں، جیسا کہ بنوری ٹاؤن کے ایک اُستاذ ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب نے باور کرایا ہے کہ مغرب، اسلام کے خلاف ہے اور وہ (مغرب) ہم سے خوفزدہ ہے، ان کے خیال میں جہاد مقدس کے ذریعہ اسلام دُشمنی کے خلاف اپنا دِفاع کرنا ہمارا حق ہے۔

جبکہ ان میں اعتدال پسند راہ نما مفتی نعیم کہتے ہیں کہ:

''ہم نے اس ظالمانہ کاروائی کو (جو مغرب دُشمنی مسلمانوں کے ساتھ جاری ہے) زیر کرنے کے لئے کچھ اُصول مرتب کئے ہیں، وہ یہ کہ کوئی بھی طالبِ علم سیاسی معاملات میں ملوّث پایا گیا تو اسے نصف گھنٹے میں مدرسہ سے خارج کردیا جائے گا۔'' البتہ انہوں نے تسلیم کیا کہ: ''جہاد ہر جگہ جاری ہے، قلم سے ہو یا کسی اُردو اخبار کے مضمون کے ذریعہ، یا چائے کے کیفے میں بات چیت کے دوران، مگر یہ کہ جو کوئی مدرسہ کی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جاتا ہے تو یہ اس کی صوابدید پر ہے کہ وہ جہاد میں سے کون سا حصہ اپنے لئے پسند کرتا ہے۔''

خفیہ اداروں کی رپورٹ کے مطابق مدارس کے گرد و نواح میں ایسے افراد گردش کرتے رہتے ہیں جو نوجوانوں کو جہادی مشن کے لئے بھرتی کرسکیں، ایک جہادی تنظیم کے کارکن نے بتلایا کہ نوجوان والنٹیئر جو بھرتی ہونا چاہتے ہیں انہیں چھوٹے چھوٹے گروپ کی شکل میں پاکستان کے قبائلی علاقوں میں موجود طالبان کے نمائندوں کے حوالے کردیا جاتا ہے، جہاں انہیں چند

ہفتوں کی ہتھیار چلانے کی تربیت دے کر افغانستان میں امریکی فوج سے مقابلے کے لئے تیار کیا جاتا ہے، چونکہ یہ نوجوان ناتجربہ کار ہوتے ہیں اور جو شہادت انہیں چند قدم پر دِکھلائی جاتی ہے، اس کے لئے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔

ہمیں اُمید ہے کہ اگر یہ صورتِ حال برقرار رہی تو مدرسہ میں پڑھنے والا غریب طالبِ علم ناخواندہ ہی رہ جائے گا، جیسا کہ عزیز احمد فاروقی نے کہا کہ: یہ غربت و افلاس کے ستائے ہوئے بچے مدرسہ آتے ہیں، جہاں کھانا مفت ملتا ہے، جبکہ اگر ایسا نہ ہوتو یہ بچے بھی نہ آئیں۔''

اسی طرح ''فرائیڈے ٹائمز'' ۲۰رتا ۲۶رفروری ۲۰۰۴ء میں بھی جناب خالد احمد کا ایک تجزیہ بعنوان: ''عظیم بنوری ٹاؤن مدرسہ'' شائع ہوا ہے، جس میں تجزیہ نگار نے اس سے کہیں بدترین اور بھونڈے انداز میں بنوری ٹاؤن اور اس کے علما پر تہمت و افترا کے پہاڑ توڑے ہیں۔

ان ہر دو مضامین اور تجزیوں میں بظاہر یہی تأثر دیا گیا ہے کہ جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ہی جہادِ افغانستان، اس کے کمانڈروں کی آماج گاہ اور بنیادی چھاؤنی ہے، یہاں غریب اور غربت کے ستائے ہوئے بچے آتے ہیں، اس ادارے کے نصاب میں عصری تعلیم نام کی کوئی چیز نہیں، یہاں بنیاد پرستی کی تعلیم دی جاتی ہے، اور اب بھی یہاں سے جہاد کے طلبہ بھرتی کئے اور قبائلی علاقوں میں طالبان کے نمائندوں کے حوالے کئے جاتے ہیں، یہاں آج بھی امریکہ دُشمنی پر مبنی تقریریں کی جاتی ہیں اور یہاں کے لوگ سرکاری اَحکامات ماننے کے روادار نہیں ہیں، البتہ گزشتہ کئی سالوں سے ملکی ایجنسیاں اس ادارے کی نگرانی کر رہی ہیں اور ان کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔

اسی طرح ''فرائیڈے ٹائمز'' کے تجزیہ نگار نے یہ بہتان بھی باندھا ہے کہ مولانا مفتی رشید احمد مرحوم حضرت بنوریؒ کے ساتھی اور جامعہ علومِ اسلامیہ کے بانی ارکان میں سے تھے اور جہادِ افغانستان کے مشہور کمانڈر جامعہ علومِ اسلامیہ کے فاضل تھے، گویا بس یہی ادارہ ہی تمام خرابیوں کی جڑ اور بنیاد ہے وغیرہ وغیرہ۔

لیکن معمولی عقل وفہم اور سوجھ بوجھ رکھنے والا ہر آدمی جانتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک بات کا حقائق سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

ذیل میں ہم ان ہر دو تجزیہ نگاروں کے کذب و افترا پر مبنی اُٹھائے گئے نکات کا مختصر سا جائزہ پیش کرتے ہیں:

الف:... جہادِ افغانستان، جامعہ علومِ اسلامیہ سے نہیں، افغانستان سے شروع ہوا اور دُنیا بھر کے مسلمانوں نے اس میں حصہ لیا، اگر اس ادارے کے کچھ فضلاء نے تعلیم سے فراغت کے بعد اپنی مرضی سے اس میں حصہ لیا تو اس میں جامعہ کا کیا قصور ہے؟

ب:... مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ کا کبھی بھی جامعہ سے کسی ادنیٰ درجے کا تعلق نہیں رہا، چہ جائیکہ وہ اس کے بانی ارکان میں سے ہوں، لیکن: جو چاہے تیرا حسن کرشمہ ساز کرے۔

ج:... اسی طرح جامعہ علومِ اسلامیہ جیسے صاف و شفاف اور پاکیزہ ماحول اور مسجد میں مکھیوں کے جھنڈ کی اطلاع دینا بھی تجزیہ نگار کے خبثِ باطن، بغض وعناد اور جہالت و لاعلمی کی نشاندہی کرتا ہے۔

د:... تجزیہ نگار کا یہ کہنا بھی حد درجہ مضحکہ خیز ہے کہ: ''وہاں جس دقیانوسیت کی تعلیم دی جاتی ہے دُوسرے کسی ادارے میں ویسی تعلیم نہیں دی جاتی'' کیونکہ دُنیا جانتی ہے کہ وہاں کا نصاب دُنیا بھر کے دِینی مدارس کے نصاب سے مختلف نہیں ہے، بلکہ پاکستان بھر کے دِینی مدارس کے بورڈ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا نصاب

ہی اس میں رائج ہے۔

ہ:... تجزیہ نگار کی جہالت اور دِینی مدارس سے بغض وعناد کا اس سے بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ موصوف نے بلاتحقیق و مشاہدہ یہ کہہ دیا کہ یہاں کے طلبہ تاریخ، جغرافیہ، انگلش و سائنس کی تعلیم سے محروم رہتے ہیں، حالانکہ دُنیا جانتی ہے کہ بحمداللہ! جامعہ علومِ اسلامیہ میں وفاق المدارس کے نصاب کے مطابق تاریخ، جغرافیہ، انگلش اور سائنس کی باقاعدہ تعلیم ہوتی ہے اور اب تو جامعہ اور اس کی تمام شاخوں میں ''او لیول'' کا پورا نصاب باقاعدہ سبقاً پڑھایا جاتا ہے۔

و:... مضمون نگار کا یہ کہنا بھی اس کے بغض وعناد اور تعصب پر مبنی ہے کہ: ''یہاں غربت و افلاس کے ستائے ہوئے بچے محض پیٹ پوجا کے لئے آتے ہیں'' مضمون نگار کی بیمار ذہنیت، مسموم سوچ اور تہمت و افترا سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اندھیرے میں تیر چلانے کی ناپاک کوشش کی ہے، اگر اس نے جامعہ کا ماحول دیکھا ہوتا یا اس کی غیرجانبدارانہ تحقیق کی ہوتی تو اس کا تأثر اس سے مختلف ہوتا، اس لئے کہ بحمداللہ! جامعہ میں ایک کثیر تعداد ایسے طلبہ کی زیرِ تعلیم ہے جو نہ صرف متمول و مال دار گھرانوں سے تعلق رکھتے ہیں، بلکہ اگر یہ کہا جائے تو شاید مبالغہ نہ ہوگا کہ یورپ و امریکہ اور مغربی دُنیا کے کسی امیر ترین فرد سے ان کی مالی حالت اچھی ہوتی ہے، ایسے طلبہ یہاں پیٹ پوجا کے لئے نہیں بلکہ محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا دِین سیکھنے آتے ہیں، چنانچہ جامعہ سے فراغت کے بعد وہ کسی مسجد و مدرسہ میں نہیں اپنے اپنے میدانوں میں کام کرتے ہیں۔

ز:... مضمون نگار کا یہ کہنا بھی پاکستان کو بدنام کرنے کی بدترین سازش ہے کہ یہاں سے نوجوان بھرتی کرکے قبائلی علاقوں میں موجود طالبان نمائندوں کے حوالے کئے جاتے ہیں، گویا وہ اس افترا کے ذریعہ یہ تأثر دینا چاہتا ہے کہ پاکستان کے ان علاقوں میں چونکہ غیرملکی رہتے ہیں اور یہاں سے ہی اب افغانستان پر یورش و

یلغار ہو رہی ہے، لہٰذا یہ علاقے اس قابل ہیں کہ یہاں بھی اسی طرح بمباری کر کے آپریشن کیا جائے جس طرح افغانستان میں کیا گیا تھا۔ ہمارے خیال میں مضمون نگار کسی قدر اپنے اس مذموم مقصد میں کامیاب بھی ہوگیا ہے، کیونکہ خیر سے اب حکومتِ پاکستان نے ان علاقوں میں آپریشن ایسا ”نیک کام“ شروع کر رکھا ہے۔

ح:... لیکن مقامِ شکر ہے کہ مضمون نگار نے یہ لکھ کر اپنے کذب و افترا پر مشتمل مضمون کی خود ہی تردید کردی کہ: ”اتنے عرصے سے اس ادارے کی نگرانی کی جارہی ہے....“ اس لئے کہ اگر خدانخواستہ اس ادارے میں ایسی کوئی ملک دُشمن سرگرمیاں ہوتیں تو حکومت اور اس کی ایجنسیاں اس کے خلاف اقدام کرتیں، لیکن ایجنسیوں کی کڑی نگرانی کے باوجود ابھی تک اس کے خلاف کسی قسم کا کوئی مواد مہیا نہ ہونا، خود اس ادارے کے شفاف کردار کی دلیل ہے۔ ہم ان مغربی مہروں، اسلام دُشمن صحافیوں اور ایجنسیوں کو باور کرانا چاہیں گے کہ یہ ادارہ اور اسی طرح ملک بھر کے دُوسرے دِینی ادارے خالص اللہ کے دِین کی خدمت، قرآن و سنت کی تعلیمات کے لئے وقف ہیں، ان مدارس کا کردار کھلی کتاب کی مانند ہے، یہاں کسی قسم کی کوئی روک ٹوک نہیں، جب اور جس وقت کوئی ملکی یا غیرملکی ایجنسی آنا چاہے آئے اور تحقیق و تفتیش کرے، اِن شاء اللہ اس پر حقائق واضح ہوجائیں گے اور مغرب کے اُٹھائے ہوئے پروپیگنڈے کی حقیقت واضح ہوجائے گی، یہ محض گپ نہیں، بلکہ حقیقت ہے، کیونکہ اب بھی یہاں کھلے عام سرکاری اہل کار اور پولیس افسران آتے جاتے ہیں، بلکہ چوبیس گھنٹے پولیس اس کی حفاظت کے لئے اس کے گیٹوں پر موجود رہتی ہے۔

(ماہنامہ ”بینات“ کراچی صفر ۱۴۲۵ھ مطابق اپریل ۲۰۰۴ء)

موجودہ ملکی صورتِ حال
اور درپیش چیلنجوں سے نمٹنے کی ضرورت!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

یوں تو شروع سے ہی دِین، اہلِ دِین، مدارس، اربابِ مدارس اور علماء کے خلاف زہریلا پراپیگنڈا اور ان کو بدنام کرنے کی ناپاک اور مذموم مہم جاری ہے، مگر گزشتہ چند سالوں سے اس مہم میں مزید تیزی اور شدّت آگئی ہے۔

جبکہ مئی ۲۰۰۴ء سے اس ناپاک لہر نے قیامت خیز طوفان کی شکل اختیار کرلی ہے، چنانچہ مئی ۲۰۰۴ء سے تادَمِ تحریر اگست ۲۰۰۴ء تک دِینی مدارس اور علماء کو جس بے دردی اور تیزی سے دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا ہے، اس سے ہر مسلمان پریشان، ہر دِین دار مضطرب اور ہر انسان بے چین ہے۔

مئی ۲۰۰۴ء سے اب تک ہونے والے سانحات، حادثات اور واقعات کا جائزہ لیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ کسی خاص منصوبہ بندی اور طے شدہ حکمتِ عملی سے اس ”پروگرام“ کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش اور سعیٔ پیہم کی جارہی ہے، اس مختصر عرصے میں مدارس اور علماء کے خلاف ہونے والے دہشت گردی کے واقعات کی تاریخ وار تفصیل ملاحظہ ہو:

ا:...۷رمئی کو سندھ مدرسۃ الاسلام کراچی کی حیدری مسجد میں عین نمازِ جمعہ کے دوران بم دھماکہ ہوا، جہاں دسیوں انسان موت کے منہ میں چلے گئے اور بیسیوں زخمی ہوکر زندگی بھر کے لئے معذور ہوگئے، اس پر ابھی تک شہری امن بحال نہیں ہوا تھا کہ:

۲:...۳۰رمئی کو عالَمِ اسلام کی عظیم دِینی، علمی، تحقیقی اور رُوحانی شخصیت امام المجاہدین حضرت مولانا ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزیؒ کو دن دہاڑے بھرے چوک میں گولیوں کا نشانہ بناکر شہید کردیا گیا، اس سانحہ پر ابھی تک کراچی، پاکستان بلکہ دُنیا بھر کی مسلم برادری نیم جان تھی کہ:

۳:...۳۱رمئی کو لائنز ایریا کی علی رضا مسجد میں عین مغرب کے وقت بم دھماکہ ہوا، جس سے دسیوں انسان جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور اس سے کہیں زیادہ بُری طرح زخمی ہوگئے، اس پر احتجاج جاری تھا کہ:

۴:...۲۴رجولائی کو کراچی کی ایک دِینی درس گاہ جامعۃ الرشید کی گاڑی کو ریموٹ کنٹرول بم سے اُڑادیا گیا، جس سے ایک شہید اور متعدّد اساتذہ شدید زخمی ہوگئے، اس سانحہ کے زخم ابھی تازہ تھے کہ:

۵:...۸راگست کو جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی سے ملحق بنوریہ ریسٹورنٹ پر دو عدد بم دھماکے ہوئے جس سے طلبہ اور ہوٹل کے عملے کے نو افراد شہید اور پچاس سے زائد شدید زخمی ہوگئے، اربابِ مدارس ان مظلوموں کے غم میں بہنے والے آنسو پونچھنے نہ پائے تھے کہ:

۶:...۱۲راگست کو فیصل آباد کی ایک مسجد پر دھاوا بول کر اس کے امام مولانا قاری نور محمدؒ کو ''القاعدہ'' سے تعلق کے شبہ میں اُٹھالیا گیا، اور تفتیش کے نام پر اس قدر بُری طرح تشدّد کیا گیا کہ وہ مظلوم ۱۸راگست کو پولیس کسٹڈی میں ہی دَم توڑ گیا، اس ظلم و بربریت کے خلاف بھی احتجاج جاری تھا کہ:

۷:...۱۷راگست کو اسلام آباد میں بچیوں کے ایک مدرسہ حفصہ للبنات پر

چڑھائی کردی گئی، جہاں چادر و چاردیواری کی دھجیاں بکھیرتے ہوئے معصوم طالبات، معلّمات اور عملے کو ہراساں کیا گیا، اس کے خلاف صدائے احتجاج ابھی بلند نہ ہونے پائی تھی کہ:

۸:...۱۷راگست کو ملک کی مشہور دِینی درس گاہ جامعہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد پر شب خون مارا گیا، طلبہ، اساتذہ اور عملے کے بزرگوں کو ڈرایا، دھمکایا گیا، اور کچھ کو وقتی طور پر گرفتار اور رہا بھی کیا گیا، وفاق المدارس پاکستان کے اربابِ حل وعقد اس ظلم و تعدی کی پیش بندی کی سوچ و بچار میں تھے کہ:

۹:...۳۰راگست کو اسلام آباد مدرسہ اختریہ کے اساتذہ، عملہ اور طلبہ کو مدرسے سے بے دخل کرکے مدرسہ کو ڈھادیا گیا۔

مدارس اور علماء کے خلاف پے درپے ہونے والے ان واقعات اور پُرتشدّد کاروائیوں سے دِین دار طبقہ نہایت ہیجان کی کیفیت سے دوچار اور سراسیمگی کا شکار ہے۔

نہیں معلوم کہ اب اس ''پروگرام'' کا اگلا ہدف کون سا مدرسہ، کون سی دِینی درس گاہ اور کون سی علمی شخصیت ہوگی؟ خدا معلوم کہ آئندہ کس عالمِ دِین کے پاک، پاکیزہ اور مقدس خون سے زمین کو لالہ زار، فضا کو سوگوار اور آسمان کو اَشک بار کیا جائے گا؟

اس صورتِ حال کا سب سے تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ اخبارات و الیکٹرانک میڈیا میں ان حالات و واقعات سے متعلق صحیح صورتِ حال کو جگہ نہیں مل پاتی، بلکہ اخبارات و الیکٹرانک میڈیا میں عموماً ان ہی وزیروں، مشیروں، وظیفہ خوار قلم کاروں اور ''روشن ضمیر'' صحافیوں کے بیانات، مضامین اور کالموں کو جگہ ملتی ہے جو اپنے ''آقا'' کے ذوق و مزاج کے عین مطابق سوچتے، بولتے اور لکھتے ہیں اور وہ ''ملکی مفاد'' کی خاطر تصویر کے دو رُخوں کے بجائے ہمیشہ ایک ہی رُخ دِکھاتے ہیں۔

بلاشبہ اس صورتِ حال سے علماء، اربابِ دِین اور مدارسِ دِینیہ کی عزّت، وقار،

شہرت، نیک نامی اور کارکردگی کی ساکھ متأثر ہونے کا شدید اندیشہ ہے۔ ہمارے خیال میں اسلام دُشمن یہ فضا پیدا کرکے اس سے درج ذیل نتائج حاصل کرنا چاہتے ہیں:

اوّل:... اس سے دُنیا بھر کے خالی الذہن انسانوں، مسلمانوں اور عوام کے دِل و دِماغ میں مدارس، مساجد، علماء اور اربابِ دِین کے خلاف شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں۔

دوم:... مدارس کے خلاف اس قسم کی خبروں کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ مدارس کے خلاف خاموشی سے ذہن سازی کی جائے۔

سوم:... نئی نسل، مدارس کے خلاف اس یک طرفہ پراپیگنڈے سے متأثر ہوگی تو وہ مدارس اور علماء سے متنفر ہوگی، دِینی مراکز اور اہلِ دِین سے نفرت و دُوری ان کی بے دِینی کا سبب ثابت ہوگی، گویا اس کے ذریعہ نئی نسل کے دِل و دِماغ میں دِین دُشمنی کا بیج بونے کی سعی پیہم کی جارہی ہے۔

چہارم:... جو لوگ دِینی اداروں، ان کی علمی، رُوحانی، اصلاحی اور دِینی خدمات کے معترف ہیں یا ان کے نظامِ تعلیم سے محبت و عقیدت کا رشتہ رکھتے ہیں، وہ کسی طرح ان سے بدظن ہوجائیں۔

پنجم:... ایسے اصحابِ ثروت جو بقائے دِین اور نجاتِ آخرت کی غرض سے مدارس کے ساتھ تعاون کرتے ہیں، انہیں متنفر کردیا جائے اور مدارسِ دِینیہ کو معاشی طور پر بے دست و پا کردیا جائے۔

ششم:... دِینی مدارس کے معاونین کو باور کرایا جائے کہ: ''مدارس اور اربابِ مدارس دہشت گرد ہیں'' جس طرح ''دہشت گردی'' جرم ہے، اسی طرح ''دہشت گردوں'' کے ساتھ تعاون کرنا بھی جرم ہے، آپ ان مدارس کے ساتھ تعاون کرنے سے باز آجائیں، ورنہ اگلا ہدف اور نشانہ آپ ہی ہوں گے۔

ہفتم:... دُنیا بھر کے مسلمانوں کو یہ تأثر دینا مقصود ہے کہ پاکستان کے

مدارس اور اربابِ مدارس ''دہشت گرد'' ہیں، یہاں اپنے نونہالوں کو تعلیم کے لئے نہ بھیجا جائے، کہیں آپ کے بچے بھی اس ''دہشت گردی'' کا نشانہ نہ بن جائیں۔

ہشتم:... یہ سب کچھ اس پیش بندی کے لئے کیا جارہا ہے کہ بین الاقوامی طور پر مدارس اور علماء کے حق میں کوئی آواز اُٹھنے نہ پائے، اگر کوئی آواز اُٹھے بھی تو یہی کہا جاسکے کہ چونکہ دِینی مدارس ''دہشت گردی'' کے اَڈّے ہیں اور ان میں پڑھنے، پڑھانے والے ''دہشت گرد'' ہیں یا ان کے پشت پناہ، اسی لئے ان کے خلاف کریک ڈاؤن کیا جارہا ہے۔ **ولا فعل اللہ!**

ایک طرف تو مدارس، اربابِ مدارس اور علماء کے خلاف یہ حربے آزمائے جارہے ہیں اور دُوسری طرف دِینی مدارس کو نکیل ڈالنے کے لئے انہیں سرکاری تحویل میں لینے، ان کا نصابِ تعلیم تبدیل کرنے، ماڈل مدارس کے عنوان سے ان کے متوازی مدارس قائم کرنے، ان کی رجسٹریشن پر پابندی لگانے، سرکاری امداد کے لالچ سے ان کو عصری تعلیم گاہوں میں تبدیل کرنے کے ہتھکنڈے بھی استعمال کئے جارہے ہیں۔

گویا اس وقت اہلِ علم، علماء، اربابِ مدارس اور مسلمانوں کو بیک وقت کئی چیلنجوں کا سامنا ہے، مثلاً: مدارس کا تحفظ، ان کی ساکھ کا تحفظ، ان کے نصابِ تعلیم کا تحفظ، معیارِ تعلیم کا تحفظ اور اصحابِ علم و تحقیق کی جانوں کا تحفظ، اور ان سب سے بڑھ کر اُمتِ مسلمہ اور نئی نسل کے دِین و ایمان کا تحفظ۔

اس وقت سب سے پریشان کن صورتِ حال جس پر اربابِ مدارس کو سر جوڑ کر بیٹھنا چاہئے، یہ ہے کہ جس تیزی سے دُشمن ہمارے ماہرینِ علم و فن اور اصحابِ بحث و تحقیق کو چن چن کو ختم کررہا ہے، ہم اس تیزی اور قوّت و طاقت سے ایسے رجالِ کار پیدا نہیں کرپارہے، جو ان کی جگہ لے سکیں، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اسلاف و اکابر کے خوشہ چیں اور تربیت یافتہ بیشتر حضرات تو اپنی طبعی عمر پوری کرکے رفتہ رفتہ ہمیں داغِ مفارقت دے رہے ہیں اور کچھ حضرات کو دِین دُشمن چن چن کر ختم کررہے

ہیں، افسوس! کہ ان کی جگہ اور ان کے خلا کو پُر کرنے والا کوئی نظر نہیں آتا۔

اس لئے اربابِ مدارس کو اس پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور اس کا حل تلاش کرنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دُشمن اپنی چال میں کامیاب ہوجائے اور یہاں بھی ترکی کی طرح لادِین انقلاب آجائے اور پھر دُشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے یا کم از کم دِین کا نام لینے والا بھی کوئی باقی نہ رہے۔

اربابِ مدارس اور خصوصاً اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیّہ کے اربابِ حل وعقد کو مدارس دُشمنوں کی ان چال بازیوں پر بھی نظر رکھنا چاہئے کہ ایک طرف تو وہ مدارس اور علماء کو راستے کا پتھر سمجھ کر انہیں ہٹانے کے درپے ہیں، آئے دن مدارس پر چھاپے، بم باری اور علماء کا قتلِ عام ہو رہا ہے، لیکن دُوسری طرف جوں ہی علماء کی طرف سے کسی بڑے ردِّعمل کی خبر آتی ہے تو جذبات کو ٹھنڈا کرنے کے لئے کسی نہ کسی ''بڑے'' کی طرف سے ایک آدھا ایسا بیان اخبارات کی زینت بن جاتا ہے جس میں مدارس اور علماء کے حق میں جھوٹی عقیدت ومحبت کا احساس ہوتا ہے، مثلاً: ''سارے مدارس یا سارے علماء ایسے نہیں ...... ہم مدارسِ دِینیّہ اور علماء کی خدمات کے معترف ہیں ..... وہ بہت عمدہ کام کر رہے ہیں ..... یہ ملک کی عظیم این جی اوز ہیں جو دس لاکھ انسانوں کو مفت خوراک، لباس، علاج معالجہ اور تعلیم کے زیور سے آراستہ کر رہی ہیں'' وغیرہ وغیرہ۔

یاد رکھئے! یہ سیاسی بیانات محض جذبات کو ٹھنڈا کرنے، دفع الوقتی، مسلمانوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے اور مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ کچھ حیثیت نہیں رکھتے، ان سے متأثر ہونے کی بجائے کامیاب حکمتِ عملی سے موجودہ سنگین صورتِ حال کے سامنے بند باندھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

مدارسِ دِینیّہ کو سرکاری دست برد سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ اتحاد تنظیماتِ مدارسِ دِینیّہ اپنے اپنے حلقۂ اختیار کے اربابِ مدارس کو اس کا پابند بنائیں کہ وہ اپنے اکابر کی طے کردہ پالیسی اور ان کی ہدایات سے سرِمو انحراف نہ کریں، کوئی

مدرسہ کسی قسم کی سرکاری ترغیبات سے متأثر نہ ہو، بھوکے مرجائیں، مگر اُصولوں پر سودے بازی نہ کریں، ہمارے پیشِ نظر ذاتی مفادات کی جگہ قومی، ملّی اور دِینی مفادات ہونے چاہئیں، ہم دِین کی اشاعت کے مکلّف ضرور ہیں، مگر شرعی اور دِینی اُصولوں اور حریت وآزادیٔ فکر کی پاسداری کے ساتھ۔

اسی طرح علمائے کرام اور اربابِ مدارس سے درخواست ہے کہ وہ فروعی اختلافات اور نزاعات سے بالاتر ہوکر اتفاق واتحاد کا مظاہرہ کریں، عین ممکن ہے کہ دُشمن اس موقع پر ہمیں حیلے بہانے سے باہم دست وگریباں کرنے کی ناپاک کوشش کرے، مگر ہمیں کامل ہوشیاری اور ہوش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اتحاد واتفاق کا مظاہرہ اور دُشمن کی چالوں کو ناکام بنانے کا عزم کرنا چاہئے، مبادا دُشمن ہماری صفوں میں گھس کر اپنے مقاصد میں کامیاب ہوجائے۔

ہم اس سے پیشتر متعدّد بار اتحاد واتفاق کی برکت کا مشاہدہ، اور اختلاف وانتشار کی نحوست کا نتیجہ دیکھ چکے ہیں، لہٰذا انفرادی واجتماعی طور پر اس کی پاسداری کی ضرورت ہے۔

اسی طرح اربابِ مدارس کو تکلّفات کے بجائے سادگی اور راحت پسندی کے بجائے ایثار وقربانی اور محبت ومودّت کا بھی مظاہرہ کرنا چاہئے، چنانچہ ملک بھر میں کسی عالمِ دِین یا کسی چھوٹے بڑے مدرسہ کے خلاف ہونے والی کاروائی کو اپنے خلاف کاروائی تصوّر کیا جائے، اس کے دُکھ درد کو اپنا دُکھ درد تصوّر کیا جائے، اور دُشمن کے مقابلے میں بنیان مرصوص بن جانا چاہئے، اگر خدانخواستہ کسی عالمِ دِین یا مدرسہ کو گزند پہنچے تو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک تمام علماء اور اربابِ مدارس سراپا احتجاج بن جائیں، اگر اس کا اہتمام کرلیا جائے تو اِن شاء اللہ آپ کی طرف کوئی میلی آنکھ سے نہیں دیکھ سکے گا۔

آج ہم جس ذِلت و ادبار یا ''سرکاری'' عتاب کا شکار ہیں، اس میں

دُوسرے عوامل کے ساتھ ساتھ اس کا بھی بڑا دخل ہے کہ ہم اختیاری یا غیراختیاری طور پر اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ یہ فلاں کا انفرادی معاملہ ہے، یا اس کے فلاں عمل یا اس کی فلاں غلط حکمتِ عملی کا نتیجہ ہے، وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ ہمارے دُشمن کو اسی حکمتِ عملی سے ہمیں زیر کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں، اور بدقسمتی سے ہم اس کی شاطرانہ چال کا شکار ہوکر کبوتر کی طرح آنکھیں بند کئے اپنے آپ کو محفوظ سمجھ رہے ہیں، کیا ہمیں اپنی اس غلط فہمی کا احساس اس وقت ہوگا جب ہم خود دُشمن کے وار کا شکار ہوجائیں گے...؟

بلا مبالغہ اس وقت ... اِلَّا ما شاء اللہ... ہمارے اندر اکابر و اسلاف کا سا ایثار وقربانی، جہد ومجاہدہ، طاعت وعبادت اور رُجوع الی اللہ کا ذوق نہیں رہا، ہم اللہ تعالیٰ کے بجائے اسباب و وسائل پر تکیہ کرنے لگے ہیں، جس کی وجہ سے قناعت کی جگہ حرص وآز، اور اجتماعیت کی جگہ انفرادیت نے اپنے منحوس پنجے گاڑ لئے ہیں۔

اس کے علاوہ ہمارے مدارس میں ذکر وفکر اور سلوک و احسان کی مجالس کا بھی فقدان ہے، جبکہ ہمارے اکابر کا سارا انحصار ہی تعلق مع اللہ پر تھا۔

جہاں تک رجالِ کار پیدا کرنے اور اربابِ علم وتحقیق کے خلا کو پُر کرنے کا تعلق ہے ...میری رائے ہے، اور مجھے اپنی رائے پر اصرار نہیں، ممکن ہے میری رائے غلط ہو یا اہلِ علم اس سے اچھی رائے اور متبادل طریقِ کار پر غور کر رہے ہوں... بہرحال میری رائے ہے کہ:

الف:...وفاق المدارس کے اربابِ حل وعقد اس پر غور کریں کہ ہر مدرسہ کا علاقہ، ماحول اور جگہ کے اعتبار سے جائزہ لیں اور اس کے مناسب حال، وہاں درجاتِ تعلیم کا تعین فرمادیں، مثلاً کسی مدرسہ کو درجہ اُولیٰ تک کی عمدہ اور معیاری تعلیم کا ذمہ دار بنادیں، کسی کو ثانیہ، کسی کو ثالثہ، کسی کو رابعہ، کسی کو خامسہ اور کسی کو سادسہ تک کا کام سپرد فرمادیں، اور کچھ مشہور مدارس کو صرف دورۂ حدیث یا سابعہ تک کی معیاری

تعلیم کا ذمہ دار بنادیں اور ان کو اس کا پابند بنائیں کہ وہ اپنے اپنے درجات میں اختصاص پیدا کرائیں، اور کچھ مدارس کو تخصصات کی ذمہ داری سپرد فرمادیں۔

ب:... ملک بھر کے مختلف دِینی مدارس کے ذہین طلبہ کو مقابلے کے امتحان میں بٹھایا جائے، ان سے ذہین ترین طلبہ چھانٹ کر مختلف موضوعات پر ان کو تخصص کرایا جائے، ان کے تمام اخراجات خود برداشت کرکے ان کی حوصلہ افزائی کی جائے اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ایسے طلبہ کو مزید تعلیم کے لئے مدرسہ کے فنڈ پر بیرونی دُنیا کی یونیورسٹیوں میں بھیجا جائے۔

ج:...داخلے میں نہایت مشکل امتحان لیا جائے، ایسے طلبہ جو محنت نہیں کرتے یا وقت گزاری کا مظاہرہ کرتے ہیں، ان کو معیاری مدارس میں داخلہ نہ دیا جائے۔

د:...اُردو شروحات طلبہ و اساتذہ کے لئے قطعی ممنوع قرار دے دی جائیں۔

ہ:... جو طلبہ دِینی ذہن رکھتے ہیں، مگر فطری استعداد کے اعتبار سے کمزور ہیں، ان کے لئے ایک مختصر سا کورس اور نصاب وضع کرلیا جائے اور ان کو اس کے امتحان سے گزار کر اس کے مناسب حال سند دے دی جائے، تاکہ کوئی محروم بھی نہ رہے اور اعلیٰ معیار بھی برقرار رہے، اور رجالِ کار پیدا نہ ہونے کی کمی اور خلا کو بھی پُر کیا جاسکے۔

اللہ تعالیٰ دِین، دِینی مدارس کی حفاظت فرمائیں گے، اور وہ حفاظت فرمانا جانتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ ہمارے ذمہ کیا کیا فرائض اور ذمہ داریاں ہیں؟ اور ہمیں اس وقت کیا کرنا چاہئے؟ اس پر نہایت گہرے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ بلاشبہ کامیاب حکمتِ عملی اور تدبر وتحمل سے قوم کی صحیح راہ نمائی کرنا علماء کا فرض ہے، آگے نتائج کیا نکلتے ہیں؟ اس کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کردیجئے!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سیدنا محمد وآلهٖ وأصحابه أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی شعبان ۱۴۲۵ھ مطابق اکتوبر ۲۰۰۴ء)

خوش آئند تبدیلی!

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

چشمِ بد دُور! ہمارے ''روشن خیال'' اور ''اعتدال پسند'' صدر جناب پرویز مشرف صاحب، جب سے برسرِ اقتدار آئے ہیں، انہیں مسلسل ناموافق فضا اور مخالف ماحول کا سامنا ہے، وہ آئے دن کسی نہ کسی چیلنج سے دوچار اور مشکلات کا شکار ہیں، اور کیوں نہ ہوتے کہ اسلام کے نام پر قائم ہونے اور ۵۷ سال سے ''اسلامی جمہوریہ'' کہلانے والے ملک کو یکسر ''روشن خیال'' اور سیکولر اسٹیٹ میں تبدیل کرنا کچھ آسان نہیں۔

بایں ہمہ اس ''باہمت فوجی'' کے عزم و استقلال اور جرأت و استقامت کی داد دیجئے! کہ اس نے اس ناموافق فضا اور مخالف ماحول سے بددِل اور دِل گرفتہ ہونے کی بجائے ہر چیلنج کا نہایت ''پامردی'' اور ''استقامت'' سے مقابلہ کیا، ان کے عزم و استقلال کو دیکھ کر لگتا ہے کہ انہوں نے اپنے تئیں طے کرلیا ہے کہ کچھ بھی ہوجائے، وہ اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر کرکے رہیں گے۔ چنانچہ ان کے بیانات اور خطابات سے بھی یہی محسوس ہوتا ہے کہ انہیں بیرونی دُشمنوں سے زیادہ اندرونی، اور کفار و مشرکین سے بڑھ کر اپنوں کی مخالفت و مزاحمت کا سامنا ہے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اپنے دورِ اقتدار میں زیادہ تر اغیار کی بجائے

اخیار کی سرکوبی پر توجہ مرکوز فرمائے رکھی ہے، اسی طرح انہوں نے حکومت و اقتدار اور فوج و فورسز کی تمام تر صلاحیتیں بھی اس ''نیک کام'' کے لئے وقف کئے رکھیں۔

یہ اسی ''عزم و ہمت'' اور ''کامیاب'' حکمتِ عملی کی ''برکت'' تھی کہ وہ روز بروز طے شدہ پروگرام اور عالمی منصوبہ ''امن'' کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے اور اس سلسلے کی ہر رُکاوٹ اور راستے کے ہر پتھر کو فوجی قوّت و طاقت اور حکومت و اقتدار کی ٹھوکر سے ہٹاتے آگے بڑھتے چلے گئے، اور قریب قریب یہ اندیشہ ہونے لگا کہ شاید اب پاکستان زیادہ دیر تک اسلامی اقدار کی اپنی اساس پر قائم نہیں رہ سکے گا۔

اس ''ملکی مفاد'' اور ''قومی ضرورت'' کی اہمیت و عظمت اور اس میں ہمہ تن مصروفیت و وارفتگی کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس دوران متعدّد پاک و پاکیزہ نفوس اور دسیوں علمائے حق کے مقدس لہو سے زمین رنگین کی گئی، ان کو خاک و خون میں تڑپایا گیا، مگر اس کے سدِ باب کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاسکی، چنانچہ مولانا محمد عبداللہ اسلام آباد، مولانا محمد حبیب اللہ مختار، مولانا مفتی عبدالسمیع، شہیدِ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی، مولانا عنایت اللہ، مولانا مفتی محمد اقبال، مولانا عبدالحمید عباسی، مولانا اعظم طارق، مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا مفتی محمد جمیل خان، مولانا نذیر احمد تونسوی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین کا خونِ ناحق اور ان کے قاتلوں کا سراغ نہ ملنا اس کی زندہ مثالیں ہیں۔

اس ''پروگرام'' کی کامیابی کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ افغانستان پر امریکی حملہ اور ''لاجسٹک سپورٹ'' سے لے کر وانا آپریشن، جہادی کیمپوں کا صفایا، جہاد و مجاہدین اور فرقہ پسند تنظیموں پر پابندی، ایل ایف او، وردی کا مسئلہ، دِینی مدارس کے نصاب میں تبدیلی، اسکول و کالج کے نصاب سے آیاتِ جہاد کا اخراج، ماڈل دِینی مدارس کا قیام، حدود آرڈی نینس کی منسوخی، پاسپورٹ سے مذہب کے خانے کا اخراج، تعلیمی نظام کی آغاخان بورڈ کو سپردگی، پاکستان کے ''روشن خیال'' مستقبل کی

فکر، اس کی اقتصادی ترقی، دِینی جماعتوں کی مخالفت، پاکستان سے بنیاد پرستی کا خاتمہ، منبر و محراب کے وارثوں کے خلاف عوام کو اُکسانے اور ان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے کی ترغیب و تحریض کے علاوہ خود ان کی ذات اور وزیرِاعظم پر حملوں اور حملہ آوروں کی گرفتاری، اور علماء کے خون سے ہولی کھیلنے والوں سے صَرفِ نظر یا ان کا تحفظ وغیرہ ایسے کئی ایک مسائل اور چیلنج تھے جن سے وہ نبرد آزما ہوئے۔

بالخصوص پاکستان میں ''بنیاد پرستی'' اور ''دہشت گردی''، مسجد و مدرسہ، مُلاَّ اور مولوی کا کردار ان کے لئے سوہانِ رُوح ہے، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ شاید انہیں نیند میں بھی مسجد و مدرسہ، مُلاَّ، مولوی اور دہشت گردی کے بھیانک خواب نظر آتے ہیں، ان کا بس نہیں چلتا کہ کس طرح وہ پاکستان اور پاکستانی معاشرے کو اس سے ''پاک'' کردیں، غالباً یہی وجہ ہے کہ جنابِ صدر کی گزشتہ تین سالوں کی تقاریر و خطابات میں سے شاید ہی کوئی تقریر اور خطاب ایسا ہوگا جس میں انہوں نے مسجد، مدرسہ اور مُلاَّ مولوی کے ''کردار'' کا ''والہانہ'' اور ''محبت بھرا'' تذکرہ نہ فرمایا ہو، اور وہ اس تذکرے پر جذباتی نہ ہوئے ہوں، اور معاشرے کو اس ''ناسور'' سے پاک کرنے اور اس سیلابِ بلاخیز کے سامنے بند باندھنے کی تلقین نہ فرمائی ہو۔

جنابِ صدر کے اس ''شائستہ'' اور ''مہذب'' لب و لہجہ اور اندازِ گفتگو سے لگتا تھا کہ وہ ہر قیمت پر پاکستان کو ''قدامت پسندی، مذہبی تنگ نظری'' کی ''ذِلت'' سے نکال کر ''روشن خیالی'' اور اشتراکیت کا گہوارہ بناکر دَم لیں گے، چنانچہ اس مقصد کے لئے انہوں نے پاکستانی پاسپورٹ سے ''اسلامی جمہوریہ'' کا ''بدنما داغ'' اور ''خانۂ مذہب'' ایسی ''مذہبی فرسودگی'' کی نشانی کو بھی حرفِ غلط کی طرح نکال باہر کیا۔

لیکن اس سخت جان اور بنیاد پرست مولوی کا کیا علاج کیجئے کہ اس نے بھی باوجود بے سروسامانی اور ہزار مخالفتوں کے میدان نہیں چھوڑا، کباب کی ہڈی کی طرح اربابِ اقتدار کے گلے میں اَٹکا رہا، حالانکہ مولوی کو گالیاں دی گئیں، ان کی راہ روکی

گئی، ان کو بدنام کیا گیا، مساجد و مدارس پر بم حملے کئے گئے، اسلام کا نام لینے والے پُرامن کارکنوں کو حوالۂ زنداں کیا گیا، اس کے اکابر و مشائخ کو ان کے سامنے خاک و خون میں تڑپایا گیا، ان کے خلاف پروپیگنڈا مہم چلائی گئی، انہیں دہشت گرد کہا گیا، انہیں دہشت گردی کے مقدمات میں پھنسایا گیا، انہیں گوانتاناموبے بھیجا گیا، ان پر وحشیانہ اور انسانیت سوز تشدّد کیا گیا اور ایک ایک کرکے ان کے صفِ اوّل کے اکابر علماء، مشائخ اور قائدین کو راستے سے ہٹایا گیا، مگر انہوں نے دِین و مذہب اور قوم و ملک سے بے وفائی نہیں کی، اور نہ ہی مفادات پر سودے بازی کی، بلکہ وہ مذہب و ملت کی پونجی کو ظلم و تشدّد کے طوفان میں بھی اپنے سینے سے لگائے مارے مارے پھرتے رہے اور اسلاف و اکابر کی روایات سے منہ نہیں موڑا، یہ انہیں اربابِ اِخلاص کی قربانیوں کی برکت ہے کہ آج اربابِ اقتدار خواہی نخواہی یہ کہنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ:

> ''پاکستان کے اسلامی تشخص پر آنچ نہیں آنے دیں گے ..... روشن خیال، اعتدال پسند کا مطلب مغربی اقدار اپنانا نہیں .....حقوق اللہ اور حقوق العباد کے دائرے میں رہ کر روشن خیالی، اعتدال پسندی اور میانہ روی اختیار کرنی چاہئے۔''
>
> (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۴/مارچ ۲۰۰۵ء)

چاہے دِکھاوے کو ہی سہی، مگر یہ اس صدرِ پاکستان کا بیان ہے جو اَب تک مسلسل کئی سال سے یہ فرماتے چلے آرہے تھے:

> ا:...''اسلام امن، روشن خیالی اور محبت کا مذہب ہے، مسلمانوں میں یہ ہمت اور شعور ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کو خود سمجھیں نہ کہ ہم اسلام کو مولوی صاحبان کے حوالے کردیں اور خود الگ ہوکر بیٹھ جائیں، کوئی بھی مولوی یا باریش شخص مسجد میں کھڑے ہوکر جو مرضی بکواس کرے، غلط سلط کہتا رہے، ہم

اسے کچھ نہیں کہتے .....اس لئے غیر منطقی اور فضول باتیں کہنے کا
سلسلہ بڑھتا جارہا ہے، ہم میں جرأت ہونا چاہئے، اگر کوئی عقل
کی بات نہیں کرتا تو اسے ٹوکنا چاہئے، ایسے لوگوں سے تعاون کی
نہیں، بلکہ انہیں گرفتار کروانے کی ضرورت ہے.....''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۱؍نومبر ۲۰۰۳ء)

۲:...''بنیاد پرست صرف ظاہری صورت یعنی حجاب،
داڑھی، ٹخنے سے اُوپر شلوار پر زور دیتے ہیں، ظاہر ہے کہ مذہب
کے یہ تقاضے اکیسویں صدی سے لگاؤ نہیں کھاتے ...... بنیاد
پرستوں میں بھی ایک ایسا گروہ ہے جو عقائد کو صرف اپنے تک
محدود نہیں رکھنا چاہتا، وہ انہیں دُوسروں پر مسلط کرنا چاہتے ہیں،
خود داڑھی رکھیں، حجاب پہنیں، لیکن وہ دُوسروں کو بھی زبردستی اس
کے لئے مجبور کرتے ہیں، اس کے لئے طاقت کا استعمال کرتے
ہیں، یہ انتہاپسندی ہے، ایسے انتہا پسندوں پر پابندی لگائی جارہی
ہے ......'' (روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۱۰؍اگست ۲۰۰۴ء)

۳:...''پورے پاکستانی معاشرے کی ذہنیت تبدیل
کرنے کی بھی ضرورت ہے۔'' (روزنامہ ''جنگ'' لندن ۲۷؍ستمبر ۲۰۰۴ء)

۴:...''ملک کی اکثریت جدّت پسند ہے اور وہ خاموش
ہے، ہم سب مذہب کو مانتے ہیں لیکن انتہا پسند ڈنڈے لے کر
آرہے ہیں، چھوٹی سی اقلیت نے ہمیں دبایا ہوا ہے ......''

(روزنامہ ''جنگ'' ۲۸؍ستمبر ۲۰۰۴ء)

۵:...''انتہاپسندی کی تعلیم دینے والے دِینی مدرسوں
اور دُوسرے اداروں کو بند کردیا جائے گا، انتہاپسندی پر مبنی لٹریچر
اور تعلیم دینے والوں کے خلاف کاروائی کی جائے گی.....''

(روزنامہ ''اُمت'' کراچی ۲؍نومبر ۲۰۰۴ء)

۶:...''ملک سے انتہاپسندی، فرقہ واریت اور دہشت
گردی کو جڑ سے اُکھاڑنے کی ضرورت ہے ..... یہ معاشرے
میں تبدیلی لانے کے لئے بہت ضروری ہے ......''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۶؍نومبر ۲۰۰۴ء)

۷:...''مساجد و مدرسوں کو نفرتیں پھیلانے کے لئے
استعمال نہیں کرنا چاہئے، بلکہ عوام کو آگے بڑھ کر انتہاپسند عزائم
رکھنے والے عناصر کو سختی سے کچلنے میں حکومت کے ہاتھ مضبوط
کرنے چاہئیں، کیونکہ یہ لوگ ملک کی خوشحالی اور امن کے دُشمن
ہیں، جنھیں کسی صورت برداشت نہیں کیا جائے گا۔''

(روزنامہ ''نوائے وقت'' کراچی ۳۰؍جنوری ۲۰۰۵ء)

۸:...''انتہاپسندی اور عدم برداشت کی لعنتوں کے
خلاف اپنی آواز بلند کریں، سیاحت، کھیلوں اور ثقافت کے
ذریعہ اعتدال پسند تشخص کو فروغ دیا جائے ......صدر نے کہا:
اقلیتی طبقے نے انتہاپسند خیالات سے ملک کی اعتدال پسند سوچ
رکھنے والے لوگوں کی اکثریت کو یرغمال بنا رکھا ہے، اور وہ
پورے معاشرے پر ان خیالات کو مسلط کرنا چاہتے ہیں ......''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی یکم فروری ۲۰۰۵ء)

۹:...''چند عناصر مسجدوں کو غیرمذہبی مقاصد کے لئے
استعمال کرتے ہوئے نفرتیں پھیلا رہے ہیں، اسلام کے نام پر
قتل و غارت گری کر رہے ہیں ......''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی ۲؍فروری ۲۰۰۵ء)

۱۰:...''مساجد و مدارس کو فرقہ واریت کے لئے

استعمال کرنے والوں کا راستہ روکا جائے ...... میں آپ سے
صرف ایک چیز مانگتا ہوں، انتہاپسندی کی طرف لے جانے
والوں کو مسترد کردیا جائے، ان کا راستہ روکا جائے ..... بلدیاتی
انتخابات جو آئندہ چند ماہ میں ہوں گے اور آنے والے سالوں
میں قومی انتخابات میں انتہاپسندوں کے راستے کو روکنا ہے، آپ
کو روشن خیال اور اعتدال پسندوں کو ووٹ دینا چاہئے ......“

(روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۲۷؍فروری ۲۰۰۵ء)

۱۱:... ”صدر جنرل پرویز مشرف نے کہا ہے کہ بعض
دِینی مدارس ڈالر لے کر دہشت گردوں کی مدد کرتے ہیں، عوام
مذہبی منافرت پھیلانے والے علماء کی تقاریر پر ان کے خلاف
اُٹھ کھڑے ہوں۔ صحافیوں سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے
کہا کہ بعض مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کا غلط استعمال کیا جاتا ہے،
اور بعض مولوی لاؤڈ اسپیکر پر گالیاں دیتے ہیں، اس طرزِ عمل کو
روکنا ہوگا۔ میں ہر جگہ نہیں جاسکتا اور نہ ہی میرے پاس کوئی
جادو کی چھڑی ہے کہ اگر کوئی مولوی مسجد کے لاؤڈ اسپیکر پر گالی
دے تو میں اس کے سر پر چھڑی ماردوں۔ انہوں نے کہا کہ مجھے
عید پر ایک خبر ملی تھی کہ ایک مسجد میں مولوی نے جب گالیاں دینا
شروع کیں اور مذہبی منافرت کی گفتگو شروع کی تو وہاں لوگ
کھڑے ہوگئے اور انہوں نے مولوی کی تقریر سننے سے انکار
کردیا۔ صدر نے کہا کہ اصل مسئلہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ ہمت نہیں
کرتے، اگر لوگ اس طرح کے علماء کے خلاف جرأت کرکے
کھڑے ہوجائیں تو یہ علماء ایسی باتیں کرنا چھوڑ دیں گے .....“

(روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۲۵؍فروری ۲۰۰۵ء)

۱۲:... ”بسنت ایک دِلکش اور خوبصورت تہوار ہے، اس
پر کسی کو کیا اعتراض ہے؟ صدرِ مملکت نے کہا کہ بعض لوگ
بسنت اور میراتھن ریس میں نیکر پہن کر لڑکیوں کی شرکت پر
اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ ان کی بیٹیاں اور بیٹے امریکہ میں
پڑھتے ہیں، وہاں اس صورتِ حال پر انہیں کوئی اعتراض نہیں
ہے؟ صدر نے کہا کہ جن کو اس بات پر اعتراض ہے، وہ اپنی
آنکھیں بند کرے اور ٹیلی ویژن بند کردے۔“

(روزنامہ ”اُمت“ کراچی ۲۵؍فروری ۲۰۰۵ء)

۱۳:... ”عوام ترقی کی راہ میں رُکاوٹ دُور کرنے کے
لئے انتہاپسندی کے خلاف تحریک شروع کریں، روشن خیالی اور
اعتدال پسندوں کو آگے نہ لایا گیا تو بہت بڑا نقصان ہوگا...... ملکی
ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رُکاوٹ انتہاپسندی اور دہشت
گردی ہے ..... جو شخص مسجد کا لاؤڈ اسپیکر استعمال کرکے نفرت
پھیلا رہا ہے، اسے روکنا چاہئے، میں قوم سے صرف ایک ہی چیز
مانگتا ہوں کہ روشن خیالی اور اعتدال پسند سیاست دانوں کو ووٹ
دیں .....“ (روزنامہ ”جنگ“ کراچی ۱۹؍مارچ ۲۰۰۵ء)

۱۴:... ”صدر پرویز مشرف نے کہا کہ وہ یہ چاہتے ہیں
کہ تمام روشن خیال اور اعتدال پسند قوتیں ان کے ساتھ تعاون کا
آغاز مجوّزہ بلدیاتی انتخابات میں حصہ لینے سے کریں، تاکہ
انتہاپسند قوّتوں کو نچلی سطح کی عوامی نمائندگی سے بھی روکا جاسکے
..... انہوں نے کہا کہ انتہاپسندوں اور مذہبی راہ نماؤں کا سیاسی
طور پر مقابلہ کرنا ہوگا، اور انہیں گرفتار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اگر
ایسا ہوا تو پھر آپ کہیں گے کہ یہ کیسی جمہوریت ہے؟ ..... انہوں

نے کہا کہ ملک میں انتہاپسندی کا رُجحان ہے اور انتہاپسند عناصر اسی ..... یعنی آغا خانیوں کو مذہبی اقلیت قرار دینے کی کوشش کر رہے ہیں اور فرقہ واریت کو ہوا دے رہے ہیں .....۔“

(روزنامہ ”اُمت“ کراچی ۱۶؍مارچ ۲۰۰۵ء)

جنابِ صدر کے ان تمام بیانات اور ارشادات کا رُوئے سخن مُلّا اور مولوی کی طرف رہا ہے اور ان کی نگاہ میں دہشت گردی اور انتہاپسندی کا مصداق صرف اور صرف مسجد، مدرسہ، اربابِ دِین اور داعیانِ اسلام ہی ہیں، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ گزشتہ پانچ سال سے یہی طبقہ بین الاقوامی دہشت گردی اور ریاستی جبر و تشدّد کا شکار چلا آرہا ہے۔

جنابِ صدر کا یہ ارشاد کہ: ”بعض دِینی مدارس ڈالر لے کر دہشت گردوں کی مدد کرتے ہیں“ خالص بہتان و افتراء ہے، جو باعثِ صد افسوس اور لائقِ شرم ہے۔ کیا صدر جیسی ذمہ دار شخصیت کو یہ زیب دیتا ہے کہ وہ ایسی کوئی بات منہ سے نکالے جس کا کوئی سر پیر نہ ہو، بلکہ اگر کوئی اس کا ثبوت مانگنا چاہے تو اسے شرمندگی اُٹھانا پڑے؟ ہم جنابِ صدر سے باادب یہ عرض کرنا چاہیں گے کہ اگر ایسا کوئی ننگِ دِین و وطن مدرسہ یا اس کے زَر پرست ذمہ دار ہیں، تو ان کی نشاندہی کیجئے! اور اُنہیں قرار واقعی سزا دے کر نشانِ عبرت بنایئے! تاکہ آئندہ کوئی اس قسم کی ملک دُشمنی کی جرأت نہ کرسکے۔ اگر ایسا کوئی ثبوت نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے تو خدارا دِینی مدارس سے للہ فی اللہ بغض کی پالیسی کو ترک کردیجئے، کیونکہ اس قسم کی بے سروپا باتوں اور الزام تراشیوں سے کسی کا نقصان ہو یا نہ ہو، آپ کی ذات اور صدارت جیسے عظیم منصب کا اعتماد ضرور متأثر ہوگا۔

اگرچہ جنابِ صدر جابجا قوم کو اس طبقے کے خلاف اُکسانے، اس کے خلاف اُٹھ کھڑے ہونے اور اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنے کا مشورہ دیتے نظر آرہے ہیں، لیکن بحمداللہ گزشتہ پانچ سالوں کی تاریخ شاہد ہے کہ آج تک کسی ایک

دِینی راہ نما، مولوی، عالمِ دِین اور اِمامِ مسجد کے خلاف اس کے حلقۂ انتخاب، نمازیوں اور مقتدیوں نے جنابِ صدر کے اس ”نیک“ اور ”صائب“ مشورے پر عمل نہیں کیا، جس اکلوتے اور انوکھے واقعے کا انہوں نے تذکرہ کیا ہے، وہ بھی سادہ لفظوں میں ان کی ”خوش فہمی“ ہے، ورنہ اس کا نام اور پتہ بتلادیا جاتا کہ کون سا مولوی گالیاں دیتا ہے؟ اور کن لوگوں نے اس کی تقریر سننے سے انکار کردیا تھا؟ جس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسجد کے منبر و محراب سے مولوی جو آواز لگا رہا ہے وہ نہ صرف اس کے نمازیوں اور مقتدیوں کی آواز ہے، بلکہ یہ پوری قوم کی آواز ہے، مسجد و مدرسہ کے مولوی اور دِینی جماعتوں کے قائدین کا البتہ اتنا قصور ضرور ہے کہ وہ اپنی قوم کی نمائندگی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، جو جنابِ صدر کے لئے سوہانِ رُوح اور ناقابلِ برداشت ہے۔

اگر دیکھا جائے تو جنابِ صدر خود فرقہ واریت، انتہاپسندی اور عدم برداشت کو رواج دے رہے ہیں، اس لئے کہ جب کسی حلقے کی عوام کسی مولوی یا دِین دار کو ووٹ دے کر منتخب کرے، اسے اپنا نمائندہ بناکر اسمبلی میں بھیجے یا بلدیاتی انتخابات میں کسی کو اپنے مفادات کا امین قرار دے تو جنابِ صدر کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔

بلاشبہ جنابِ صدر کا یہ طرزِ عمل نہ صرف حق و انصاف سے میل نہیں کھاتا، بلکہ عوامی عقل و شعور اور ان کے حقِ رائے دہی پر قدغن لگانے اور انہیں آمریت کا تابعِ مہمل بنانے کے مترادف ہے۔

جنابِ صدر کو پاکستان کی مسلم اکثریت اور امن و ایمان پسند عوام کے جذبات کا لحاظ رکھتے ہوئے اپنے لب و لہجے پر نظرِ ثانی کرنا چاہئے اور اپنی خداداد صلاحیتوں کو ان ننگِ قوم و وطن دہشت گردوں کے خلاف استعمال کرنا چاہئے جنھوں نے شریف شہریوں کا جینا دوبھر کر رکھا ہے، اسی طرح انہیں ان زَر پرستوں کا قلع قمع کرنا چاہئے جنھوں نے اپنے ذاتی مفادات اور تجوریوں کو بھرنے کے لئے ملک و قوم

پر گرانی و مہنگائی کے پہاڑ توڑ رکھے ہیں۔ لہٰذا جس طرح انہوں نے بعد از خرابیٔ بسیار پاسپورٹ میں مذہب کے خانے اور ''اسلامی جمہوریہ'' کی بحالی کا اعلان کیا ہے، اسی طرح اُٹھائے گئے دُوسرے تمام غلط اقدامات سے بھی رُجوع کا اعلان کرنا چاہئے۔

جنابِ صدر کو یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور اس کی اساس میں مسلمانوں کی جان و مال، عزّت و آبرو اور عصمتوں کی قربانیاں شامل ہیں، لہٰذا اسے بآسانی لادِینیت، سیکولرازم، اور نام نہاد ''روشن خیالی'' و ''اعتدال پسندی'' کے مہیب غار میں نہیں دھکیلا جاسکتا۔

جنابِ صدر! یہ یورپ نہیں کہ آپ قوم کی بیٹیوں کو نیکر پہنا کر ریس لگوائیں، اور نہ ہی یہ عیسائی اور یہودی قوم ہے جو اس بے غیرتی اور دیوثی کو برداشت کرلے گی، اگر کسی میں شرم و حیا کی رمق باقی نہیں رہی تو اس کا یہ معنی نہیں کہ وہ پوری قوم کو بے شرمی و بے حیائی کا درس دینے لگے۔ بسنت جیسے ہندو تہوار کو ''دِلکش اور خوبصورت کھیل'' اور میراتھن ریس میں نیکر پہنی عریاں دوشیزاؤں کے ننگِ انسانیت طرزِ عمل کی وکالت کرنا نہایت ہی لائقِ شرم ہے۔

کیا اسلام نے مسلمانوں کو صحت مند کھیلوں اور مفید ورزشوں کی اجازت نہیں دی؟ کیا مسلمانوں کو گھڑسواری، تیراکی، شمشیرزنی، نشانہ بازی اور اپنی جسمانی قوّت و طاقت کی حفاظت و صیانت کی طرف متوجہ نہیں کیا؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر تقلیدِ مغرب میں مسلمان بچوں اور بچیوں کو نیکر پہنا کر سرِ عام دوڑانا مغرب کی اندھی تقلید نہیں؟ کیا اس سے نوجوان نسل بے راہ روی کا شکار اور معاشرہ جنسی مریض نہیں بن جائے گا؟ یہ ملک و قوم کی خدمت ہے یا اس کی تباہی و بربادی کی سازش...؟

چاہئے تو یہ تھا کہ اس بے حیائی، عریانی اور فحاشی کے مظاہرے پر جنابِ صدر کا سر ندامت سے جھک جاتا اور وہ قوم سے معافی مانگتے اور آئندہ کے لئے ایسے کھیلوں پر پابندی لگادیتے، لیکن اس کے بجائے اعتراض کرنے والوں کو یہ مشورہ دینا

کہ: ''وہ ٹی وی بند کردیں یا اپنی آنکھیں بند رکھیں'' نہایت ہی افسوسناک اور شرمناک ہے، اس سے بڑھ کر تکلیف دہ جنابِ صدر کا یہ ارشاد ہے کہ: ''اس پر اعتراض کرنے والوں کے بیٹے اور بیٹیاں امریکہ میں پڑھتے ہیں، وہاں اس صورتِ حال پر انہیں کوئی اعتراض نہیں؟'' کیا جنابِ صدر امریکہ میں پڑھنے والے مسلمان بچوں اور بچیوں کو نیکر پہنے دیکھ آئے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا یہ بہتان نہیں؟ چلو اگر بالفرض کوئی بدبخت ایسا بھی ہے تو کیا اس فردِ واحد کے غلط عمل کی سزا پوری قوم کو دی جائے؟ کیا عقل و دانش اس کی اجازت دیتی ہے؟ یا جرم و سزا کے قانون کا فلسفہ اس کی تعلیم دیتا ہے...؟

بہرحال پاسپورٹ میں مذہب کے خانے کی بحالی کا مجوّزہ اعلان خوش آئند ہے، خدا کرے بالفعل اس پر عمل درآمد بھی شروع ہوجائے، اس موقع پر ہم جہاں عالمی مجلس تحفظ ختمِ نبوّت کے اکابرین، دِینی جماعتوں کے سربراہان کو ان کی شبانہ روز محنت اور کامیاب حکمتِ عملی پر مبارک باد پیش کرتے ہیں، وہاں اربابِ اقتدار کے ان سنجیدہ حضرات کی محنت و جدوجہد بھی قابلِ تحسین ہے جنھوں نے اس مسئلے کی سنگینی کا احساس کرتے ہوئے ارکانِ اسمبلی اور جنابِ صدر کو اس پر آمادہ کیا اور پوری مسلمان قوم کا مطالبہ پورا کرنے میں مدد دی۔ ہم ان سے توقع رکھیں گے کہ وہ آئندہ بھی جنابِ صدر کی صحیح سمت میں راہ نمائی کریں گے اور انہیں مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنے سے باز رکھیں گے، اور ایسے کسی غلط اقدام سے منع کریں گے جس سے پاکستان کے مذہبی تشخص پر آنچ آئے یا قیامِ پاکستان کی خاطر جان و مال اور عزّت و آبرو کی قربانیاں دینے والے اکابر کی قربانیوں سے بے وفائی اور غداری کی بو آئے۔

یہ ملک اسلام کے نام اور اسلامی اقدار کے تحفظ کی خاطر حاصل کیا گیا تھا، لہٰذا اس کو بقا اور تحفظ بھی اسی وقت تک میسر رہے گا جب تک اس میں قرآن و سنت، اسلامی اقدار اور شعائرِ اسلام کو تحفظ حاصل رہے گا، خاکم بدہن جس دن اس ملک سے ان چیزوں کا خاتمہ ہوا، وہ دن اس کا آخری دن ثابت ہوگا، ولا فعل اللہ!

اس لئے ملک وقوم کے بہی خواہوں کو اس طرف خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہٖ وأصحابہٖ أجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' ربیع الاوّل ۱۴۲۶ھ)

دینی مدارس اور علماء کا کردار

درسِ نظامی پر اشکالات کا جواب

گزشتہ دنوں ایک دِینی مدرسہ کے طالب علم نے نہایت اضطراب کی حالت میں اور ڈرتے ڈرتے ایک سوال نامہ پیش کیا اور اس کے جواب کی فرمائش کی، ایک صبح اُٹھ کر جواب لکھنے بیٹھا تو خلافِ معمول ایک ہی نشست میں اُسے مکمل کردیا، جو کسی قدر نوک پلک درست کرنے کے بعد نذرِ ناظرین ہے:

''حضرتِ محترم!.........السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

حضرت! بندے کے دِل میں کافی عرصے سے مدارس کے نصاب کے متعلق چند اِشکالات وسوالات ہیں، جنھوں نے ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہوئی ہے، لہٰذا بندہ اس سے خلاصی پانے کے لئے تمام اِشکالات کو آپ کی نظر کرنا چاہتا ہے۔ اُمید ہے کہ شفقت کے ساتھ سوالات کا جواب مرحمت فرمائیں گے۔

۱:... مدارس میں جدید فقہی مسائل کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟ حالانکہ وہ تمام قدیم مسائل پوری تشریح وتوضیح اور دلائل و بحث کے ساتھ پڑھائے جاتے ہیں، جن کی ہمارے دور اور زمانے میں دُور کی بھی مماثلت نہیں پائی جاتی، اور ان مسائل کی،

موجودہ زمانے کے لحاظ سے، تطبیق دینا بھی ممکن نہیں، ہمیں یہ سب تو پڑھایا جاتا ہے، لیکن مروّجہ سودی نظام، لیزنگ، بیمہ پالیسی، بینکنگ، اکاؤنٹ اور پرائز بانڈ وغیرہ کے بارے میں ہم بالکل ناآشنا ہیں۔

۲:...موجودہ زمانے میں سونے اور چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہئے؟

۳:... موجودہ زمانے کے لحاظ سے عشر و خراج کا طریقہ کیا ہونا چاہئے؟ اور ہماری زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

۴:...کاغذی نوٹ کے بارے میں شریعت کی نظر میں ثمنیت کا کیا اعتبار ہے؟ حالانکہ جب کاغذی نوٹ کا اجراء کیا گیا تو اس کو سونے اور چاندی کے مساوی قرار دیا گیا، اب اس میں تفاوت پایا جاتا ہے، اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا۔

۵:...تفسیر میں صرف ''تفسیرِ عثمانی'' پر ہی کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟ قرآن و حدیث کی حقانیت کو آج کی سائنس ثابت کررہی ہے، ہمیں اس لحاظ سے کیوں نہیں پڑھایا جاتا؟ حالانکہ ایک عام دُنیا دار پروفیسر، علماء سے زیادہ اس کی تحقیق رکھتا ہے، اور جدّت پسندوں کو ہمیں رجعت پسند کہنے کا موقع ہاتھ آجاتا ہے۔

۶:... مدارس میں پانچ سال تک منطق کیوں پڑھائی جاتی ہے؟ اور اس میں فضول قسم کی قیل و قال کی جاتی ہے؟ جن کا نہ فائدہ ہے اور نہ افادہ؟

۷:... مدارس میں پانچ سال تک نحو کیوں پڑھائی جاتی ہے؟ ''کلمہ کی تعریف کو کلام کی تعریف پر کیوں مقدم کیا؟ کلام کی

تعریف کو کلمہ کی تعریف سے کیوں مؤخر کیا؟'' اس قسم کے فضول فلسفے پڑھائے جاتے ہیں، اور نتیجہ یہ ہے کہ دس سال تک عربی تکلم پر قدرت ہے، نہ اِنشاء پر۔

۸:... مدارس میں تقابلِ ادیان سے متعلق کسی قسم کا مواد نہیں پڑھایا جاتا؟ سوائے ان معتزلہ کے، جن کا وجود دُنیا میں نہیں رہا۔

۹:...دس سال مدرسہ میں تعلیم حاصل کرنے والا شہریت، جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد رہتا ہے اور اپنی قومی زبان پر بھی مکمل دسترس حاصل نہیں کرپاتا۔ مدارس میں رائج اس نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں درج ذیل خرابیاں پیدا ہوگئیں:

الف:... مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرے نے قبول نہیں کیا۔

ب:... مدارس دیہاتی ماحول اور چھوٹے طبقے تک محدود ہوگئے اور اہلِ ثروَت کا مدارس کی طرف رُجحان ختم ہوگیا۔

ج:...علماء کے اندر سے تحقیقی کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔

د:...علماء محدود ذہن کے ہوگئے۔

ہ:...اس کے علاوہ کئی وجوہات حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلوی صاحب دامت برکاتہم کے اس مکتوبِ گرامی سے بھی معلوم ہوتی ہیں، جو درج ذیل ہے:

''مکرمان و محترمان حضراتِ اکابر و ذمہ دارانِ مدارس،
السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ!

اللہ پاک کا شکر ہے! بندہ بعافیت ہے، اُمید ہے بعافیت ہوں گے، آج ذمہ دارانِ مدرسہ کو ایسے علماء تیار کرنے چاہئیں، جن کی پڑھنے ہی کے زمانے میں پڑھانے کی نیت کرائی جائے، وہ فارغ ہوکر پڑھائیں اور پڑھنے ہی کے زمانے میں تھوڑا تھوڑا وقت لگا کر دعوت وتبلیغ سے مناسبت پیدا کریں، اور پڑھنے کے زمانے میں جس کی طرف اس کا رُجحان ہو، بیعت کا تعلق کرادیں، تاکہ پڑھنے کے ساتھ سلوک سے مناسبت ہوجائے، پھر وہ جہاں بیٹھے تینوں کام کرنے والا ہو: ایک طرف تعلیم دے رہا ہو، اور ایک جگہ تبلیغ کی خدمت کررہا ہو، اور ایک طرف اپنے معمولات پورے کررہا ہو، اور دُوسروں کے معمولات پورے کرانے کا ذریعہ بن رہا ہو، آج پوری دُنیا میں ہر سال اتنے علماء فارغ ہونے کے باوجود، مکاتب میں پڑھانے والے نہیں ملتے، مدارس کی کتابیں پڑھانے والے نہیں ملتے، مراکز میں جماعتیں لے کر چلنے والے نہیں ملتے اور خانقاہوں میں ذاکرین کی وہ مقدار نہیں ہوتی جیسی ہونی چاہئے، پوری دُنیا میں جو کچھ اس لائن سے نظر آرہا ہے، وہ صُفّہ پر ایک ہی جگہ ہو رہا تھا، وہیں مبلغین تیار ہو رہے تھے، وہیں مجاہدین تیار ہو رہے تھے، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ صُفّہ کی ترتیب پر سارے اعمال ایک ہی جگہ ہو رہے ہوں، میں آپ حضرات سے درخواست کرتا ہوں کہ پوری دُنیا میں یہ ماحول بنایا جائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ....

فقط والسلام۔ محمد طلحہ کاندھلوی

(ابن وجانشین شیخ الحدیث حضرت

مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ)

۲۱؍محرّم الحرام ۱۴۲۶ھ۔‘‘

اللہ تعالیٰ ہمیں علم نافع عطا فرمائے۔ آمین۔ اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔ بندہ محمد عبداللہ، کراچی۔‘‘

جواب:... میرے عزیز! آپ نے سوالوں کے ساتھ جواب کی جگہ تو چھوڑی نہیں، تاہم الگ کاغذ پر آپ کے تمام سوالات کا مختصر سا جواب نمبر وار درج کیا جاتا ہے:

۱:... میرے عزیز! یہ تو آپ کو بھی معلوم ہوگا کہ اسلامی شریعت کے مآخذ چار ہیں: قرآن، حدیث، اِجماع اور قیاس۔ اور ان سب کی اصل، بنیاد اور منبع قرآنِ کریم ہے، اس لئے کہ قرآنِ کریم میں بعض احکام تو صراحتاً مذکور تھے، اور جو اَحکام قرآنِ کریم میں صراحتاً مذکور نہیں تھے، آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف میں ان کی وضاحت فرمادی، اس لئے حدیث بھی قرآنِ کریم کی شرح وتفسیر ہے، پھر جو اَحکام و مسائل قرآن و حدیث میں صراحتاً مذکور نہیں تھے، حضراتِ صحابہ کرامؓ، ائمہ مجتہدینؒ اور اکابر علمائے اُمت نے انہیں ان دو بنیادوں یعنی قرآن و حدیث کی روشنی میں مستنبط فرمایا، اور جن مسائل پر اکابر کا اجماع ہوگیا، وہ اجماعی مسائل قرار پائے، پھر جو مسائل اس کے علاوہ تھے، انہیں ان تین بنیادوں سے مأخوذ اُصولوں پر قیاس کرکے معلوم کیا گیا اور اسی کا نام ’’فقہ‘‘ ہے۔ لہٰذا فقہ میں پہلے اُصول اور کلّیات کا درس دیا جاتا ہے، اگرچہ اس میں بیشتر جزئیات سے بھی بحث کی جاتی ہے، مگر چونکہ جدید فقہی مسائل ہر دور کے الگ الگ ہوتے ہیں، لہٰذا حضرات علمائے کرام نے فقہ کے اُصول وضع فرماکر ہر دور کے علماء کو اس قابل بنادیا کہ وہ ان اُصولوں کی روشنی میں جدید فقہی مسائل کو سمجھا اور پڑھا سکیں۔

اگر موجودہ دور کے جدید مسائل کو اسی تناظر میں دیکھا جائے تو اکابر علماء اور

اربابِ دِینی مدارس نے بنیادی طور پر ان کا درس دیا ہے، چنانچہ قدوری، کنز اور ہدایہ سمجھ کر پڑھ لی جائیں یا بالفاظِ دیگر ہضم کرلی جائیں تو سود، جوا اور لاٹری کی تمام مروّجہ شکلیں اور ان کا حکم بآسانی سمجھ میں آسکتا ہے، لہٰذا یہ کہنا کہ علماء جدید مسائل کیوں نہیں پڑھاتے؟ درحقیقت فقہ اور اُصولِ فقہ سے لاعلمی کی علامت ہے۔

قدیم مسائل پوری توضیح وتشریح سے پڑھانے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جن طلبہ و علماء کو یہ اُصول سمجھ میں آجائیں گے، اُن کو ان اُصولوں کی روشنی میں جدید مسائل کا سمجھنا آسان ہوجائے گا، اور جو شخص قدیم مسائل اور ان کے اُصول سمجھ لے گا، اس کو جدید مسائل سمجھنا اور ان کی تطبیق دینا آسان ہوجائے گا، مثلاً بیع قبل القبض، حرام اشیاء کی بیع، قسطوں کا کاروبار، بیمہ، لیزنگ وغیرہ، کون سا ایسا مسئلہ ہے جو فقہائے اُمت نے بیان نہیں فرمایا؟ تاہم اکابر علمائے اُمت کے فتاویٰ اور ان کی تصنیفات میں ان پر مستقل بحث کی گئی ہے، جو کسی صاحبِ علم وعقل پر مخفی نہیں، کوئی ایک ایسا مسئلہ بتلایا جائے جو ان اُصول، قواعد اور کلیات سے ماورا ہو اور اس پر علماء نے کوئی راہ نمائی نہ کی ہو؟

۲:... آپ کا ارشاد کہ: سونے، چاندی کی قیمتوں میں انتہائی تفاوت کی وجہ سے اب زکوٰۃ کا نصاب کیا ہونا چاہئے؟ اس سلسلے میں عرض ہے کہ:

دورِ حاضر کے مفتیانِ کرام اور ہند وپاک کے اربابِ تحقیق نے ان دونوں نصابوں یعنی سونا اور چاندی میں سے جو سستا ہو، اس کو وجوبِ زکوٰۃ کے لئے معیار قرار دیا ہے، اس لئے چاندی کے نصاب پر وجوبِ زکوٰۃ اور وجوبِ قربانی کا حکم ہے، اس لئے کہ یہ ایک طرف اگر انفع للفقراء ہے تو دُوسری طرف اَحوَط بھی ہے، کیونکہ اگر خدانخواستہ عنداللہ اس آدمی پر زکوٰۃ فرض تھی اور ہم نے اغنیاء کے نفع اور ان کی مشکلات کو پیشِ نظر رکھ کر اس کو زکوٰۃ سے بَری قرار دے دیا تو وہ عنداللہ مجرم ہوگا۔

پھر یہ بھی دیکھا جائے اور غور کیا جائے کہ شریعت کے اَحکام میں ضعفاء اور

فقراء کا خیال رکھا گیا ہے، نہ کہ مال داروں اور طاقت وروں کا، گویا سونے کو نصاب قرار دینے کی صورت میں تو شاید و باید ہی کسی پر زکوٰۃ اور قربانی واجب ہوسکے گی، اس سے دولت کا ارتکاز ہوگا اور غرباء وفقراء محتاج تر ہوجائیں گے۔

بہرحال! میں نہ تو مجتہد ہوں اور نہ ہی مفتی، البتہ اکابر اساتذہ اور مفتیانِ کرام کا جدید وقدیم فتویٰ یہی ہے کہ نصاب کا معیار ان دو چیزوں میں سے وہ ہے جو سستی ہو، اور چونکہ چاندی سستی ہے، اس لئے وہی نصاب ہے، اور ایسے شخص پر جو چاندی کے نصاب کا مالک ہو، زکوٰۃ اور قربانی واجب ہے۔

۳:... موجودہ زمانے کے لحاظ سے عشر وخراج کا طریقہ اور زمینوں میں سے عشری وخراجی کی تعیین کے سلسلے میں عرض ہے کہ: جہاں تک ہمارے ملک کی زمینوں کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، چونکہ یہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کون سی عشری اور کون سی خراجی ہے؟ اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ سب کو عشری قرار دے کر سب کا عشر ادا کیا جائے، اس لئے اگر زمین بارانی ہو کہ صرف ہل چلا کر بیج ڈال دینے پر فصل تیار ہوجائے تو اس کی آمدنی پر عشر ہوگا یعنی آمدنی کا دسواں حصہ دیا جائے گا اور اگر اس کے اوپر پانی، کھاد اور اسپرے وغیرہ کے دُوسرے اخراجات آتے ہوں تو نصف عشر یعنی آمدنی کا بیسواں حصہ بطور عشر دیا جائے گا۔

۴:... جہاں تک کاغذی نوٹ کی حیثیت کا تعلق ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ کاغذی نوٹ چونکہ عام طور پر اس سونے، چاندی کا بدل یا زرِ ضمانت ہوتے ہیں، جس کی بنیاد پر کاغذی نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ انہیں سونے کا بدل تصور کیا جائے اور ان کے عوض سونے، چاندی کی اُدھار خرید و فروخت نہ کی جائے، جبکہ بعض دُوسرے حضرات ان کو ثمنِ عرفی قرار دیتے ہیں، اس لئے اُن کے ہاں ان کا حکم زرِ ضمانت کا نہیں، لہٰذا اُن کے ہاں کاغذی نوٹوں کے عوض سونے، چاندی کی اُدھار خرید وفروخت جائز ہے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ: اس بارے میں کچھ نہیں پڑھایا جاتا، اس لئے نادُرست ہے کہ میرے نزدیک یہ اضافی بحث ہے، تاہم اکابر نے اس پر مستقل تصنیفات فرمائی ہیں اور اکابر کے مطبوعہ فتاویٰ میں بھی اس کی تفصیلات موجود ہیں۔

نیز میں سمجھتا ہوں کہ یہ ابتدائی طلبہ کے پڑھانے کی چیز نہیں، اس لئے کہ یہ ان کی ذہنی سطح سے اُونچی چیز ہے، ہاں جو طلبہ تکمیلِ درسِ نظامی کے بعد فقہ میں تخصّص کرتے ہیں، ان کو یہ موضوع بھی پڑھایا جاتا ہے اور وہ اس سے باخبر ہوتے ہیں۔

جس طرح دُنیا کے دُوسرے علوم وفنون میں ابتداءً اُصول وکلیات پڑھائے جاتے ہیں، اس کے بعد خاص خاص شعبوں میں تخصّصات کرائے جاتے ہیں، ٹھیک اسی طرح یہاں بھی وہی اُصول کارفرما ہے، مثلاً: جیسے ڈاکٹر بننے والوں کو پہلے ایم بی بی ایس کا کورس کرایا جاتا ہے، اس کی تکمیل کے بعد پھر طلبہ کی دِلچسپی کے پیشِ نظر ان کے منتخب کردہ موضوعات، مثلاً: دِل، دِماغ، جگر، معدہ، سینہ، کان، ناک اور حلق کے امراض اور ان کی جراحی کے اُصول وفروع میں تخصّص کرائے جاتے ہیں، اور ایسا شخص اس شعبے کا ماہر کہلاتا ہے، بالکل اسی طرح یہاں بھی وہی انداز اپنایا جاتا ہے کہ پہلے مطلقاً فقہی اُصول ومبادیات کی تعلیم دی جاتی ہے، اس کی تکمیل کے بعد طلبہ کی دِلچسپی کے پیشِ نظر حدیث، فقہ، دعوت و اِرشاد، معاشیات اور اقتصادیات میں تخصّصات کرائے جاتے ہیں، اس لئے کہ جو طالب علم، نفسِ فقہ اور اس کے اُصول ومبادیات سے ناآشنا ہو، اس کو ان مخصوص مسائل میں اُلجھانے سے کیا اس کا دِماغ منتشر نہیں ہوگا؟

۵:... آپ کا یہ ارشاد کہ: ''تفسیر میں صرف تفسیرِ عثمانی پر ہی کیوں اقتصار کیا جاتا ہے؟'' اس لئے ناقابلِ فہم ہے کہ تفسیرِ عثمانی درسِ نظامی اور وفاق المدارس کے نصاب میں شامل نہیں ہے، اگر کوئی مدرسہ یا کسی مدرسہ کا کوئی اُستاذ اس کو درساً پڑھاتا ہے تو یہ اس کا انفرادی عمل ہے، بہرحال مقصود تو نفسِ قرآنِ کریم کا ترجمہ وتشریح ہے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اساتذہ اس تفسیر سے استفادہ کرتے ہیں اور طلبہ کو بھی اس تفسیر

سے استفادے کی ترغیب دیتے ہیں، اور ایسا کرنا اس لئے مناسب ہے کہ تفسیرِ عثمانی کے مطالعے سے نفسِ قرآنِ کریم سمجھ میں آجاتا ہے، لہٰذا تفسیرِ عثمانی کے مطالعے کی ترغیب بھی اسی اُصول کے پیشِ نظر ہے کہ طلبہ کو نفسِ قرآنِ کریم سمجھ میں آجائے، اور طلبہ غیرضروری، طویل لا طائل اَبحاث میں نہ اُلجھیں، پھر جب نفسِ قرآنِ کریم سمجھ میں آجائے گا اور استعداد پیدا ہوجائے گی تو دُوسری طویل ومبسوط تفسیروں سے استفادہ بھی آسان ہوجائے گا۔

اگر غور کیا جائے تو تفسیرِ عثمانی تمام متداول اُردو عربی تفاسیر کا اختصار وخلاصہ ہے۔ اربابِ علم و دانش جانتے ہیں کہ تفسیرِ عثمانی ''دریا بکوزہ'' کا مصداق ہے، چنانچہ جو شخص پہلے تمام متداول اُردو عربی تفاسیر کا بغور مطالعہ کرلے اور پھر تفسیرِ عثمانی کا مطالعہ کرے تو اسے اس کی ایک، ایک سطر، بلکہ ایک، ایک حرف کے مطالعے سے اندازہ ہوگا کہ یہاں سے کس تفسیر کے کس قول، اعتراض یا اِشکال کا جواب اور مختلف تفسیری اقوال میں سے کس قول کو ترجیح دی جارہی ہے۔

اس کے علاوہ بُرا نہ منائیں تو درسِ نظامی میں تین سال تک قرآنِ کریم کا ترجمہ اور تفسیر جلالین مکمل درساً پڑھائی جاتی ہے، جبکہ تفسیرِ بیضاوی کا ایک حصہ سبقاً پڑھا کر تفسیری انداز اور قرآن کریم کے علوم و معارف سے بھی طلبہ کو روشناس کرایا جاتا ہے۔

آپ کا یہ ارشاد کہ: ''قرآن وحدیث کی حقانیت کو سائنس سے کیوں ثابت نہیں کیا جاتا'' آپ کی بچکانہ سوچ کا مظہر ہے، کیونکہ سائنس سے اگر قرآن وسنت کی حقانیت کو ثابت کیا جائے تو کیا آئے دن تبدیل ہونے والے سائنسی نظریات کی اقتداء میں قرآن و حدیث کے معانی و مفاہیم کو بھی بدلا جائے گا؟ اگر نہیں، تو پھر قرآن وسنت کی حقانیت کو سائنس کی ضرورت نہیں، ہاں! سائنس قرآن وسنت کے تابع اور اس کی ممد ہے اور اکابر نے اس پر کام کیا ہے، حضرت مولانا شمس الحق افغانی

قدس سرہٗ کی کتاب ''سائنس اور اسلام'' قابلِ مطالعہ ہے۔

۶:... دِینی مدارس میں منطق اس لئے پڑھائی جاتی ہے تاکہ انسانی دِماغ کی گرہیں کھل جائیں، فکری غلطیوں سے حفاظت ہوجائے اور معاندینِ اسلام کے فکری مغالطوں کا جواب بآسانی دیا جاسکے، پھر چونکہ قدیم و جدید دور کے ملاحدہ عقلیت پسند ہوتے ہیں اور عقلیات کو استعمال کرتے آئے ہیں، اس لئے عقلیت پسندی کے ان مریضوں کا علاج بھی اسی صورت میں ممکن ہوگا جب علماء کو اس فن سے مناسبت یا آگاہی ہوگی۔

اس سے ہٹ کر اکابر علمائے اُمت کی تصنیفات میں بھی چونکہ منطق و فلسفہ کی اصطلاحات موجود ہیں، لہٰذا جو شخص اس فن سے ناواقف ہوگا، وہ دُوسروں کو سمجھانے کی بجائے خود ان علوم سے استفادہ نہیں کرسکے گا، لہٰذا جس طرح قرآن و سنت کی فہم کے لئے علمِ صرف، نحو، معانی، بدیع، بلاغت و بیان کا جاننا ضروری ہے، اسی طرح منطق کا جاننا بھی ضروری ہے۔ دیکھا جائے تو یہ بھی قرآن و سنت اور علومِ نبوّت کا خادم علم ہے، جس کی تعلیم نہایت ضروری ہے، پھر اکابر و اسلاف کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے تو صاف نظر آئے گا کہ جن، جن اکابر نے منطق و فلسفہ پڑھا ہے، وہ اپنے، اپنے دور کے یگانۂ روزگار تھے، اور انہوں نے کسی بھی میدان میں ناکامی کا منہ نہیں دیکھا، اس لئے چند سال پہلے تک ہمارے علماء اور طلبہ درسِ نظامی سے فراغت کے بعد ایک سال مستقل ''تکمیل'' کے نام سے ان فنون کو پڑھتے تھے، میرے خیال میں جو طلبہ ان فنون کی افادیت و لذّت سے ناآشنا ہیں، وہی ان کی مخالفت کرتے ہیں، ورنہ یہ فن فہم و تفہیمِ دِین میں بہت ہی ممد و معاون ہے، ہاں! جو لوگ جس چیز سے ناآشنا ہوا کرتے ہیں، وہی ہی اس کے دُشمن و مخالف ہوتے ہیں۔

۷:... نحو کے ذریعہ فعل، فاعل، مفعول، مبتداء، خبر، شرط اور جزا کا پتا چلتا ہے، اگر اس کا پتا نہ چلے تو عربی عبارت کا معنی و مفہوم ہی صحیح طور پر واضح نہیں ہوگا۔

اگر مفعول کو فاعل یا فاعل کو مفعول بنادیا جائے تو آپ اندازہ لگائیں کہ کس قدر خطرناک حد تک معنی بدل جائے گا، مثلاً قرآنِ کریم کی سورۂ براءۃ میں ہے کہ:

''اِنَّ اللهَ بَرِیۡٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ'' (براءۃ:۳)

ترجمہ:... ''بے شک اللہ اور اس کا رسول، مشرکین سے بَری ہیں۔''

اگر بالفرض کوئی نحو کا فن نہ جانتا ہو اور وہ خدانخواستہ ''وَرَسُوْلُهٗ'' کا عطف مشرکین پر ڈال کر اس کو مجرور یعنی وَرَسُوْلِهٖ پڑھے اور ... نعوذ باللہ... اس کا ترجمہ یہ کرے کہ: ''اللہ، مشرکین سے اور اپنے رسول سے بَری ہے'' تو وہ کس قدر تحریف کا مرتکب ہوگا، بلکہ قصداً ایسا پڑھنا بدترین کفر ہے، اس لئے نحو کی تعلیم پر زور دیا جاتا ہے تاکہ قرآن و حدیث کو سمجھنا آسان ہوجائے۔

آپ کا یہ فرمانا کہ دس سال تک تعلیم کے باوجود عربی تکلم پر قدرت ہے، نہ اِنشاء پر، اس کے جواب میں عرض ہے کہ اکابر علماء نے علمِ صرف، نحو، ادب اور منطق کی متداول کتب، درسِ نظامی میں اسی غرض سے شامل کی تھیں کہ ان کو پڑھ کر، بلکہ ہضم کرکے قرآن، حدیث، فقہ اور عربیت پر قدرت حاصل ہوجائے، چنانچہ بعض حضرات ان سے کما حقہٗ استفادہ کرکے دِین و شریعت اور علومِ نبوّت کے علاوہ عربی بول چال پر بھی قدرت حاصل کرلیتے ہیں، جبکہ میرے اور آپ جیسے کوتاہ ہمت، بدمحنت اور ناقص استعداد لوگ اپنی کمی، کوتاہی کو چھپانے کے لئے اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس کو فضول جانتے ہیں اور اس پر توجہ نہیں کرتے تو اس کے کما حقہٗ ثمرات و برکات سے محروم رہتے ہیں، ورنہ ہند و پاک کے وہ اکابر، جن کی عربیت، فصاحت اور بلاغت پر دُنیائے عرب سر دھنتی ہے، اور ان کے کلام کو خراجِ عقیدت پیش کرتی ہے، وہ انہی دِینی مدارس کے فارغ و فاضل تھے، ان میں سے حضرت مولانا سیّد محمد بدرِ عالم میرٹھی مہاجر مدنی، حضرت مولانا علامہ سیّد محمد انور شاہ کشمیری، حضرت

مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد اعزاز علی امروہوی، حضرت مولانا علامہ ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی، حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی، حضرت مولانا سیّد محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا شمس الحق افغانی، حضرت مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی، مولانا محمد موسیٰ خان رُوحانی بازی، مولانا محمد عبدالرشید نعمانی، مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری، مولانا ڈاکٹر محمد حبیب اللہ مختار، مولانا وحیدالزمان قاسمی رحمہم اللہ تعالیٰ، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، مولانا ابوبکر غازی پوری، مولانا سیّد ارشد مدنی، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، مولانا نور عالم خلیل امینی وغیرہ مدظلہم حضرات انہی مدارس کے پڑھے ہوئے ہیں، جن کی عربیت وعظمت کی دُنیا معترف ہے۔ آپ بھی اسی شوق ولگن سے پڑھیں تو آپ بھی ان کے مقام پر پہنچ سکتے ہیں۔

کیا عصری اسکولوں میں پڑھنے والے تمام طلبہ مکمل انگلش بول سکتے ہیں؟ اگر نہیں، تو ان پر کیوں اعتراض نہیں؟ جہاں تک عربی بول چال کا تعلق ہے، یہ ماحول اور ممارست کی محتاج ہے، آپ بھی اس کی مشق کریں تو اچھے عربی اِنشاء پرداز ہوجائیں گے، چنانچہ ہمارے وہ طلبہ جو عرب جامعات میں پڑھنے جاتے ہیں، کیا وہ عربی لکھتے، بولتے نہیں؟

۸:... آپ کا یہ فرمانا کہ: ''ہمارے مدارس میں سوائے معتزلہ کے دُوسرے فرَق کی تردید اور تقابلِ اَدیان پر کچھ نہیں پڑھایا جاتا'' اس سلسلے میں دیکھا جائے تو ہماری قدیم کتب میں جن فتنہ پردازوں اور ان کے فتنوں کا تذکرہ ہے، آج بھی ان کے جانشین موجود ہیں، مگر ان کے نام اور شبہات کے انداز بدل گئے ہیں، معتزلہ ''اِعتزال'' سے ہے، اور اِعتزال کے معنی ہیں: جمہور سے الگ راہ اختیار کرنا، لہٰذا آج بھی جو شخص یا فرقہ جمہور سے الگ راہ اختیار کرتا ہے وہ معتزلی ہے، معتزلہ بھی عقلیت پسند تھے اور آج بھی عقلیت پسندی کا دور دورہ ہے، لہٰذا عقلیت پسندی کی تردید آج کے دور کے عقلیت پسندوں کی تردید ہے۔

جہاں تک تقابلِ اَدیان کا معاملہ ہے، بحمداللہ! ہمارے دِینی مدارس میں اس کی بھی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے، مگر ہر شیٔ کا ایک موقع محل اور وقت ہوتا ہے، ہمارے اکابر فرماتے ہیں کہ: پہلے اپنا مسلک و مذہب سیکھو، بعد میں تردید باطل سیکھو، یہ تو کوئی عقلمندی نہ ہوئی کہ اپنا دِین و مذہب اور مسلک ومشرب تو معلوم نہ ہو اور دُوسروں کے پیچھے لٹھ لے کر دوڑنا شروع کردیا جائے، پھر تو وہی لطیفہ ہوگا جس طرح ایک جاہل نے کسی کافر کو ڈنڈا دکھا کر کہا کہ: ''پڑھو کلمہ، ورنہ قتل کردُوں گا!'' جب ڈرے سہمے کافر نے کہا کہ: ''چلو پڑھا دو کلمہ!'' تو بیچارہ ڈنڈا بردار مارے شرم کے بغلیں جھانکنے لگا، اس لئے کہ خود اس کو بھی کلمہ نہیں آتا تھا، چنانچہ دِل ہی دل میں کہنے لگا: اے کاش کہ! مجھے کلمہ آتا ہوتا تو آج ایک کافر مسلمان ہوجاتا۔

۹:... یہ بھی آپ کی بے توجہی ہے کہ مدارس میں دس سال پڑھنے والا شہریت، جغرافیہ اور انگریزی سے نابلد ہوتا ہے، اس لئے کہ پہلے تو دِینی مدارس کا موضوع ہی دِین پڑھانا ہے، نہ کہ دُنیا اور اس کے علوم۔ کیا کبھی کسی اسکول و کالج کے طالب علم سے بھی سوال ہوا ہے کہ ۱۶ سال پڑھنے کے باوجود آپ کو بنیادی اسلامی عقائد اور عربی سے ناآشنائی کیوں ہے؟

جبکہ بحمداللہ! ہمارے مدارس میں یہ دُنیوی علوم اب باقاعدہ پڑھائے بھی جاتے ہیں، اس کے علاوہ دِیانت داری کی بات یہ ہے کہ جو شخص دِینی مدارس کے اس نصاب کو پڑھ لیتا ہے، اُسے یہ دُنیوی علوم محض تھوڑی سی توجہ اور مطالعے سے بآسانی حاصل ہوجاتے ہیں، اور ایسی کئی ایک مثالیں موجود ہیں، اگر یقین نہ آئے تو راقم کئی ایک مثالیں پیش کرسکتا ہے۔

۱۰:... آپ کا یہ فرمان بھی ناقابلِ فہم ہے کہ:

الف:... ''مدارس میں رائج اس نصاب کی وجہ سے مدارس کے فضلاء میں یہ خرابیاں ہوگئیں کہ: مدارس سے ایسا طبقہ پیدا ہوا جسے معاشرے نے قبول نہیں کیا۔''

اس لئے کہ انہی مدارس سے فارغ ہونے والے علماء نے آج تک اُمت کی راہ نمائی کی ہے، اور ہند و پاک میں موجودہ دِینی فضا اور دیانت داری کی ساری شکلیں انہیں علماء کی مرہونِ منّت ہیں، ورنہ مصر اور دُوسرے کئی عرب ممالک میں خود علماء دِینی وضع قطع سے محروم ہیں، وہاں ستر و حجاب کا تصوّر معدوم ہے، کافروں اور مسلمانوں کی مستورات کے لباس میں عریانی کی حد تک مماثلت ہے، آج جس طرح ہند و پاک میں علماء پر مسلمان اعتماد کرتے ہیں، دُوسرے کئی عرب ممالک کے علماء اس اعتماد سے یکسر خالی ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج دِینی مدارس اور ان کا خالص دِینی و مذہبی نصاب اَبنائے کفر کی نگاہ میں کھٹکتا ہے، اگر معاشرے نے ان کو قبول نہ کیا ہوتا تو معاشرہ ان کی تعلیمات کو کیوں اپناتا؟ اور معاشرے کی یہ اچھی حالت کیونکر ہوتی؟

بحمداللہ! ہند و پاک میں اس نصاب اور مدارس کی اس کارکردگی کا نتیجہ ہے کہ یہاں دِینی مراکز قائم ہیں، خانقاہیں آباد ہیں، تبلیغی جماعت اپنا کام کر رہی ہے، قادیانیوں اور دُوسرے لادِینی طبقات کا ناطقہ بند ہے، مساجد و مدارس آباد ہیں، لوگوں کے چہروں پر سنتِ رسولؐ کی شادابی ہے، خواتین ستر و حجاب سے مزین ہیں، دِینی اسکول اور حفظِ قرآن کے مدارس میں لاکھوں مسلمان بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں، اور بحمداللہ! کراچی ہی میں ماہانہ ڈھائی سے تین ہزار روپے فیس دے کر مسلمان اپنے بچوں کو حفظِ قرآن اور دِینی وعصری تعلیم دِلا رہے ہیں، کیا اب بھی کہا جائے گا کہ معاشرے نے ان کو قبول نہیں کیا؟

ب:... آپ کا یہ فرمان کہ: ''مدارس دیہاتی اور چھوٹے طبقے کے لئے محدود ہوگئے اور اہلِ ثروَت کا مدارس کی طرف رُجحان ختم ہوگیا'' کم از کم میرے لئے ناقابلِ قبول ہے، اس لئے کہ بحمداللہ! مدارس میں اب ایک معقول تعداد ان بچوں کی ہے جو لکھ پتی نہیں، کروڑ پتی خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے، اگر اہلِ ثروَت کا ان مدارس کی طرف رُجحان ختم ہوگیا ہوتا تو یہ مدارس بند نہ ہوگئے ہوتے؟ حالانکہ ان مدارس میں

سے متعدّد ایسے بھی ہیں جن کا سالانہ میزانیہ کروڑوں کا ہے، آخر یہ فنڈ کہاں سے آتا ہے؟ یہ اہلِ ثروَت کے مدارس کی طرف رُجحان کی دلیل ہے یا رُجحان کے ختم ہونے کی؟ آپ ہی فیصلہ فرمائیں؟

پھر اگر کچھ محروم القسمت ان مدارس کی طرف توجہ نہیں کرتے یا ان کو یہ نظام ناپسند ہے، تو اس میں اس دور کے اہلِ ثروَت کی کیا تخصیص ہے؟ یہ طبقہ تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی تھا، جو کہا کرتا تھا:

''لَا تُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا.'' (المنافقون:۷)

ترجمہ:... ''جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اِردگرد ہیں، ان پر خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ تنگ آکر وہ آپ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں۔''

آپ ہی ارشاد فرمائیں کہ کیا ...نعوذ باللہ... یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نظامِ تعلیم کے نقص کی وجہ سے تھا؟ یا ان محروم القسمت کی شقاوتِ ازلی کی بدولت؟

پھر یہ امر بھی قابلِ لحاظ ہے کہ دِین کا ساتھ دینے والے ہمیشہ کمزور اور نچلے طبقے کے لوگ رہے ہیں، جبکہ اصحابِ ثروَت اِلَّا ماشاء اللہ! ہمیشہ اس کے مخالف رہے ہیں، جیسا کہ قرآنِ کریم میں ہے:

''وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِکَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا فَفَسَقُوْا فِیْهَا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِیْرًا.''

(بنی اسرائیل:۱۶)

ترجمہ:... ''اور جب ہم نے چاہا کہ غارت کریں کسی بستی کو، حکم بھیج دیا اس کے عیش کرنے والوں کو، پھر انہوں نے نافرمانی کی اس میں، تب ثابت ہوگئی ان پر بات، پھر اکھاڑ مارا

ہم نے ان کو اُٹھا کر۔"

میرے عزیز! غریبوں کا دِین پڑھنا یا دِین کو اَپنانا اور مال داروں کا اس طرف توجہ نہ کرنا ان کے اپنے اختیار اور پسند و ناپسند سے تعلق نہیں رکھتا، بلکہ یہ انتخاب، انتخابِ الٰہی ہے، اللہ تعالیٰ دراصل یہ دِکھلانا چاہتے ہیں کہ میں چاہوں تو کمزوروں سے اپنے دِین کا کام لے سکتا ہوں اور نہ چاہوں تو حکومت و اقتدار اور ملک و مال کے مالک اصحابِ ثروَت اور خاندانی شرافت سے متصف افراد کو اس سے محروم رکھ سکتا ہوں، اگر چاہوں تو کافروں کے گھرانوں سے انبیاء پیدا کردوں اور نہ چاہوں تو انبیاء کی اولاد کو اس نعمت سے محروم کرسکتا ہوں۔

غور کیا جائے تو اس میں بھی حکمتِ الٰہی کا یہ راز پنہاں نظر آتا ہے کہ کل کلاں کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دِینِ اسلام اس لئے پھیلا اور پھولا کہ اس کے پیچھے مال و دولت یا ملک و اقتدار کی قوّت و شوکت تھی، بلکہ بتلایا گیا کہ دِین و مذہب محض اللہ تعالیٰ کی حمایت و نصرت سے پھیلا کرتا ہے اور اس کی پشت پر بظاہر کوئی نہیں ہوتا۔

لہٰذا اس انتخابِ الٰہی پر جہاں دِین اور علمِ دِین سے دُور اَصحابِ ثروَت کو اپنی محرومی پر افسوس کرنا چاہئے، وہاں دِین دار غریبوں کو بارگاہِ الٰہی میں سراپا تشکر و امتنان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دِین کے باغ کی باغبانی کے لئے منتخب فرمالیا ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ قیامت تک اپنے اس دِین کے باغ کے لئے پودے لگاتے رہیں گے، جو اس باغ کی سرسبزی و شادابی اور اس کی حفاظت و صیانت کے اعلیٰ مقصد کو پروان چڑھاتے رہیں گے، جیسا کہ ابنِ ماجہ میں ہے:

"لا یزال اللہ یغرس فی ھذا الدین غرسًا یستعملھم فی طاعته." (ابنِ ماجہ ص:۳، طبع نور محمد، کراچی)

ترجمہ:... "اللہ تعالیٰ (قیامت تک) اس دِین کے لئے پودے لگاتے رہیں گے اور انہیں اپنی طاعت کے کاموں میں

استعمال فرماتے رہیں گے۔"

ج:... آپ کا یہ ارشاد کہ: "علماء کے اندر سے تحقیقی کام کا ذوق ختم ہوتا چلا گیا۔" اگرچہ من جملہ آپ کی بات دُرست ہے کہ اب پہلے کا سا ذوق علماء کے اندر بھی نہیں رہا، اور جیسی محنت و جدوجہد اور خلوص و اِخلاص ہونا چاہئے تھا، اب ویسا نہیں ہے، لیکن اس کا یہ معنی بھی نہیں کہ اب علماء سرے سے کام ہی نہیں کر رہے، کیونکہ بحمداللہ! اب بھی علماء حسبِ استعداد اور حسبِ ضرورت اپنی، اپنی بساط کے مطابق کام کر رہے ہیں، اگر یہ علماء اپنا کام چھوڑ چکے ہوتے تو پوری دُنیا کا کفر اُن کا مخالف نہ ہوتا، کیونکہ لڑائی اور جنگ وہاں ہوتی ہے جہاں کسی سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، جس سے واضح ہوتا ہے کہ دُنیائے کفر کو مسلم علماء کی مساعی اور کاوشوں سے اپنے مفادات کو نقصان پہنچنے کا شدید اندیشہ ہے، اس کی ایک مثال افغانستان پر پہلے رُوس اور اس کے بعد امریکا کی یلغار ہے، اسی طرح عراق، شام، لبنان وغیرہ، اس کے علاوہ پوری دُنیا میں علماء کو "دہشت گرد، مذہبی جنونی" وغیرہ کے القابات اس لئے دیئے جاتے ہیں کہ علمائے اُمت دُنیائے کفر کی ہاں میں ہاں ملانے کو تیار نہیں۔

جہاں تک تحقیقی کام کا تعلق ہے، تو سو نقائص کے باوجود آج بھی علماء مختلف شکلوں اور مختلف عنوانات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں، چنانچہ ہند و پاک میں ایسی کئی ایک اکیڈمیاں اور ادارے وجود میں آچکے ہیں جو مسائلِ حاضرہ پر غور و فکر کرکے اُمت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، مثلاً: مولانا مجاہدالاسلام قاسمی، مولانا محمد تقی عثمانی، مولانا سیّد اسعد مدنی، مولانا مفتی نظام الدین شامزی، مولانا سیّد نصیب علی شاہ وغیرہ ایسے کئی حضرات ہیں جنھوں نے مختلف سیمینار اور کانفرنسیں منعقد کرکے اُمت کو اس طرف متوجہ کیا اور جدید خطوط پر کام کرنے کی دعوت دی، اور اس سلسلے کا جدید تحقیقی کام مختلف کتابوں کی شکل میں منظر عام پر آچکا ہے، جبکہ "مجلس مسائلِ حاضرہ" کے عنوان سے آپ کے کراچی میں مستقل ایک عنوان ہے، جس کے تحت علماء اہلِ حق

باہمی مشاورت سے جدید و گھمبیر مسائل پر اُمت کی راہ نمائی کا فریضہ انجام دیتے آئے ہیں، اس کے علاوہ اگر کسی عنوان پر تحقیقی کام کی ضرورت ہے اور علماء اس سے غافل ہیں تو اس کی نشان دہی کی جائے۔

د:... آپ کے ارشاد کہ: ’’علماء محدود ذہن کے ہوگئے‘‘ کا اگر یہ معنی ہے کہ علماء ہر وقت دِین و مذہب کی بات کرتے ہیں، اس کے علاوہ، وہ کوئی سوچ نہیں رکھتے، تو آپ کا ارشاد بالکل بجا ہے، کیونکہ ضابطہ یہ ہے کہ جو شخص جس عنوان پر محنت کرے گا، اس کے ذہن میں ہر وقت اسی کے تانے بانے ہوں گے، مثلاً: جیسے وکالت پڑھنے والا ہمیشہ وکالت کے بارے میں سوچے گا، ڈاکٹر اپنی طب اور جراحت سے متعلق سوچے گا۔ لیکن اگر اس کا یہ معنی ہے کہ علماء جمود پسند ہیں اور مسائلِ حاضرہ یا بین الاقوامی اُمور پر نہیں سوچتے، تو آپ کا ارشاد حالات، واقعات اور مشاہدات کی رُو سے بداہتاً غلط ہے، کیونکہ ایسے کسی عالمِ دِین کا نام نہیں بتلایا جاسکتا جو حالاتِ حاضرہ یا اُمت کی حالتِ زار سے بے خبر ہو، یا اس کے لئے فکرمند نہ ہو، یا اس کے سدِباب کے لئے عملاً متحرک نہ ہو، یہ دُوسری بات ہے کہ کسی کی حرکت نظر آتی ہے اور کسی کی نظروں سے اوجھل ہوتی ہے۔

ہ:... جہاں تک حضرت مولانا محمد طلحہ صاحب مدظلہ کے مکتوب کا تعلق ہے، اس میں انہوں نے مدارس کے طریقۂ کار اور نصاب پر کوئی اِشکال نہیں فرمایا، بلکہ انہوں نے اربابِ مدارس اور علمائے کرام کو طلبہ کی ذہنی، فکری استعداد اور عملی قوت میں اضافہ اور نکھار پیدا کرنے کے لئے فرمایا ہے کہ طلبہ کو ان اُمور کی طرف توجہ دِلائی جائے تاکہ ان سے افادہ اور استفادہ زیادہ سے زیادہ ہوسکے۔

ان کے مکتوب کی غرض یہ ہے کہ اگر ان طلبہ کی ان خطوط پر تربیت کی جائے تو وہ دُوسرے میدانوں میں جانے کی بجائے مدارس، مکاتب میں تدریس کے علاوہ اصلاحِ اُمت کی غرض سے تبلیغی جماعتوں کے ساتھ چلنے اور نکلنے کو اپنی ضرورت سمجھیں

گے، تو اُمت کو زیادہ نفع ہوگا۔

جبکہ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ دِینی مدارس سے فارغ ہونے والے ذی استعداد افراد، دُوسرے میدانوں میں کھپ جاتے ہیں، کوئی اسکول و کالج میں چلا جاتا ہے، تو کوئی فوج و عدلیہ کا رُخ کرتا ہے، کوئی تجارت کو اپنا پیشہ بنالیتا ہے، تو کوئی بیرونِ ملک چلا جاتا ہے، یوں ہماری محنت کا پھل اور ثمرہ دُوسرے لوگ کھاتے ہیں اور ہماری محنت کا ثمرہ ہمیں کم اور دُوسروں کو زیادہ ملتا ہے، گویا ان کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا خام مال اغیار کی بھٹیوں کا ایندھن نہ بنے، بلکہ ان میں کا ہر فرد مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، حکیم الاُمت مولانا محمد اشرف علی تھانوی، شیخ الاسلام مولانا سیّد حسین احمد مدنی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی، مولانا محمد الیاس کاندھلوی، مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی رحمہم اللہ تعالیٰ کا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین بن کر مدرسہ صُفّہ کے نظام کو چلانے والا بن جائے۔

برادرِ عزیز! یہ بھی شیطانی حربہ اور چال ہے کہ وہ طلبہ عزیز کے دِلوں میں ایسے وساوس و شبہات ڈال کر دراصل انہیں اسلاف سے بدظن کرکے ان علوم سے محروم کرنا چاہتا ہے، چونکہ شیطان براہِ راست تو طلبہ کو ان علوم کی تحصیل سے نہیں روک سکتا، اس لئے وہ ان علوم کو بے مقصد، لایعنی، عبث اور فضول قرار دے کر طلبہ کو ان کی تعلیم سے برگشتہ کرنا چاہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جن طلبہ کے دِل و دِماغ میں ان علوم یا کتب کی اہمیت نہیں ہوتی، وہ ان میں محنت بھی نہیں کرتے، اور وہ مسلسل ناکام ہونے کی وجہ سے غبی اور بد استعداد ہوجاتے ہیں اور رفتہ رفتہ مدارس سے ان کا جی بھر جاتا ہے، پھر ایک وقت آتا ہے کہ وہ دِینی مدارس سے نکل کر دُنیائے دنی کے پیچھے مارے مارے پھرتے ہیں۔

شیطان جانتا ہے کہ ایک عالم اس پر ہزار عابد سے زیادہ بھاری ہے، اس لئے

وہ طلبہ کو علومِ نبوّت سے محروم رکھنے کے لئے طرح طرح کے حربے استعمال کرتا ہے، چنانچہ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ ''آپ بیتی'' میں اپنے زمانۂ طالب علمی کے ایک سبق آموز واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''اس نابکار (حضرت شیخ الحدیثؒ) کو بزرگی کا جوش ہوا اور مغرب کے بعد حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کے حجرے کے سامنے لمبی نفلوں کی نیت باندھ لی، اَباجان نے آکر ایک زور سے تھپڑ مارا اور یہ فرمایا کہ: ''سبق یاد نہیں کیا جاتا!'' میرے چچا جان (حضرت مولانا محمد الیاس) رحمۃ اللہ علیہ اس زمانے میں بڑی لمبی نفلیں پڑھا کرتے تھے، بعد مغرب سے عشاء کی اَذان کے قریب فارغ ہوا کرتے تھے، لیکن والد صاحب کے یہاں مختصر سی نوافل کے بعد تعلیم کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ اس وقت تو مجھے بہت غصہ آیا، کہ خود تو پڑھی نہیں جاتی، دُوسرے کو بھی پڑھنے نہیں دیتے، مگر جلد ہی سمجھ میں آگیا کہ بات صحیح تھی، وہ نفلیں بھی شیطانی حربہ علم سے روکنے کے واسطے تھا، اس لئے کہ جب نفلیں پڑھنے کا دور آیا، اب نفس بہانے ڈھونڈتا ہے۔''

(آپ بیتی، جلد اوّل ص:۲۰)

اللہ تعالیٰ ہم سب کو قرآن و سنت، علومِ نبوّت، فقہ و حدیث اور دِین و شریعت کا سچا پیروکار اور اپنے اسلاف و اکابر کا صحیح جانشین بنائے اور نفس و شیطان کے مکر و فریب سے محفوظ فرمائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ''بینات'' کراچی ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ - مئی ۲۰۰۶ء)

خدماتِ جامعہ کے تسلسل کی ایک کڑی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ!

گزشتہ سال اکتوبر میں کشمیر اور شمالی علاقہ جات میں پاکستان کی تاریخ کا شدید ترین زلزلہ آیا، جس سے ہزاروں افراد متأثر ہوئے، چشمِ زدن میں شہروں کے شہر اور بستیوں کی بستیاں ملبے کا ڈھیر بن گئیں، جیتے جاگتے اور ہنستے بستے گھرانے اپنے ہی راحت کدوں میں دَب کر پیوندِ خاک ہوگئے، زندہ بچ جانے والوں میں سے ہزاروں ایسے تھے جو اپنے قیمتی اعضاء سے محروم ہوگئے اور کتنے ایسے تھے جو ملبے تلے دبے چیختے، چلاتے، روتے، بلبلاتے اور مدد کو پکارتے پکارتے عالمِ آخرت کو سدھار گئے، جو زندہ سلامت بچ گئے، ان میں سے کتنے اپنے پیاروں کی جدائی اور اس جانکاہ حادثے کی وجہ سے اپنے ہوش و حواس سے محروم ہوگئے، کتنے ماں باپ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے پیاروں اور دِل کے ٹکڑوں کو موت کے منہ میں جاتا دیکھ کر بے بس تھے، کتنی معصوم کلیاں اور معصوم و عفت مآب بیٹیاں اپنے والدین اور سرپرستوں سے محروم ہوگئیں، کتنے مرد و خواتین اپنے رفیقِ حیات و جیون ساتھی سے محروم ہوگئے۔ غرض قیامت کا سماں تھا اور ہر ایک اپنی جان بچانے کی فکر میں تھا، بلاشبہ اس نازک و مشکل گھڑی میں کون ایسا ہوگا جو اپنے مسلمان بھائیوں کی مدد کو نہ جاتا؟ چنانچہ پاکستان بھر کے نہیں، دُنیا بھر کے لوگوں نے انسانیت کے ناتے اس سانحے پر متأثرین کی دامے، درمے، قدمے، سخنے بھرپور مدد کی اور امدادی کارروائیاں شروع ہوگئیں۔

اس موقع پر جہاں دُنیا بھر کی غیر مسلم این جی اوز نے اپنے مخصوص مقاصد کی تکمیل کی خاطر ان علاقوں کا رُخ کیا، وہاں مسلم برادری، خصوصاً دِین دار مسلمانوں، اہلِ ثروَت، اربابِ مدارس، دِینی طلبہ اور علماء نے اپنے بھائیوں کی مدد کے لئے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، یہی وجہ ہے کہ غیر ملکی تنظیموں اور میڈیا نے اس کا برملا اعتراف کیا کہ پاکستان کی دِینی تنظیموں، دِین دار طبقہ، علماء اور اربابِ مدارس نے اس موقع پر بے مثال قربانی اور خدمت و تعاون کے جذبے کا ثبوت دیا، لیکن افسوس! کہ اسلام دُشمن اور علماء مخالف طبقے نے ایسے نازک موقع پر بھی نہ صرف یہ کہ دِینی طبقے کو اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت سے باز رکھنے کی ناپاک کوشش کی، بلکہ اس کے مقابلے میں غیر مسلم این جی اوز کی حوصلہ افزائی کی، مگر بایں ہمہ یہ حضرات اپنے ایمانی جذبے کے پیشِ نظر خدمت و خیرخواہی میں مصروف رہے۔

صدرِ پاکستان جناب جنرل پرویز مشرف کے بقول: ''بلا شبہ پاکستان کے دِینی مدارس ملک کی سب سے بڑی این جی اوز ہیں جو دس لاکھ مسلمان بچوں کو روزانہ رہائش و خوراک مہیا کرتے ہیں'' صرف یہی نہیں بلکہ ان کی علمی و عملی تربیت کرکے معاشرے کا اچھا شہری بنانے کی سعی میں مصروف ہیں، انہی دِینی مدارس یا بقول صدر صاحب این جی اوز میں سے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ایک مؤقر نام ہے، جو نہ صرف اسلامی تعلیمات کی یونیورسٹی اور انسان سازی کا عالمی ادارہ ہے، بلکہ درحقیقت ایک تحریک کا نام ہے، جس کی دِینی، علمی، اصلاحی اور تبلیغی خدمات کے علاوہ سماجی و رفاہی خدمات کی بھی دُنیا معترف ہے، چنانچہ اس موقع پر بھی جامعہ علومِ اسلامیہ کے فضلاء، طلبہ اور جواں سال و جواں ہمت اساتذہ نے بے مثال خدمات انجام دیں، اور اپنے متأثرہ بھائیوں کی خدمت میں براہِ راست پہنچ کر ان کی ہر طرح کی مدد کی، امدادی کیمپ لگائے، نقد، غذائی اجناس، لباس و خوراک کے علاوہ ان کی آبادکاری کی ہر ممکن کوشش کی، دُور دراز متأثرہ علاقوں کا دورہ کیا، اپنے بھائیوں کے

دُکھ درد میں شریک ہوئے اور جذبۂ نصح و خیرخواہی کی مثالی تاریخ رقم کی۔

جامعہ علومِ اسلامیہ کی خدمات کے اسی تسلسل کی ایک کڑی یہ بھی ہے کہ جامعہ کے مدیر اور سراپا شفقت حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر، جامعہ کے جواں عزم و جواں ہمت اساتذہ، فضلاء اور جامعہ سے منسلک اہلِ خیر حضرات نے طے کیا کہ ان متأثرہ علاقوں کے لٹے پٹے خاندانوں، بے یار و مددگار خواتین وحضرات کی عزّت وعصمت کے تحفظ کی خاطر ان کی بھرپور سرپرستی کی جائے، اور انہیں نکاح جیسے پاکیزہ رشتے میں منسلک کرنے اور ان کے نکاح کے مصارف و اخراجات کا انتظام کیا جائے، تاکہ جس طرح انہوں نے زلزلے کے جانکاہ حادثے اور اجتماعی درد و اَلم کا سامنا کیا، ٹھیک اسی طرح انہیں ایک اجتماعی خوشی سے بھی سرشار کیا جائے۔ جب مدیرِ جامعہ کی سرپرستی میں جامعہ کے اساتذہ نے متأثرہ علاقے کے جامعہ کے فضلاء کو اس طرف متوجہ کیا، تو انہوں نے مقامی طور پر اس طرف توجہ کی، تو ایسے ڈیڑھ سو جوڑوں کی فہرست تیار ہوگئی جو جامعہ کی سرپرستی کے منتظر تھے، چنانچہ جامعہ کی طرف سے اس کا نظم طے ہوا، حسبِ ضرورت سامان اور جہیز تیار کیا گیا اور مقرّرہ تاریخ ۴؍جون ۲۰۰۶ء بروز اتوار، صوبہ سرحد، بمقام بٹل، جامعہ کے مدیر، نائب مدیر اور معزّز اساتذہ اس پُروقار تقریب کی سرپرستی کے لئے اپنے ستم رسیدہ بھائیوں کی دِل داری کو پہنچے اور مدیرِ جامعہ نے اجتماعی طور پر ان جوڑوں کا نکاح پڑھایا، اس موقع پر مدیرِ جامعہ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر مدظلہٗ نے رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والوں، ان کے سرپرستوں اور تقریب کے شرکاء سے جو قیمتی نصائح فرمائیں، وہ درج ذیل ہیں:

''اللہ تعالیٰ نے کائنات کو بسانے کے لئے انسانِ اوّل (حضرت آدمؑ) اور پھر ان سے حضرت حوّاؑ کو پیدا فرمایا، اور قیامت تک نسلِ انسانی کو باقی رکھنے کے لئے انسان کو مرد و عورت (دوجنسوں) میں تقسیم کرکے آسمانی تعلیمات کے نور سے

منوّر ازدواجی نظام عطا فرمایا، جو نسلِ انسانی کو پاکیزہ طریقے سے قیامت تک باقی رکھنے اور پھیلانے کا ذریعہ ہے، یہ اسلام ہی کے انصاف کا ثمرہ ہے جو عورت کو نسلِ انسانی کی عمارت کے لئے مرد کے برابر دُوسرا ستون تسلیم کرتا ہے، نسلِ انسانی کی عمارت مرد اور عورت کے دو ستونوں پر قائم رہے، اسلام نے چودہ سو سال پہلے بتایا کہ عورت، مرد کا جزو ہے۔

آج مرد و عورت کی مساوات کے دعوے دار، نسوانی حقوق کے علَم بردار اپنی تاریخ کا ذرا جائزہ تو لیں، ان کی پارلیمنٹ میں باقاعدہ یہ بحث چلی کہ عورت کیا ہے؟ بڑی مشکل سے کچھ عرصہ قبل یہ لوگ عورت کو انسان تسلیم کرنے پر آمادہ ہوئے اور یہ مان لیا کہ عورت بھی انسان ہے۔

اسلام میں عورت کو ایک باعزّت مقام حاصل ہے اور اسلام نے نکاح کی صورت میں انسانی خواہش کو جائز طریقے سے پورا کرنے کا ایک راستہ بتادیا اور فرمایا:

”فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ فَأُولٰٓئِکَ هُمُ الْعَادُوْنَ۔“ (المعارج:۳۱)

یعنی نکاح کے علاوہ جنسی خواہش کو پورا کرنے کے جتنے بھی راستے ہیں، وہ سب بربادی اور فساد کے راستے ہیں، نکاح کی برکت سے خیر کے بے شمار دروازے کھلتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آج ہم سب کی نسل محفوظ ہے اور ہمیں فلاں بن فلاں کا خطاب دیا جاتا ہے، حدیث شریف میں ہے:

”ما من ولد بار ینظر الٰی والدیه نظرة رحمة الا

كتب الله له بكل نظرة حجة مبرورة، قالوا: وان نظر كل يوم مائة مرة؟ قال: نعم! الله اكبر واطيب۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۲۱)

ترجمہ:... ”ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا جو بھی اپنے ماں باپ میں سے کسی کو محبت و احترام کی نظر سے دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی ہر نظر کے بدلے ایک مقبول (نفلی) حج کا ثواب عطا فرماتا ہے، صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگرچہ وہ دن بھر میں سو مرتبہ دیکھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اللہ بہت بڑا اور پاکیزہ ہے (یعنی تمہارے گمان میں جو بات ہے کہ ہر نظر کے بدلے ایک مقبول نفلی حج کا ثواب کیونکر دیا جاتا ہے، تو یہ اَجر و اِنعام اللہ تعالیٰ کی شان اور اس کی وسعتِ رحمت کی نسبت کچھ بعید نہیں، وہ اگر چاہے تو اس سے بڑا اجر عطا کرسکتا ہے)۔“

اسلام کی بنیادی تعلیمات میں صلہ رحمی کا درس موجود ہے، ابتدائے اسلام میں جب مسلمانوں کی ایک جماعت ہجرت کرکے حبشہ پہنچی تو مشرکینِ مکہ کا ایک وفد حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا اور بادشاہ کو مسلمانوں کے خلاف اُکسانا چاہا، تاکہ وہ مسلمانوں کو ان کے ساتھ واپس مکہ بھیج دے، بادشاہ نے مسلمانوں کو دربار میں حاضر ہونے کا حکم دیا، جب مسلمانوں کی جماعت دربار میں حاضر ہوئی تو حضرت جعفرؓ نے دربار میں بادشاہ کے سامنے اسلام کا نقشہ پیش کیا اور کہا:

اے بادشاہ! ہم سب جاہل اور نادان تھے، بتوں کو پوجتے اور مردار کھاتے تھے، قسم قسم کی بُرائیوں میں مبتلا تھا،

قرابتوں کو قطع کرتے، پڑوسیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے تھے، اسی حالت میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر اپنا فضل فرمایا، ہم میں سے اپنا ایک پیغمبر بھیجا، جس کے حسب ونسب، صدق وامانت اور پاک دامنی وعفت کو لوگ خوب پہچانتے ہیں، اس نے ہم کو اللہ کی طرف بلایا کہ ہم اس کو مانیں اور ایک جانیں، صرف اسی کی عبادت اور بندگی کریں اور جن بتوں اور پتھروں کی ہم اور ہمارے آباء واجداد پرستش کرتے تھے، ان سب کو یک لخت چھوڑ دیں، سچائی، امانت، صلہ رحمی اور پڑوسیوں سے حسنِ سلوک کریں۔ اور پھر سورۂ مریم کی ابتدائی آیات پڑھ کر سنائیں جس سے بادشاہ اور اس کے درباریوں کے آنسو نکل آئے اور روتے روتے بادشاہ کی داڑھی تر ہوگئی۔

اسلام میں صلہ رحمی بہت بڑی چیز ہے، ہر انسان چاہتا ہے کہ میں صلہ رحمی کروں اور معاشرے میں اچھا بنوں۔ خلاصہ یہ کہ اسلام میں، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا حکم ہے اور یہ سب رشتہ داریاں نکاح کی برکت سے ہیں، جبکہ غیرمسلم پریشان ہیں اور ان کی زندگی جانوروں کی زندگی سے بھی بدتر ہے، ان کا پورا ماحول کھوکھلا ہو چکا ہے۔

ہمارے ہاں ایک صحافی بیرون ملک ناورے سے وطن واپس پہنچا تو ایئرپورٹ پر استقبال کے لئے آنے والے اس کے رشتہ داروں نے اسے کہا کہ: تم جنت چھوڑ کر جہنم میں آگئے، اس نے جواب میں کہا کہ: نہیں، بلکہ میں جہنم چھوڑ کر جنت میں آگیا ہوں اور پھر وہاں کے حالات بتائے کہ وہاں شادی کا نظام نہیں،

وہاں ماں، بہن اور بیٹی کی کوئی تمیز نہیں، کوئی مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو بیمار پُرسی کے لئے کوئی نہیں ہوتا، اور یہاں اگر کسی کے سر میں درد ہوجائے تو سب رشتہ دار پہنچ جاتے ہیں، رشتہ داری کی اس نعمت کا ادراک کیسے ہوگا؟ یاد رکھئے! اسلام عفت کا راستہ متعین کرتا ہے اور سب کو عفیف دیکھنا چاہتا ہے۔ حدیث شریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فانه اغض للبصر واحصن للفرج، ومن لم يستطع فعليه بالصوم، فان له وجاء. متفق عليه."

(مشکوٰۃ ص:۲۶۷)

ترجمہ:... "تم میں سے جو نکاح کے لوازمات یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے کی استطاعت رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح کرنا نظر کو جھکاتا ہے اور شرمگاہ کو محفوظ رکھتا ہے، اور جو شخص استطاعت نہ رکھتا ہو، اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے، کیونکہ روزہ رکھنا شہوت کو روکنے کا ذریعہ ہے۔"

ہم اپنے میڈیا پر ننگی تصویریں شائع کرتے ہیں، اس سے معاشرے میں جرائم بڑھتے ہیں اور عورتیں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں، میں اپنے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ گناہوں سے بچو اور اپنے آپ کو عفیف رکھو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک نوجوان آیا اور درخواست کی کہ مجھے گناہ "زنا" کی اجازت دے دیں۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی بات سن کر ناراضی کا اظہار کیا،

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل سے فرمایا: قریب ہوجاؤ، اور پھر فرمایا: ''ھل تحب لأمک؟'' کیا تو چاہتا ہے کہ کوئی تیری ماں کے ساتھ زنا کرے؟ نوجوان نے کہا کہ: میں آپ پر قربان ہوجاؤں، میں یہ ہرگز نہیں چاہتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی ماؤں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ھل تحب لبنتک؟'' کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی تیری بیٹی کے ساتھ زنا کرے؟ اس نے عرض کیا: میں آپ پر قربان ہوجاؤں، میں یہ نہیں چاہتا، فرمایا: اسی طرح اور لوگ بھی نہیں چاہتے کہ ان کی بیٹیوں کے ساتھ زنا کیا جائے۔ غرضیکہ اسی طرح اس کی تمام محرَمات کا نام لے کر اس سے پوچھا تو اس کا ضمیر جاگ اُٹھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے دُعا فرمائی۔ اسی طرح ایک حدیث شریف میں ہے:

''مروا اولادکم بالصلٰوۃ وھم ابناء سبع سنین، واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین، وفرقوا بینھم فی المضاجع. رواہ ابو داؤد.'' (مشکوٰۃ ص:۵۸)

ترجمہ:...''جب تمہارے بچے سات سال کے ہوجائیں تو انہیں نماز پڑھنے کا حکم دو اور جب وہ دس برس کے ہوجائیں تو نماز چھوڑنے پر انہیں مارو، نیز ان کے بستر علیحدہ کردو۔''

جب گھر کے بچوں کے لئے یہ حکم ہے کہ ان کے بستر علیحدہ کردو تو مخلوط نظامِ تعلیم کے لئے کیا حکم ہوگا؟ اس لئے اسلام نے پردے کا حکم دیا، یہ پردے کا حکم، سخت حکم نہیں، بلکہ

اس کے ذریعہ ایک شریف اور عفیف عورت کی عصمت اور پاک دامنی کو برقرار رکھنا مقصود ہے۔

ہماری جامعہ کے اُستاذ مولانا فضل محمد صاحب نے ایک واقعہ سنایا کہ: حالیہ زلزلے میں این جی اوز کی ٹیم ایک دیہاتی علاقے میں گئی، اس ٹیم میں ایک عورت بھی تھی، وہ کسی شریف عورت کے گھر چلی گئی اور اس سے کہا کہ: تمہارا شوہر تم پر ظلم کرتا ہے اور تمہیں اس چاردیواری سے باہر جانے نہیں دیتا، تمہاری مثال تو اس جانور جیسی ہے جو آپ کے قریب بندھا ہوا ہے، اس شریف عورت نے جواب دیا کہ: عورتیں وہ ہوتی ہیں جو گھر کی چاردیواری میں رہتی ہیں اور تمہاری طرح بے پردہ باہر گھومنے والی عورت نہیں، بلکہ گدھی ہوتی ہے۔

تو شریف عورت کا یہ کام نہیں کہ وہ بازاروں اور سڑکوں پر مٹرگشت کرتی پھرے، بلکہ وہ باعزّت طریقے سے گھر میں رہے۔

مجھے ایک واقعہ یاد آیا کہ ملکِ شام میں ایک سیاسی عورت تھی، جیسے ہمارے ہاں سیاسی عورتیں ہوتی ہیں، اتفاق سے وہ ایک شیخ کے مرید پر فریفتہ ہوگئی اور مرید کی وجہ سے اس کے شیخ کے پاس جانے لگی، اس عورت پر شیخ کی باتوں کا بڑا اثر ہوا اور آخرکار اس عورت نے پردہ شروع کردیا، جب اس کی سہیلیوں کو معلوم ہوا تو وہ اس کے پاس گئیں اور اسے سمجھانے لگیں کہ یہ تو نے کیا شروع کر رکھا ہے؟ اس عورت نے کہا کہ: جب میں آپ کے ساتھ تھی تو اندھی تھی، آج اللہ تعالیٰ نے مجھے

آنکھیں دی ہیں، کیا تم چاہتی ہو کہ میں دوبارہ اندھی بن جاؤں...؟

میرے عزیزو! ہمیں اچھے اعمال بجالانے چاہئیں اور بُرے اعمال سے بچنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے کہ ہم جو بھی عمل کرتے ہیں، ہر اچھے اور بُرے عمل کی ایک شکل ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ میں طالب علم تھا اور ایک دفعہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ کا خطاب سن رہا تھا، انہوں نے ایک واقعہ سنایا کہ:

ایک دفعہ میں جارہا تھا، راستے میں ایک مجذوب الحال شخص فٹ پاتھ پر پڑا ہوا تھا اور سامنے گٹرلائن گزر رہی تھی، اس نے مجھے آواز دی کہ: احمد علی! (ولی را ولی می شناسد) یہاں سے جو لوگ گزر رہے ہیں، کسی کی شکل کتے کی ہے، کسی کی شکل گدھے کی اور کسی کی بیل کی ہے۔

اس صاحبِ کشف بزرگ کے کشف کی حقیقت یہ ہے کہ مختلف بداعمالیوں اور گناہوں کی سزا کے طور پر گناہ گاروں کی شکلیں قیامت میں مختلف حیوانوں کی شکلوں میں بدل جائیں گی، یہ اس طرف اشارہ تھا اور وہ بزرگ کہہ رہے تھے کہ لوگوں کے اعمال انسانوں والے نہیں، بلکہ وہ حیوانی زندگی کا رُخ اختیار کرچکے ہیں، اس لئے عزیز بھائیو! ہمارے لئے اللہ کے اَحکامات وفرائض موجود ہیں، ہر آدمی تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرے، اپنی حفاظت کرے اور ایک دُوسرے کے ساتھ ہمدردی کا جذبہ رکھے، حدیث شریف میں ہے:

"تری المؤمنین فی تراحمهم وتوادهم

وتعاطفهم كمثل الجسد اذا اشتكى عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمّٰى متفق عليه." (مشکوٰۃ:۴۲۲)

ترجمہ:..."تم مؤمنوں کو آپس میں ایک دُوسرے سے رحم کا معاملہ کرنے، ایک دُوسرے کے ساتھ محبت وتعلق رکھنے اور ایک دُوسرے کے ساتھ مہربانی و معاونت کا سلوک کرنے میں ایسا پاؤگے جیسا کہ بدن کا حال ہے کہ جب بدن کا کوئی عضو دُکھتا ہے تو بدن کے باقی اعضاء اس ایک عضو کی وجہ سے ایک دُوسرے کو پکارتے ہیں، بیداری اور بخار کی تکلیف میں سارا جسم شریک ہوتا ہے۔"

آج آپ لوگوں پر جو آزمائش آئی ہے، سب لوگوں نے اس کو دُور کرنے میں ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، لیکن ہمیں چاہئے کہ خوب توبہ و اِستغفار کریں، اللہ تعالیٰ کے ارشاد:

"وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ، وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ." (الانفال:۳۳)

سے معلوم ہوتا ہے کہ عذابِ الٰہی اور مجرم انسانوں کے درمیان دو چیزیں حائل ہیں، ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمین پر وجودِ مسعود ہے، جو کہ اب دُوسرے جہان میں منتقل ہوچکا ہے اور دُوسری چیز توبہ و اِستغفار ہے، اس لئے ہم سب اگر کثرت سے اجتماعی طور پر توبہ و اِستغفار کریں تو اِن شاء اللہ ہماری سیئات معاف ہوں گی اور مشکل کی اس گھڑی میں بھی ہم بآسانی سرخرو ہوسکیں گے۔

اس لئے آپ کی فلاح کا راستہ یہ ہے کہ آئندہ زندگی کو شریعت کے مطابق گزارنے کا عزم کریں، آپ نے قریب سے مشاہدہ کیا کہ دُنیاوی زندگی کتنی بے ثبات ہے، چند لمحے پہلے کے زندہ لوگ میّتوں کی صورت میں ملبوں کا حصہ، پتھروں اور چٹانوں کی قطع و برید کا شکار ہوکر لاپتا ہوگئے یا اپنی ہی پوست میں گوشت و ہڈیوں کا چورا بن کر رہ گئے۔

آخر میں ایک ضروری بات گوش گزار کرکے گفتگو ختم کرتا ہوں، میرے بھائیو! دُنیا میں عظیم فتنے رُونما ہوئے، ہر فتنے کا توڑ ہوتا رہا ہے، مگر آج فتنہ پروروں نے فتنہ گری کا ایک نیا رُوپ دھار رکھا ہے، جس کا نام وعنوان بظاہر بہت دِلکش و دلفریب ہے، مگر یہ شکر میں ملا ہوا زہر ہے، جس کی حقیقت سے آگاہ ہونا ازحد ضروری ہے، آج کل فتنہ پرداز اپنی کاوشوں کو قرآن فہمی کا نام دے کر لوگوں کو دھوکا دینے اور ان کے ایمان کو برباد کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور یہ کہہ کر سادہ لوح مسلمانوں کو علمائے کرام سے برگشتہ کرتے ہیں کہ مولویوں نے اسلام کا ٹھیکا نہیں لیا، بلکہ خود قرآن وحدیث پڑھو اور سمجھو۔

میں کہتا ہوں اگر آج کوئی کہے کہ ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں اور خود اپنی بیماری کے لئے دوائی تجویز کرکے علاج شروع کردو، تو سب اس کو پاگل اور مجنون کہیں گے، اس لئے قرآن و حدیث سمجھنے کے لئے علماء کی ضرورت ہے، حدیث شریف میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعًا ینتزعہ من العباد، ولٰکن یقبض العلم بقبض العلماء، حتّٰی اذ لم یبق عالمًا، اتخذ الناس رؤسًا جھالًا، فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلو واضلوا. متفق علیہ.“ (مشکوٰۃ ص:۳۳)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ علم کو (آخری زمانے میں) اس طرح نہیں اُٹھالے گا کہ لوگوں کے دِل و دِماغ سے اسے نکال لے، بلکہ علم کو اس طرح اُٹھائے گا کہ علماء کو اس دُنیا سے اُٹھالے گا، یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہیں رہے گا تو لوگ جاہلوں کو پیشوا بنالیں گے، ان سے مسئلے پوچھیں جائیں گے اور وہ بغیر علم کے فتویٰ دیں گے، لہٰذا وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دُوسرے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔“

اس موقع پر ہمارے ملک کی نامور مذہبی، دِینی و سیاسی شخصیت، قائدِ حزبِ اختلاف اور جمعیت علمائے اسلام کے امیر حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب مدظلہٗ نے مغرب اور مغرب سے مرعوب افراد و اشخاص کے بھیانک کردار سے خوبصورت انداز میں پردہ اُٹھایا اور جامعہ علومِ اسلامیہ سے اپنے تعلق، اس کے مرتبہ و مقام اور اس کی خدمات کا جس خوبصورت انداز میں تذکرہ کیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسے بھی قارئینِ ”بینات“ کی خدمت میں پیش کردیا جائے، چنانچہ جامعہ کے فاضل و متخصص مولوی صلاح الدین نے اس تقریر کو نقل کرکے کاغذ پر منتقل کیا، جو لفظ بہ لفظ پیشِ خدمت ہے:

”حضرت گرامی قدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر صاحب، برادر عزیز مولانا سیّد سلیمان بنوری خلف الرشید محدث

العصر علامہ محمد یوسف بنوریؒ، حضرات علمائے کرام، زعمائے ملت اور میرے بزرگو اور بھائیو!

میری زندگی میں یہ پہلی تقریب ہے جس میں ڈیڑھ سو نوجوان جوڑوں کی اجتماعی شادی ہو رہی ہے، رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے والے یہ تمام نوجوان اور بچیاں وہ ہیں جو زلزلہ سے متأثر ہوئے ہیں، میں ان تمام خوش قسمت جوڑوں کو دِل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ان کے اس عقد کو خیر و برکت، دونوں خاندانوں کے درمیان محبت و اُلفت اور اولادِ صالح کا ذریعہ بنائے۔

علمائے کرام نے نکاح کی افادیت، حیثیت اور اس کے فلسفے پر تفصیل سے گفتگو کی ہے، انسانی معاشرتی زندگی میں نکاح کا ایک بنیادی اور اساسی کردار ہے، جو کرۂ ارض پر پھیلی ہوئی انسانیت کو ایک خاندان اور ایک پرائمری یونٹ فراہم کرتا ہے، نکاح حیا، عفت اور پاک دامنی کا راستہ ہے، جو انسان کو بے حیائی، حرام کاری، زنا اور آوارہ گردی سے روکتا ہے۔

آپ حضرات کے علم میں ہے کہ صوبہ سرحد اور آزاد کشمیر کا وسیع و عریض اور خوبصورت خطہ زلزلے کی بنا پر تباہ و برباد ہوگیا، ہنستے بستے آباد خاندان اور بستیاں اُجڑ گئیں، لاکھوں لوگ متأثر ہوئے، جس کے نتیجے میں خواہ وہ بین الاقوامی سطح پر ہو یا ملکی، اجتماعی یا انفرادی، ہر سطح پر انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا گیا، یعنی متأثرین کی آبادکاری کے لئے انہیں فوری امداد مہیا کی گئی، پھر عارضی آبادکاری کی گئی اور اَب ان کی مستقل آبادکاری کی کوششیں کی جارہی ہیں۔

آج کی اس تقریب کا انعقاد جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے فضلاء، متعلقین اور مخیّرین نے جامعہ کے توسط سے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کاوشوں کو قبول فرمائے، آمین!

عزیزانِ محترم! جب بات آتی ہے جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی، جس سے یقیناً ہم سب کو رُوحانی اور قلبی تعلق ہے، تو ماضی کی سنہری تاریخ یاد آجاتی ہے کہ اس جامعہ نے ہر تحریک، ہر میدان اور اُمتِ مسلمہ کی صلاح و فلاح کے ہر موقع پر صفِ اوّل کا کردار ادا کیا، میں نے حضرت مفتی صاحبؒ (مفتی محمودؒ) اور حضرت بنوریؒ کے باہمی تعلق و اعتماد کو ایسا دیکھا جیسا دو بھائیوں میں تعلق و اعتماد ہوتا ہے، یہ تعلق کاروباری اور دُنیاوی معاملات کا نہیں تھا، بلکہ ایک دُوسرے کے علم و فضل اور اِخلاص کا اعتراف تھا، جس کی بنا پر ان حضرات کے کئی بیرونی اَسفار بھی ساتھ ہوئے، حضرت بنوریؒ جب ہمارے گھر قاسم العلوم ملتان میں تشریف لاتے تو ہم ان کی خدمت بھی کرتے اور ان کی موجودگی میں بچکانہ شرارتیں بھی کرتے، اور حضرت مفتی صاحبؒ کا سفرِ آخرت بھی گلشنِ بنوری جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن ہی سے شروع ہوا، ظاہر ہے کہ اس قسم کا تعلق جب دِل و دِماغ میں رچ بس جائے تو اس کو فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ اللہ تعالیٰ جامعہ کو اسی طرح سرسبز، شاداب و سربلند رکھے اور تشنگانِ علوم کے لئے اس چشمہ فیض کو جاری و ساری رکھے۔

یہ ادارہ بچوں کی تعلیم و تربیت کی طرح ان کی زندگی کی اصلاح اور سماجی و رفاہی خدمات پر نہ صرف یہ کہ نظر رکھتا

ہے، بلکہ اس کے لئے عملی کوششیں بھی کرتا ہے، جس کا ایک مظہر آج کی یہ تقریب ہے، اور آپ اس کے گواہ ہیں کہ اس عظیم سانحے میں جہاں انسانیت بہت زیادہ متأثر ہوئی، ان مصیبت کے لمحات میں جس، جس نے بھی تعاون کا ہاتھ بڑھایا، ان سب کے لئے ہمارے دِل میں قدر و شکر کے جذبات ہیں، خاص کر مذہبی لوگوں اور ان کی رفاہی تنظیموں نے انسانیت کی خدمت اور بحالی کے اس موقع پر جس نمایاں انداز سے حصہ لیا، آنے والا وقت نہ اسے فراموش کرسکتا ہے اور نہ ہی اس کو نظر انداز کرسکتا ہے۔

لیکن مذہبی طبقے کی یہ رفاہی خدمات اور متأثرین کے لئے اس طبقے کا اس طرح مدد کے لئے میدان میں آنا مغربی دُنیا کو گوارا نہ ہوا، چنانچہ اس نے اس موقع پر بھی اپنے تاریخی جھوٹ کا تسلسل جاری رکھا کہ یہ لوگ دہشت گرد، قدامت پسند اور انسانیت دُشمن ہیں، لیکن انہی کی این جی اوز نے مذہبی طبقے کی رفاہی خدمات کا برملا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اس تاریخی جھوٹ کا بھانڈا چوراہے میں پھوڑ دیا۔

اس لئے ہم کہتے ہیں کہ وسعتِ نظری کا دعویٰ کرنے والو! یہاں بھی نظر رکھو اور ہمیں بتلاؤ! علمائے کرام اور مدارس کا طبقہ تنگ نظر ہے یا مغربی طبقہ؟ آج جو لوگ انتہا پسندی کا بہانہ بناکر مذہبی طبقے کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں، درحقیقت وہ خود انتہاپسند اور ان کے اقدامات انتہاپسندانہ ہیں، ایسے لوگوں کو ہمارا مخلصانہ مشورہ ہے کہ وہ اپنی اس رَوِش سے باز آجائیں، انتہا پسندی کے نام پر انتہاپسندی کی تاریخی غلطی نہ کریں۔

حقیقت یہ ہے کہ انتہا پسند، علمائے کرام، طلبائے کرام، مدارس اور ان کی تنظیمیں نہیں، بلکہ مغرب زدہ لوگوں کا علماء کے خلاف رویہ دراصل انتہا پسندانہ اور دہشت گردی کا مظہر ہے، افسوس یہ ہے کہ یہ سنگین جرم چوری چھپے نہیں بلکہ سرِ عام میڈیا کے ذریعہ کیا جارہا ہے، ستم بالائے ستم یہ کہ ہمارا میڈیا صہیونی طرز کی میڈیائی خدمات کو اپنا کمال تصوّر کرتے ہوئے سیاہ کو سفید اور سفید کو سیاہ بنا کر پیش کر رہا ہے، ہم اپنے میڈیا اور ذرائع ابلاغ کو بھی دعوتِ انصاف اور خداترسی کا خیرخواہانہ مشورہ دیتے ہیں۔

آج عالمی دُنیا، دہشت گردی کے خاتمے کے نام پر جن کارروائیوں میں مصروف ہے، دیکھا جائے تو یہ کارروائیاں بذاتِ خود دہشت گردی کے زُمرے میں آتی ہیں، ہم پوچھنا چاہیں گے کہ جنھیں آپ دہشت گرد کہتے ہیں، ہمیں دلائل سے مطمئن کیجئے کہ کیا وہ واقعی دہشت گرد ہیں؟ اسلام آپ سے زیادہ دہشت گردی کے خلاف ہے، اسلام دہشت گردی اور انتہا پسندی دونوں کی حوصلہ شکنی کرتا ہے، قرآنِ کریم اُمتِ مسلمہ کو معتدل اُمت کہتے ہوئے فرماتا ہے:

”وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ.“ (البقرۃ:۱۴۳)

ترجمہ:... ”اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو اُمتِ معتدل تاکہ ہوتم گواہ لوگوں پر۔“

”شہداء“، شاہد کی جمع ہے، اور ”شاہد“ اس کو کہتے ہیں جو جس طرح دیکھے، اسی طرح زبان سے ادا کرے، ہمارا ایمان

ہے کہ ہم کسی غیرواقعاتی پروگرام اور غیرمنصفانہ اقدام پر یقین نہیں رکھتے، اسی طرح کسی اور سے اس قسم کے معاملات کوسرزد ہوتے دیکھ کران کی ہم نوائی اختیار کرنے کوبھی ہم جرمِ عظیم، اور اس پرخاموش رہنے کواپنی ایمانی کمزوری تصوّر کرتے ہیں۔

بہرحال! ہم جابر حکمرانوں کے سامنے اپنے ان ایمانی جذبات کا مظاہرہ کرنے کو جہاد جیسا کارِخیر تصوّر کرتے ہیں، خواہ دُنیا ہمیں کسی بھی نام سے یاد کرے، اِن شاء اللہ! اسلامی تاریخ کا سیاہ باب مرتب کرنے والوں میں ہم کبھی شمار نہیں ہوں گے، وما علینا الا البلاغ!"

ہم اس موقع پر جہاں اجتماعی نکاح کی سعادت حاصل کرنے والے جوڑوں، ان کے متعلقین کو دِل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہیں، وہاں جامعہ علومِ اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اس زندہ جاوید کارنامے پر اس کے مدیر، نائب مدیر، اساتذہ، فضلاء، کارکنان، معاونین، متعلقین اور اس تقریب میں کسی بھی انداز میں تعاون کرنے والے حضرات کو اس عظیم سماجی خدمت پرخراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

اسی مناسبت سے یہ بھی عرض کرنا چاہیں گے کہ اہلِ علم، علماء، مدارس، مکاتب، ان کے اساتذہ وطلبہ اور ان سے منسلک دِین دار اہلِ خیر اور اربابِ ثروَت، مغرب اور ان کی آلہ کار لابیوں کو اسی وجہ سے ایک آنکھ نہیں بھاتے کہ بحمداللہ! وہ جس شعبے میں بھی کام کرتے ہیں، دُوسرے ان کے نقشِ پا ڈھونڈتے رہ جاتے ہیں، بلکہ دیکھا جائے تو ان کی مساعی اور خدمات اس قدر ہمہ گیر ہوتی ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی طرف نگاہ ہی نہیں اُٹھتی، اور یہ دُنیا کا ضابطہ ہے کہ: "الناس اعداء لما

جھلوا" یعنی لوگ جس سے لاعلم ہوں، اسی کے دُشمن ہوا کرتے ہیں۔

اس لئے اربابِ اقتدار کو چاہئے کہ وہ دُنیا بھر کی این جی اوز اور پاکستان کی رفاہی تنظیموں کے مقابلے میں اس کا اعتراف کریں کہ اس موقع پر علماء اور اربابِ مدارس نے واقعی بے مثال خدمات انجام دی ہیں، علماء دُشمنی کی لکیر پیٹنے والوں کو زمینی حقائق کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی رَوِش سے باز آجانا چاہئے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ وصحبہ اجمعین

(ماہنامہ "بینات" کراچی رجب ۱۴۲۷ھ)

تحفظِ مدارس کی تحریک
علماء کنونشن، اسلام آباد اور کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

بدقسمتی سے گزشتہ کئی دہائیوں سے دِینی مدارس کا خالص علمی، تحقیقی ماحول اور آزاد نظامِ تعلیم اربابِ اقتدار کی نگاہوں میں بُری طرح کھٹک رہا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ جب تک یہ مدارس اور ان کا آزاد تعلیمی نظام حکومتی تحویل میں نہیں آجاتا، اس وقت تک اس سے فارغ ہونے والے علماء کو نکیل نہیں ڈالی جاسکتی، اور نہ ہی ان سے اپنی منشا کے مطابق دِین و مذہب میں تحریف اور کتربیونت کرائی جاسکتی ہے۔ اس لئے صدر ایوب خان کے دور سے لے کر آج تک ہر نئی حکومت نے اس ''کارِ خیر'' کو سرانجام دینے کا بیڑہ اُٹھایا، اور اپنی بساط بھر سعی و کوشش کی۔ موجودہ فوجی حکومت اور فوجی حکمران جناب صدر پرویز مشرف صاحب بھی روزِ اوّل سے اس فکر میں گھلے جارہے ہیں، اپنے تئیں انہوں نے اور ان کے مشیرانِ ''باتدبیر'' نے اپنے ''اسلاف'' کی فکر کو نئے خطوط اور جدید انداز سے اُٹھایا۔ چنانچہ سب سے پہلے یہ خوشنما نعرہ لگایا گیا کہ: ''دِینی مدارس کو رجسٹرڈ کرکے انہیں قومی دھارے میں شامل کیا جائے گا۔'' حالانکہ دِینی مدارس پہلے سے ہی ۱۸۶۰ء کے رجسٹریشن ایکٹ کے تحت رجسٹر تھے، مگر حکومت نے اس سابقہ رجسٹریشن کو ناکافی تصوّر کرتے ہوئے اس ایکٹ میں ایسی ترمیمات فرمائیں کہ اگر اس جدید اور ترمیم شدہ ایکٹ کو مان لیا جائے تو کسی دِینی

مدرسہ اور عصری اسکول میں کوئی فرق باقی نہ رہے گا، گویا یہ دِینی مدارس کو ختم کرنے کی ایک کامیاب کوشش تھی۔ جب اس پر اعتراض کیا گیا اور اس میں پائی جانے والی خامیوں کی نشاندہی کی گئی تو فرمایا گیا کہ: ''موجودہ دِینی مدارس سے صرف علماء پیدا ہو رہے ہیں، جبکہ ہم چاہتے ہیں کہ ان سے جس طرح علماء پیدا ہوتے ہیں، ویسے ہی ڈاکٹر، انجینئر اور وکلاء بھی پیدا ہوں اور ہماری خواہش و کوشش ہے کہ دِینی مدارس سے نکلنے والے علماء ہر شعبۂ زندگی میں خدمات انجام دینے کی صلاحیت سے مالا مال ہوں'' جب ان عقل مندوں کو یہ باور کرایا گیا کہ: اگر میڈیکل کالج اور یونیورسٹیوں سے انجینئر اور وکلاء پیدا کرنے کی فرمائش نہیں کی جاتی تو دِینی مدارس سے یہ توقع کیوں کی جاتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ: ''دِینی مدارس میں انگلش، سائنس اور دُوسرے مضامین کیوں نہیں پڑھائے جاتے؟'' جب عرض کیا گیا کہ: دِینی مدارس میں پہلے سے ہی میٹرک کا نصاب زیرِ تعلیم ہے اور کسی دِینی مدرسہ کا نظامِ تعلیم کسی بھی عصری اور سرکاری اسکول کے معیارِ تعلیم سے کم نہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر ہے، تو فرمان جاری ہوا کہ: ''ان مدارس میں پڑھنے والے غیر ملکی طلباء کو نکال دیا جائے، وہ ملکی سالمیت کے لئے خطرہ ہیں، وہ اپنے اپنے ملک سے ''این او سی'' لے کر آئیں، ورنہ انہیں نکال دیا جائے گا'' اور ۳۱؍دسمبر ۲۰۰۵ء ان طلبہ کے اِخراج کی آخری تاریخ قرار دے دی گئی، جب ان کی خدمت میں بصد ادب عرض کیا گیا کہ: دِینی مدارس میں پڑھنے والے تمام طلبہ کے پاس پاکستان کے تعلیمی ویزے ہیں اور وہ پاکستان کے دِینی مدارس سے فارغ ہوکر اپنے اپنے ملک میں پاکستان کی نمائندگی اور سفارت کا کام دیتے ہیں، تو فرمایا گیا: ''ہم دِینی مدارس کے ان طلبہ کو نکال کر رہیں گے اور جو مدارس اس کی خلاف ورزی کے مرتکب پائے گئے، ان کے خلاف کارروائی کی جائے گی۔''

اسی طرح دِینی مدارس کو جدید رجسٹریشن ایکٹ کے تحت ۳۱؍دسمبر ۲۰۰۵ء تک رجسٹر کرانا بھی ضروری قرار دیا گیا اور یہ فرمانِ شاہی جاری ہوا کہ: جو مدارس ۳۱؍دسمبر تک رجسٹریشن نہیں کرائیں گے، ان کو بند کردیا جائے گا۔ اربابِ مدارس،

علماء، اربابِ علم و دانش، سیاسی زعماء، تمام مسالک کے دِینی مدارس کی نمائندہ تنظیم:
''اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ پاکستان'' اور ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے ذمہ
داران نے بھرپور کوشش کرکے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی کہ دِینی مدارس اور دِینی
طلبہ کے خلاف آپ کا یہ اقدام کسی طرح قابلِ تحسین نہیں ہے، اس سے جہاں ملک
میں خلفشار ہوگا، وہاں دُنیا بھر کے مسلمانوں میں مایوسی کی لہر دوڑ جائے گی اور بیرونی
دُنیا کے مسلمان طلبہ پاکستان کے بجائے بھارت کا رُخ کریں گے، جو دِینی، علمی اور
سیاسی اعتبار سے نہ صرف نقصان دہ ہے، بلکہ اس سے دُنیا بھر میں اہالیانِ پاکستان اور
خود پاکستان کی بدنامی ہوگی، مگر افسوس کہ اس پر بھی کان نہیں دھرا گیا تو مجبوراً علمائے
کرام نے غیرملکی مہمان طلبہ کے مستقبل اور دِینی مدارس کے تحفظ کی خاطر ملک بھر میں
جلسے، جلوس اور کنونشن منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ اس سلسلے کا پہلا کنونشن یکم ذوالحجہ
۱۴۲۶ھ مطابق ۲؍جنوری ۲۰۰۶ء کو اسلام آباد میں منعقد ہوا، جس میں درج ذیل علماء
اور سیاسی و مذہبی تنظیموں کے راہ نما شامل ہوئے:

قائدِ حزبِ اختلاف مولانا فضل الرحمٰن، مولانا سمیع الحق، شیخ الحدیث مولانا
سلیم اللہ خان، ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر رئیس جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن،
مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، مولانا فضل الرحیم، مولانا انوار الحق، مولانا قاری محمد حنیف
جالندھری، مولانا مفتی سرفراز نعیمی، قاری گل رحمٰن، مولانا پیر عبدالرحیم نقشبندی، مولانا
حافظ محمد اقبال، مولانا قاری سعید الرحمٰن، مولانا قاضی عبدالرشید، مولانا قاضی عصمت
اللہ، مولانا ظہور احمد علوی، مولانا عبدالعزیز حنیف، مولانا اشرف علی، مولانا ڈاکٹر محمد
عادل خان، مولانا مفتی قاضی محمد اویس، مولانا محمد نذیر فاروقی، مولانا قاضی محمود الحسن،
مولانا قاری عبدالمالک، مولانا مفتی محمد نعیم، مولانا عبدالقیوم، مولانا محمد طیب، مولانا فتح
محمد، مولانا قاری عبدالرشید ایڈووکیٹ، مولانا عبدالجلیل، مولانا عبدالکریم، مولانا اسعد
اللہ عباسی اور ملازم حسین وغیرہ۔

اس کنونشن میں سیاسی، مذہبی اور تعلیمی اداروں اور ''اتحاد تنظیمات مدارسِ

دِینیہ'' کے حضرات نے جس دِل سوزی اور درد و کرب سے حکومت کو اس اہم مسئلے کی
طرف متوجہ کیا اور جن جن مسائل کو اُٹھایا گیا، اس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

''اسلام آباد (خصوصی رپورٹ) مفتیٔ اعظم پاکستان،
مفتی محمد رفیع عثمانی نے کہا ہے کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے
جانے والے ملک کے دارالحکومت میں آج ہم فریاد کر رہے ہیں
کہ بچوں کو نماز سکھانے کا طریقہ حکومت نے جو بند کردیا ہے، یہ
فیصلہ کسی کافر حکمران نے بھی نہیں کیا، یہ خدا کے عذاب کو دعوت
دینے کے مترادف ہے۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے یہاں
جامعہ محمدیہ میں اتحاد تنظیمات مدارس دِینیہ کے زیر اہتمام علماء
کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

مفتی محمد رفیع عثمانی نے مزید کہا کہ حکمرانوں نے اگر
اسلامی تعلیمات کو نصاب سے نکالا، مدارس کے طلبہ کی راہ میں
روڑے اٹکائے تو پھر خونی طوفان آئے گا، یہ میں دھمکی نہیں
دے رہا، اللہ کے عذاب سے ڈرا رہا ہوں، حکمرانو! ان لوگوں
کے دِل نہ دُکھاؤ جنھوں نے اس ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی
سرحدوں کے تحفظ کے لئے قربانیاں دی ہیں، فوج کو بلوچستان
اور شمالی علاقوں میں آپریشن کرکے بدنام نہ کریں۔ فوج کو مدارس
سے لڑانے کی تیاری کی جارہی ہے، پاکستان کو ٹکڑے ٹکڑے
کرنے کی سازش کی جارہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے
مدارس کی اسناد پوری دُنیا میں قبول کی جاتی ہیں، جبکہ تمہاری
سندیں دُنیا میں کہیں قبول نہیں، ہم انگریزی زبان اسلام کی
دعوت دینے کے لئے پڑھاتے ہیں۔

قائدِ حزبِ اختلاف مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ

پورے ملک میں دِینی مدارس کے خلاف اقدامات کا سنجیدگی سے نوٹس لینے کی ضرورت ہے، حکمران یاد رکھیں! اسلام اور اسلامی تعلیمات کے بغیر یہ ملک زندہ نہیں رہ سکتا، حکمرانوں کو سیاہ وسفید کا مالک نہیں بننے دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ مدارس کے حوالے سے منفی پروپیگنڈا کیا گیا کہ یہ لوگ صوفی ہیں، آج ہم نے وہ منظر دیکھا کہ جو مدرسہ حقیر تھا اور جو طلبہ حقیر تھے، آج عالمی قوتیں ان کو اپنے لئے خطرہ سمجھ رہی ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ ہمارے اکابر نے جو تیر پھینکا تھا، وہ اپنے نشانے پر لگا ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا کہ امریکا اور مغربی دُنیا مدارس کو نشانہ نہ بنائیں، پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے، یہ نظریہ زندہ رہے گا، ہم صرف دِینی مدارس ہی کی نہیں، بلکہ عصری تعلیمی اداروں کے نصاب کی بھی جنگ لڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ آئین کی تعریف کے لحاظ سے ''شہادۃ العالمیہ'' کے حامل ہی مملکت کا تقاضا پورا کرسکتے ہیں، کیا ہماری سندیں آئین کی تعریف پر پوری نہیں اُترتیں؟ ہماری سندوں پر عدالتی فیصلے سیاسی ہیں، مدارس کے نصاب اور غیرملکی طلبہ کی جنگ لڑیں گے، اس حوالے سے ملک گیر کنونشن اور مظاہرے ہوں گے اور آخر میں پوری قوم کو اسلام آباد میں لانے کی ضرورت پڑی تو لائیں گے، کسی غیرملکی طالب علم کو واپس نہ جانے دیا جائے، اگر وہ گرفتاریاں کرتے ہیں تو گرفتاریاں دیتے جاؤ، جیل بھردو، علمائے کرام پر بستہ الف اور ب کے قائم کردہ مقدمات ہم تسلیم نہیں کرتے، اگر وہ گرفتار کرتے ہیں تو گرفتاریاں دے دو، ہم جنگ نہیں چاہتے، حکمران یہ سارے اَحکامات واپس لیں۔ انہوں نے کہا کہ پوری دُنیا

زلزلہ زدہ لوگوں کو امداد پہنچارہی ہے، مگر ہماری فوج شمالی علاقہ جات میں آپریشن میں مصروف رہی۔ انہوں نے کہا کہ ایسے کالے قانون جو اِنسانی حقوق کی خلاف ورزی ہیں، ہم اس کی مکمل مزاحمت کے لئے تیار ہیں اور مجلسِ عمل، اتحاد تنظیمات مدارس دِینیہ کے شانہ بشانہ ہے، حکمرانوں کا مدارس کے نصاب اور طلبہ پر حملہ سیاسی، آئینی اور شرعی مسئلہ ہے، اس سے قوم کا کوئی فرد الگ نہیں ہوسکتا۔

سینیٹر مولانا سمیع الحق نے اپنے خطاب میں کہا کہ یہ ایک طویل جنگ ہے اور یہ جنگ ایک سرے پر لگے گی، یہود و نصاریٰ سمیت تمام عالمِ کفر ایک ہوچکے ہیں اور ان سب کا ایجنڈا ایک ہے۔

متحدہ مجلس عمل کے مرکزی رہنما وممبر قومی اسمبلی قاری گل رحمٰن نے کہا کہ نیٹو کے سیکریٹری جنرل سے کہا گیا کہ عراق میں انتخابات ہوچکے ہیں، آپ واپس کیوں نہیں جاتے؟ تو اس نے کہا: ''ابھی تو اسلام باقی ہے۔'' ہم مدارس اور اسلام کے لئے ہرقسم کی قربانی کے لئے تیار ہیں اور مشرف یا امریکا کی پالیسیاں نہیں مانتے۔

جمعیت علماء اسلام کے سیکریٹری جنرل وممبر قومی اسمبلی مولانا عبدالغفور حیدری نے کہا کہ ہماری سندوں کو بے وقعت کرنے کے لئے عدالتوں سے فیصلے کرائے جارہے ہیں، عدالتوں کے فیصلے یا تو دباؤ پر ہوتے ہیں یا بریف کیس کے ذریعے ہوتے ہیں، ہم ایسے فیصلوں کو نہیں مانتے اور جوتی کی نوک پر رکھتے ہیں۔

جامعہ خیر المدارس ملتان کے رئیس مولانا قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ حکمران ایک عرصے سے دِینی مدارس کو مٹانے کی تحریک چلائے ہوئے ہیں، ہم آج سے دِینی مدارس، اسلام اور نظریۂ پاکستان کے تحفظ کی تحریک کا منظّم طریقے سے اعلان کرتے ہیں، یہ سال دِینی مدارس، اسلام اور پاکستان کے تحفظ کا سال ہے، انہوں نے کہا کہ انٹرنیٹ پر ایک رپورٹ کئی سال پہلے جاری کی گئی تھی، جس میں انکشاف کیا گیا تھا کہ پاکستان کے دِینی مدارس میں پڑھنے والے غیرملکی طلبہ کو نکالیں گے، اس لئے یہ فیصلہ اچانک نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ وفاقی وزیر مذہبی اُمور دروغ گوئی سے باز آجائیں، ہمارے مدارس میں کوئی طالب علم غیرقانونی نہیں، یہاں سے جانے والے طلبہ احتجاجاً واپس گئے ہیں، وہ نفرت کا پیغام لے کر گئے ہیں، ان کے والدین نے کہا کہ اپنے بچوں کو ہم نے دِینی تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجا تھا، مگر پاکستان نے ان کو مجرم قرار دے دیا۔

''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کے نائب صدر اور مجلسِ عاملہ کے رکن، جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے مہتمم مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے کہا کہ اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک میں دِینی علم حاصل کرنے والے غیرملکی طلبہ پر پابندی افسوسناک ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقوامِ متحدہ کے انسانی حقوق کے چارٹر کا آرٹیکل نمبر۱۸ کہتا ہے کہ: ہر انسان کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے دِین کو سیکھے اور پھیلائے، آج یہ حق یہود و نصاریٰ استعمال کررہے ہیں، مگر

مسلمانوں کو اس حق سے محروم کیا جارہا ہے۔

کنونشن سے ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کی مجلسِ عاملہ کے رکن حافظ فضل الرحیم اشرفی، مفتی محمد طیب، رابطۃ المدارس کے نمائندہ مولانا فتح محمد، تنظیم المدارس کے صوبائی ناظم مولانا ضیاء الحق شاہ، تنظیم المدارس کی مجلس عاملہ کے رکن حافظ محمد اقبال اور دیگر مقرّرین نے بھی خطاب کیا۔''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی یکم ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲؍جنوری ۲۰۰۶ء)

اس کنونشن میں ''اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دینیہ'' کی جانب سے درج ذیل قراردادیں بھی پیش کی گئیں:

''اسلام آباد (خصوصی رپورٹر) اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ نے مدارس سے غیرملکی طلبہ کے اِخراج، دِینی مدارس کی اسناد پر عدالتی فیصلوں، اسکولوں کے نصابِ تعلیم سے نماز کے اِخراج، ملک میں فحاشی و عریانی کو فروغ دینے، علمائے کرام کو بستہ الف اور ب کا مجرم قرار دینے کی شدید الفاظ میں مذمت کرتے ہوئے مطالبہ کیا کہ حکومت یہ تمام فیصلے فوری طور پر واپس لے۔ ان خیالات کا اظہار اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے زیر اہتمام کنونشن میں قاری عبدالکریم، مولانا محمد نذیر فاروقی، مولانا اسحاق نظیری، مولانا ظہور احمد علوی و دیگر نے قراردادیں پیش کرتے ہوئے کیا۔ قراردادوں میں کہا گیا ہے کہ:

۱:... آج کا یہ اجتماع حکومت سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ دِینی مدارس سے غیرملکی طلبہ کے اخراج اور انہیں ان کے ملک میں زبردستی بھیجنے کا فیصلہ فی الفور واپس لیا جائے، کیونکہ یہ غیرشرعی، غیرآئینی اور مُسلّمہ بین الاقوامی قانون کے خلاف ہے۔

۲:... یہ کنونشن اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ آئندہ بھی غیرملکی طلبہ کے لئے دِینی تعلیم کے دروازے کھلے رکھے جائیں، کیونکہ اس نوع کی پابندیاں بلاجواز ہیں، پاکستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ یہاں دُنیا کے کونے کونے سے علم کے شائقین اپنی علمی پیاس بجھانے آتے ہیں اور اس سے پاکستان کی دُنیا بھر میں نیک نامی میں اضافہ ہوا ہے، اور یہ فیصلہ صراحتاً ناانصافی پر مبنی ہے کہ عصری علوم کے لئے تو غیرملکی طلبہ پر کوئی پابندی نہ ہو، لیکن دِینی تعلیم پر پابندی ہو، جو نظریۂ پاکستان اور دِینی روایات سے انحراف ہے۔

۳:... اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کا یہ نمائندہ علماء کنونشن، اس بات کا مطالبہ کرتا ہے کہ دِینی مدارس کی سند کی وہی حیثیت بحال کی جائے جو انتخابات سے قبل تھی، دِینی سند کو مجروح کرنے کی یہ ناکام کوشش دِینی عناصر کو ملکی معاملات سے الگ تھلگ کرنے کی سازش ہے، حالانکہ ملکی اُمور کی سوجھ بوجھ اور فہم و فراست میں دِینی علوم کے ماہر علمائے کرام کسی سے کم نہیں۔

۴:... علماء کنونشن کا یہ اجتماع اس بات پر شدید تشویش کا اظہار کرتا ہے کہ بیرونی قوّتوں کے ایما پر سیکولر اور غیراسلامی تہذیب کو رواج دینے کے لئے نصابِ تعلیم کو نہایت بھونڈے طریقے سے تبدیل کیا جارہا ہے، قرآنی آیات، احادیث، جہاد کی تعلیمات اور عبادات بالخصوص نماز کو نصابِ تعلیم سے خارج کرنے کی مذموم کوشش دِینی معاملات میں صریح مداخلت ہے، پاکستان کے غیور عوام اس طرح کی سازشوں کو کبھی بھی کامیاب نہیں ہونے دیں گے، غیرملکی قوّتوں کے ایما پر نصابِ تعلیم میں

تبدیلی اس ملک کے عوام کو اسلامی تشخص سے محروم کرنے کی سنگین سازش ہے، قیامِ پاکستان سے لے کر اب تک ہمارا نظامِ تعلیم بالعموم اسلامی اقدار سے ہم آہنگ رہا ہے، یہ پہلی حکومت ہے جو نصابِ تعلیم کو یکسر سیکولر بنانے کی ناپاک جسارت کر رہی ہے، اِن شاء اللہ ہم ایسی کسی کوشش کو کامیاب نہیں ہونے دیں گے۔

۵:... اتحادِ تنظیماتِ مدارسِ دِینیہ کا یہ نمائندہ علماء کنونشن حکومت کی سرپرستی میں بے حیائی اور فحاشی کو منظم طریقے سے فروغ دینے کی مہم کی شدید مذمت کرتا ہے، بالخصوص میراتھن ریس اور میڈیا میں عریانی کے مناظر اور جنسی اشتہارات کی اشاعت جیسے حیاء سوز اقدامات اس قوم کی دِینی حمیت اور ملّی غیرت کے لئے چیلنج ہیں، اگر ان اقدامات کو نہ روکا گیا تو حکمرانوں کو شدید عوامی ردِّعمل کا سامنا کرنا پڑے گا، ہم بجا طور پر محسوس کرتے ہیں کہ نام نہاد روشن خیالی اور اعتدال پسندی کے پس پردہ غیرملکی آقاؤں کے عزائم کی تکمیل کی مذموم کوشش کی جارہی ہے۔

۶:... یہ علماء کنونشن ملک بھر میں دِینی مدارس سے علماء اور طلبہ کی غیرقانونی اور ناروا گرفتاریوں کی شدید مذمت کرتا ہے، دِینی مدارس کے طلبہ نہایت پُرامن ماحول میں قرآن و سنت کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور پاکستان کی تاریخ گواہ ہے کہ دِینی ادارے کبھی بھی کسی قسم کی دہشت گردی یا غیراخلاقی حرکت یا جرائم میں ملوّث نہیں رہے ہیں، یہ ادارے پُرامن ماحول کی تعمیر میں ہمیشہ مد و معاون رہے ہیں، ان دِینی اداروں کی وجہ سے عوام کا دِینی اقدار اور روایات سے گہرا تعلق ہے، جس کی وجہ

سے معاشرے سے بُرائی مٹتی ہے اور نیکی کو فروغ حاصل ہوتا ہے، دِینی اداروں میں حکومتی مداخلت، آئے دن پولیس کے چھاپے، ایجنسیوں کی بار بار پوچھ گچھ اور مقامی انتظامیہ کے ذمہ داران کا شاہ سے زیادہ شاہ کا وفادار بننے کا طرزِ عمل انتہائی تشویش ناک ہے، اسلام آباد اور اس کے گردونواح کے مدارس میں خصوصی طور پر اور پورے ملک میں عمومی طور پر علمائے کرام کو ضمانتوں کے بہانے تنگ کرنے کے رویئے کی بھرپور مذمت کرتے ہیں۔

۷:... یہ نمائندہ کنونشن مطالبہ کرتا ہے کہ اس قسم کی گرفتاریوں اور بے جا مداخلت کا سلسلہ فی الفور بند کیا جائے اور غیرقانونی اقدامات کرنے والے افسران کو برطرف کیا جائے۔''

(روزنامہ ''اسلام'' کراچی یکم ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲رجنوری ۲۰۰۶ء)

اسلام آباد کے کنونشن ہی میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ اگلا کنونشن صوبہ سندھ کے دارالحکومت کراچی میں منعقد ہوگا۔ چنانچہ اسی فیصلہ کے تحت ۲۵رجنوری ۲۰۰۶ء کو پورے ملک بلکہ عالم اسلام کی معروف دِینی اور تعلیمی یونیورسٹی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں اس سلسلے کا دُوسرا کنونشن منعقد کیا گیا، جس کی تفصیلات درج ذیل ہیں:

سب سے پہلے جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نائب صدر مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر نے مہمانوں کو درج ذیل کلماتِ ترحیب پیش کرتے ہوئے خوش آمدید کہا اور اپنے بھرپور تعاون کا یقین دلایا:

''محدث العصر، عاشقِ رسولؐ، قائد تحریکِ ختم نبوّت، حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ کا قائم کردہ رُوحانی اور علمی مرکز جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اپنے

اس اعزاز پر تہہ دِل سے اتحادِ تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے راہ نماؤں کا شکرگزار ہے کہ انہوں نے مدارسِ دِینیہ کے تحفظ، ان کی حریت و آزادی کو سلب کئے جانے والے اقدامات اور غیرملکی طلبہ کو ظالمانہ انداز میں ملک بدر کرنے کے حکومتی فیصلہ کو مسترد کرنے کے بعد احتجاجی تحریک کے دُوسرے ملک گیر اجتماع کی میزبانی کے لئے اس علمی مرکز کو منتخب کیا، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کا ہر، ہر فرد اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے قائدین، علمائے کرام، مشائخ عظام، اربابِ اہتمام اور متحدہ مجلس عمل کے قائدین کو اس عظیم کنونشن میں تشریف آوری پر صمیمِ دِل سے خوش آمدید کہتا ہے۔

محترم مہمانانِ گرامی! موجودہ صورتِ حال پوری دُنیا کے مسلمانوں کے لئے سخت آزمائش ہے، کمیونزم کے خاتمہ اور رُوس کی شکست و ریخت کے بعد امریکا پوری دُنیا میں اسلام دُشمن کی حیثیت سے اُبھرا، اس نے اسلام اور اسلامی تہذیب کو ختم کرکے مغربی تہذیب کو مسلط کرنے کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں اور اسلام کی سربلندی کو اپنے لئے بڑا خطرہ سمجھ رہا ہے، اسلام دُشمن اور عالمی دہشت گرد امریکا کے خلاف دُنیا بھر میں جہاں کہیں اُمتِ مسلمہ نے مزاحمت کی، اس کی قیادت و سیادت دِینی مدارس سے وابستہ علمائے کرام کے حصے میں آئی، جس کی وجہ سے امریکا، مغرب اور یہودی لابی کی نگاہوں میں دِینی مدارس کھٹکنے لگے اور دِینی مدارس کے خلاف مذموم پراپیگنڈا مہم شروع کردی گئی، اور ہر اسلامی حکومت کو دِینی مدارس کے خلاف اقدامات کرنے پر مجبور کیا گیا کہ وہ ان مدارس کے نصاب میں

مداخلت کریں، ان کی حریت و آزادی کو سلب کرلیں اور مدارس کی خدمات کو یکسر نظر انداز کرکے ان کے خلاف منفی پراپیگنڈا کریں، یہاں تک کہ سعودی حکومت پر دباؤ ڈالا گیا کہ وہ مدینہ یونیورسٹی، مکہ یونیورسٹی کے نصاب سے قرآن و حدیث کی تعلیم کو ختم یا جہاد سے متعلق آیات کو حذف کرے۔

علمائے کرام نے ہر دور میں اس دباؤ کو نہ صرف یہ کہ مسترد کیا، بلکہ مدارس کی حریت و آزادی کی اپنی جان سے بڑھ کر فکر کی، افغانستان کی اسلامی حکومت اور عراق کی حکومت کو ختم کرنے کے بعد امریکا کے حوصلے اتنے بلند ہوئے کہ اس نے پاکستان کی حکومت کو مدارس کے خلاف اقدامات کے لئے براہِ راست اَحکامات دینا شروع کئے، امریکی ہدایات پر حکومت نے مدارس میں مداخلت کا سلسلہ شروع کیا، ہر موقع پر اربابِ اقتدار نے مدارس کے خلاف زہر اُگلا، رجسٹریشن کے نام پر مدارس کو اپنے جال میں پھنسانا چاہا، غیرملکی طلبہ کے خلاف ملک بدری کا ظالمانہ فیصلہ کیا، حالانکہ اقوام متحدہ کے چارٹر کے مطابق تمام قوموں کو بلاکسی تفریقِ مذہب، رنگ و نسل یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تعلیم حاصل کریں، تو پھر پاکستان میں حکومت کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے کہ وہ لوگوں کو دِین کی تعلیم سے روکے؟ مدارس کی اسناد کو بے وقعت کرنا، علماء کی گرفتاریاں اور مدارس پر چھاپے اسی امریکی ایجنڈے کا تسلسل ہے، اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کا یہ عظیم علماء کنونشن ان تمام حکومتی اقدامات کو مسترد کرنے اور ان کے خلاف بھرپور پُرامن مزاحمت کے لئے منعقد کیا جارہا ہے۔

میں، حضرت علامہ سیّد محمد یوسف بنوری نوّر اللہ مرقدہٗ، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ، ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہیدؒ، شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ اور شیخ الحدیث حضرت مفتی نظام الدین شامزی شہیدؒ کا خادم ہونے کی حیثیت سے جامعہ کے مرکز اور اس کی تمام شاخوں کی طرف سے اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ پاکستان کے رہنماؤں کو بھرپور تعاون کا یقین دِلاتا ہوں کہ اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے قائدین جو بھی فیصلے کریں گے اور جس قسم کی قربانیاں طلب کریں گے، جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن اور اس کے علماء، طلبہ اور متعلقین کو صفِ اوّل کا سپاہی پائیں گے۔‘‘

جب اس کنونشن کی کارروائی شروع ہوئی تو جامعہ علوم اسلامیہ کی وسیع و عریض مسجد، جامعہ، اس کا احاطہ اور قرب و جوار کی سڑکیں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں، اسی طرح ملک بھر کے علماء، صلحاء، مذہبی راہ نماؤں اور اربابِ مدارس کی بھرپور نمائندگی تھی، جبکہ متحدہ مجلس عمل کی پوری قیادت بھی موجود تھی، اس موقع پر کس نے کیا کہا؟ اخبارات کی زبانی سنئے:

’’کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے قائدِ حزبِ اختلاف اور متحدہ مجلسِ عمل کے سیکریٹری جنرل مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ: عالمی قوّت کہلوانے والا امریکا جہاں کرۂ اَرض کے تمام وسائل پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، وہاں اس کے حصول کے لئے اس کا بڑا ہدف دِینی مدارس ہیں، جن کو وہ اپنے لئے بڑا خطرہ سمجھتا ہے، لیکن یہ بات عیاں ہے کہ دِینی مدارس کسی کے لئے خطرہ نہیں۔

متحدہ مجلسِ عمل کے صدر قاضی حسین احمد نے کنونشن سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اس کنونشن میں تحریک کا اعلان

کردیا گیا، ہم اس مسئلے پر بھی پیچھے نہیں ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جتنی یکجہتی اسلامی تعلیمات میں ہے، دُنیا کے کسی نصاب میں نہیں، ہماری تعلیم کو تبدیل کرنا امریکی ایجنڈے میں شامل ہے۔

چیئرمین ورلڈ اسلامک مشن مولانا انس نورانی نے کہا کہ آج جس طرح ہر جانب اسلام کی مخالفت کی جارہی ہے، اس کا تقاضا ہے کہ مخالف آج یہاں آکر علمائے کرام اور دِینی مدارس کے طلباء کا جوش وخروش دیکھ کر اندازہ کرلیں کہ ہم سب متحد ہیں اور اسلام کے خلاف ہر سازش اور حملے کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔

جامعہ خیرالمدارس ملتان کے مہتمم قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ پاکستان میں تمام مکاتبِ فکر کے دِینی مدارس، اتحادِ تنظیمات مدارسِ دِینیہ ۱۵ ہزار دِینی مدارس کا نمائندہ ہے، ہم دِینی مدارس کے تحفظ اور اسلام کے دِفاع کی جنگ لڑرہے ہیں، دِینی مدارس کو دُنیا کی کوئی طاقت مٹاسکی ہے اورنہ مٹاسکے گی۔

اتحادِ تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے ناظمِ اعلیٰ ڈاکٹر سرفراز نعیمی نے کہا کہ دِینی مدارس کے خلاف کوئی اقدام برداشت نہیں کریں گے۔''

(روزنامہ ''جنگ'' کراچی ۲۵/ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۶/جنوری ۲۰۰۶ء)

اس موقع پر اتحادِ تنظیمات مدارسِ دِینیہ کی جانب سے ایک اعلامیہ بھی جاری کیا گیا، جو درج ذیل ہے:

''دِینی مدارس اور بقائے اسلام کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے، بقول مفکرِ اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

رحمہ اللہ: ''مسلمانوں کی بقا اسلام کی وجہ سے ہے اور اسلام کی بقا دِینی مدارس کی وجہ سے ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلا مدرسہ مکہ مکرّمہ میں دارِارقم میں قائم فرمایا اور مدینہ منوّرہ پہنچنے کے بعد دُوسرے سال صُفّہ کے عظیم مدرسے کی بنیاد رکھی، جو کائنات کے تمام مدارس کی اساس اور بنیاد ہے، ہند و پاک اور دُنیا بھر میں قائم ہزاروں مدارس اسی نبوی مدرسے کی شاخیں اور اس رُوحانی گلشن کے گل و بوٹے ہیں۔

دِینی مدارس کا سلسلہ صدیوں سے قائم ہے اور گزشتہ صدی میں ہندوستان میں انہی دِینی مدارس کے دَم سے علومِ نبوّت زندہ وتابندہ ہیں، انہی کی وجہ سے استعمار کے جبر واستبداد کا خاتمہ ہوا، یہی وہ قلعے تھے جن سے دِینِ اسلام کا دِفاع ہوا، یہی وہ نظریاتی چھاؤنیاں تھیں، جنھوں نے اسلامی نظریے کی حفاظت کی، دِینی مدارس ہی آبِ حیات کے وہ پاکیزہ چشمے تھے، جنھوں نے مسلمانوں میں دِینی زندگی باقی رکھی۔

لیکن جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے قائم ہونے والا مدرسہ، کفر کی نگاہ میں کھٹکتا تھا، اسی طرح آج بھی پاکستان اور دُنیا بھر کے دِینی مدارس اسلام دُشمنوں کی نگاہوں میں خار بنے ہوئے ہیں، چنانچہ بے سروسامانی کے عالم میں دِینِ حق کی شمع کو روشن کرنے والے مدارس کو دِین دُشمن اپنے لئے ایٹم بم سے زیادہ خطرناک سمجھتے ہیں، اس لئے دِین دُشمن قوتیں اپنے تمام تر وسائل کے ساتھ ان مدارس کو ختم کرنے، انہیں کمزور کرنے، مسلمانوں کا ان سے تعلق توڑنے اور ان کی حریت و آزادی کو ختم کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہیں،

نظریاتی اسلامی مملکت پاکستان میں روزِ اوّل سے مدارس کو حکومتی جال میں پھنسانے کی مذموم کوششیں کی جاتی رہی ہیں اور مدارس کے لئے مشکلات پیدا کرنے کے لئے سرکاری سطح پر کوششیں جاری ہیں، مگر موجودہ امریکا نواز حکومت نے سابقہ تمام ظالمانہ حکومتوں سے بڑھ کر مدارس کے خلاف اقدامات کئے اور اس کو ایک مہم کے طور پر شروع کر رکھا ہے، چنانچہ کوئی فوجی تقریب ہو یا سوِل تقریب، کسی یونیورسٹی کا کنونشن ہو یا کاکول اکیڈمی کی پاسنگ آؤٹ پریڈ، کرکٹ کا میچ ہو یا حکمرانوں کا غیرملکی دورہ، ہر موقع پر مدارس کے خلاف زہر اُگلا جاتا ہے، انہیں انتہا پسندی، دقیانوسیت، دہشت گردی کے مراکز اور دیگر نامناسب القابات سے نواز کر غیرملکی آقاؤں سے داد لی جاتی ہے، چنانچہ انہی دِین دُشمن اقدامات کے تسلسل میں حکومت آئے دن اسلامی نظام میں ترمیم کرنے، اسکولوں کے نصاب سے قرآنی آیات اور اَحکامِ جہاد کو نکالنے، نصاب سے طریقۂ نماز خارج کرنے اور نصاب میں میوزک کو داخل کرنے کے لئے کوشاں ہے۔

غیرملکی طلبہ جو پاکستان کو دِینی علوم کا مرکز سمجھ کر اپنے اپنے ممالک سے تعلیم حاصل کرنے کے لئے آتے ہیں، انہیں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ظالمانہ طریقے سے نکلنے پر مجبور کیا جارہا ہے، حالانکہ یہ طلبہ قانونی دستاویزات کے ساتھ آئے ہیں اور کسی قسم کی دہشت گردی میں ملوّث نہیں، دِینی اقدار کا مذاق اُڑایا جارہا ہے، داڑھی اور پردے کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے، دُوسری طرف میراتھن ریس کے نام پر مردوں اور عورتوں کو سڑکوں پر دوڑانے کا سرکاری انتظام کیا جارہا ہے، ناچ

گانے، بے حیائی اور فحاشی کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی کی جارہی ہے، حکومت کی دِین دُشمن پالیسیوں کے خلاف اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ پاکستان نے گزشتہ پانچ سال سے حکومت کے ساتھ مسلسل مذاکرات کئے، دلائل سے قائل کرنے کی کوشش کی، مگر بیرونی دباؤ کا شکار حکمران کبھی بھی اسلام کے عالمگیر اور عادلانہ نظام کا دفاع نہ کرسکے، بلکہ انہوں نے ہمیشہ دِین دُشمنوں کی وکالت کی۔

اس لئے ملک بھر کے تمام وفاقوں، تنظیمات اور تمام دِینی مدارس اور زعماء کا یہ نمائندہ اجتماع اسلامی نظامِ حیات اور دِینی مدارس کے خلاف تمام منفی اقدامات کو مکمل طور پر مسترد کرتے ہوئے واضح کرتا ہے کہ اگر حکومت نے علمائے کرام، دِینی مدارس اور ان مدارس کے ملکی اور غیرملکی طلبہ کے خلاف اپنے ظالمانہ فیصلے واپس نہ لئے تو علمائے کرام اور اربابِ مدارس ان فیصلوں کے خلاف بھرپور مزاحمت کریں گے، اور اگر پُرامن کوششوں کے باوجود بھی دِینی مدارس کے مطالبات پر توجہ نہ دی گئی تو اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ پاکستان، پاکستانی قوم اور دِینی جماعتوں کے تعاون سے لاہور، پشاور، کوئٹہ اور اسلام آباد میں اسی طرح کے بھرپور اجتماعات منعقد کرے گی، اور اگر حکومت نے پھر بھی اپنا رویہ نہ بدلا تو سخت ترین احتجاج اور اقدامات سے بھی گریز نہیں کیا جائے گا۔‘‘

اس علماء کنونشن میں اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کی جانب سے درج ذیل قراردادیں بھی پیش کی گئیں:

۱:... اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کا یہ نمائندہ اجتماع

نظریۂ اسلام، قراردادِ مقاصد اور آئینِ پاکستان کی دیگر اسلامی
دفعات کے خلاف موجودہ حکومت کی ظالمانہ، منافقانہ پالیسیوں
اور آئین شکنی کے اقدامات کی شدید مذمت کرتے ہوئے دِینی
مدارس کے طلباء کے راستوں میں مسلسل رُکاوٹیں کھڑی کرنے
اور غیرملکی طلبہ کوتعلیم کی تکمیل کے بغیر ظالمانہ انداز میں ملک سے
نکالنے کو انسانی حقوق کی خلاف ورزی قرار دیتے ہوئے حکومت
سے ان اقدامات کو واپس لینے اور غیرملکی طلبہ کے خلاف ظالمانہ
فیصلوں سے متأثرہ طلبہ اور ان کے والدین سے معذرت کرنے کا
مطالبہ کرتا ہے۔

۲:... یہ اجتماع یہود، نصاریٰ، آغاخانیوں، قادیانیوں
اور دیگر غیرملکی سیکولر طاقتوں اور لابیوں کے ایماء پر پاکستان کے
اسلامی تشخص کوختم کرنے، حکومتی سرپرستی میں بے حیائی و فحاشی کو
رواج دینے کی مذمت، نیز مخلوط میراتھن ریس سمیت تمام مخلوط
پروگراموں پر پابندی لگانے، عصری اور سرکاری تعلیمی اداروں
کے لئے اسلامی نظامِ تعلیم کے نفاذ، طلبہ و طالبات کے لئے
اسلامی قدروں سے ہم آہنگ یونیفارم مقرّر کرنے کا مطالبہ کرتا
ہے، نیز نصابِ تعلیم سے نماز کا طریقہ خارج کرنے، اسلامیات
کے مضمون کو مختصر یا ختم کرنے اور مطالعہ پاکستان سے مسلم
مشاہیر کے کارناموں کوختم کرنے کی پالیسیوں پر گہری تشویش کا
اظہار کرتے ہوئے موجودہ وزیر داخلہ اور وزیر تعلیم کی اسلام
دُشمن سرگرمیوں کی بنا پر انہیں فوری طور پر برطرف کرنے کا
مطالبہ کرتا ہے۔

۳:... یہ عظیم الشان اجتماع ۸؍اکتوبر کو شدید زلزلے

میں جاں بحق ہونے والے مسلمانوں کے لئے دُعائے مغفرت
اور متأثرین سے اظہارِ ہمدردی کرتے ہوئے اس موقع پر اہلِ
پاکستان اور عالمِ اسلام کی طرف سے اپنے مسلمان بھائیوں کے
ساتھ تعاون اور بے مثال ہمدردی پر اطمینان کا اظہار کرتے
ہوئے متأثرہ علاقوں میں صدرِ پاکستان کی طرف سے دِینی
مدارس و مساجد کے قیام کے امکانات پر تشویش پر سخت افسوس
اور اضطراب کا اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے غیور مسلمانوں
سے متأثرہ علاقوں میں مساجد و مدارس کو دوبارہ بحال اور آباد
کرنے میں موٴثر اور مربوط معاونت کی اپیل کرتا ہے۔

نیز یہ اجتماع متأثرہ علاقوں سے غیرملکی فوجوں کی
واپسی، غیرمسلم این جی اوز کی اسلام دُشمن سرگرمیوں پر گہری
تشویش اور دِینی جماعتوں اور اداروں کے موٴثر کردار پر دِلی
اطمینان کا اظہار کرتا ہے۔

۴:... یہ عظیم الشان اجتماع پاکستان کی حدود میں آئے
روز امریکی مداخلت کو ننگی جارحیت قرار دیتے ہوئے حکومتِ
پاکستان کے معذرت خواہانہ رویے پر گہرے اضطراب کا
اظہار کرتے ہوئے پاکستان کے اندرونی معاملات میں امریکا کی
مسلسل مداخلت اور باجوڑ میں حالیہ انسانیت کش جارحیت کی
شدید مذمت کرتا ہے۔

نیز اس جارحیت کا شکار ہونے والے بے گناہ اور
معصوم بھائیوں سے ہمدردی کا اظہار اور شہید ہونے والے افراد
کے لئے بلندیٔ درجات کی دُعا کرتا ہے، اور حکومتِ پاکستان
سے ایسے اقدامات کی بنا پر امریکا سے سفارتی تعلقات منقطع

کرنے، امریکا سے سفیر کو واپس بلانے اور امریکی سفیر کو
ناپسندیدہ قرار دے کر ملک بدر کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

نیز یہ اجتماع گزشتہ کچھ سالوں سے ملکی اور غیرملکی
ایجنسیوں کے ہاتھوں شہید کئے جانے والے علمائے کرام، مشائخ
عظام کے قاتلوں کو سزا نہ دینے پر تشویش کا اظہار کرتے ہوئے
علماء کے قاتلوں کو فوری سزا دینے کا مطالبہ کرتا ہے، اور علمائے
کرام کے تحفظ کو یقینی بنانے، مختلف علاقوں میں علمائے کرام کے
خلاف ناروا پابندیوں، بے بنیاد مقدمات اور بلاجواز گرفتاریوں
پر گہری تشویش اور مدارس و مساجد میں پولیس کی طرف سے
علمائے کرام و ائمہ عظام کو دھمکانے، طالبات کے مدارس میں
چادر اور چار دیواری کے تقدس کو پامال کرنے کی شدید مذمت
کرتے ہوئے گرفتار علمائے کرام کی فوری رہائی اور ان کے
خلاف قائم تمام مقدمات کو واپس لینے کا مطالبہ کرتا ہے۔

۵:... یہ عظیم الشان کنونشن اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ
کی طرف سے دِینی مدارس کے تحفظ کی جدوجہد پر اعتماد کا اظہار
کرتے ہوئے اسلامی قدروں کی حفاظت اور دِینی مدارس کے
تحفظ کے لئے تمام صوبوں اور شہروں میں منعقد ہونے والے
کنونشنوں اور آخر میں اسلام آباد میں لاکھوں کے اجتماع کے
انعقاد کی تائید کرتے ہوئے مکمل تعاون اور ہر طرح کی قربانی
دینے کے عزم کا اعلان کرتا ہے۔

کنونشن کے اختتام پر اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ کے زعماء اور متحدہ مجلسِ عمل
کے قائدین نے ایک پریس کانفرنس سے خطاب کیا۔ اخبارات کے مطابق اس پریس
کانفرنس کی خبر درج ذیل ہے:

”کراچی (اسٹاف رپورٹر) اتحاد تنظیمات مدارسِ دِینیہ
پاکستان اور متحدہ مجلسِ عمل کی قیادت نے غیرملکی طلبہ کے اِخراج،
دِینی مدارس کی رجسٹریشن، دِینی مدارس کی اسناد کو بے وقعت
کرنے اور نصابِ تعلیم سے طریقۂ نماز کے اِخراج کے حکومتی
اقدامات کو مسترد کرتے ہوئے تمام مطالبات تسلیم کرنے تک
مزاحمتی تحریک جاری رکھنے کا اعلان کیا ہے، یہ اعلان بدھ کو جامعۃ
العلوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں عظیم الشان علماء کنونشن کے
اختتام پر ایک پُرہجوم پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے
متحدہ مجلسِ عمل کے جنرل سیکریٹری مولانا فضل الرحمٰن، اتحاد
تنظیمات کے جنرل سیکریٹری ڈاکٹر سرفراز نعیمی، وفاق المدارس
العربیہ کے جنرل سیکریٹری قاری محمد حنیف جالندھری، رابطۃ
المدارس کے صدر مولانا عبدالمالک، وفاق المدارس السّلفیہ کے
رہنما محمد یوسف قصوری اور دیگر نے کیا۔

مولانا فضل الرحمٰن نے کہا کہ غیرملکی طلبہ کو پاکستان
سے نکالنے کے فیصلے سے انڈیا فائدہ اُٹھائے گا، اس سے
پاکستان کا تشخص پامال ہوگا، حکومت کا یہ اقدام بین الاقوامی
قوانین کی نفی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ عجیب بات ہے کہ دِینی
مدارس کی سند عالمیہ کو تسلیم کیا گیا ہے اور اس سے نیچے کی سندوں
کو تسلیم نہیں کیا جارہا۔ انہوں نے کہا کہ عدالتیں آزاد نہیں ہیں،
ان کے فیصلے آئینی نہیں، سیاسی ہیں، انہوں نے کہا کہ مدارس
سے متعلق تحریک صرف ایم ایم اے یا اتحاد تنظیمات کا مسئلہ
نہیں، بلکہ ہر اس کلمہ گو مسلمان کا مسئلہ ہے، جو مدارس سے دلچسپی
رکھتا ہے۔

قاری محمد حنیف جالندھری نے کہا کہ پانچ سال سے یہ کوشش کی جارہی ہے کہ مدارس سے متعلق حکومت کے جو بھی اِشکالات یا اعتراضات ہیں، ان پر حکومت ہمارے ساتھ مذاکرات کرے اور مسائل حل کئے جائیں، مگر حکومت نے ہمیشہ ٹال مٹول سے کام لیا۔ انہوں نے کہا کہ پہلے مرحلے پر صرف علماء کنونشن منعقد کررہے ہیں، جبکہ دُوسرے مرحلے میں عوامی سطح پر اجتماعات بھی کریں گے اور سڑکوں پر نکلیں گے۔ انہوں نے کہا کہ اس کا سبب دِینی مدارس کے خلاف حکومت کے منفی اقدامات ہیں، انہوں نے مطالبہ کیا کہ غیرملکی طلبہ کے اِخراج کا فیصلہ واپس لیا جائے، تمام اسناد کو تسلیم کیا جائے۔ شمالی علاقہ جات کے حالات کو سبب بناکر اسکولوں کے نصابِ تعلیم سے طریقۂ نماز کو خارج کیا جارہا ہے، ہم اسکولوں کے نصابِ تعلیم کا بھی تحفظ کریں گے، حکومت کو چاہئے کہ اپنے ان منفی اقدامات سے باز آجائے، ہم دِینی مدارس کے تحفظ کو اسلام اور پاکستان کا تحفظ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہم کسی غیرملکی طالب علم کو ملک سے جانے کا نہیں کہیں گے، غیرملکی طلبہ کے اِخراج کا فیصلہ فردِ واحد کا فیصلہ ہے، جو تسلیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس موقع پر ڈاکٹر محمد عادل خان، مولانا عبدالکریم عابد، مفتی محمد نعیم، قاری محمد عثمان، قاری شیر افضل خان، علامہ امیر حسین اور دیگر بھی موجود تھے۔‘‘

(روزنامہ ’’اسلام‘‘ کراچی ۲۵؍ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۶؍جنوری ۲۰۰۶ء)

یہ کنونشن ہر اعتبار سے بھرپور اور کامیاب تھا، جس کے اِن شاء اللہ دُوررَس اور بہتر ثمرات ونتائج مرتب ہوں گے، تاہم! ہم اربابِ حکومت کی خدمت میں دست بستہ عرض کریں گے کہ دِینی مدارس کے تحفظ، نصابِ تعلیم، دِینی مدارس کے غیرملکی

مہمان طلبہ اور دِینی مدارس کی اسناد کے مسائل کو خواہ مخواہ اَنا کا مسئلہ نہ بنائیں، خدارا! اپنے مفوّضہ اُمور کو بحسن خوبی انجام دینے اور ملک کو درپیش دُوسرے چیلنجوں سے نکالنے کی کوشش کیجئے! دِین دُشمنی مول لے کر اللہ کے غضب کو دعوت نہ دیجئے! اور اس آہنی دیوار سے نہ ٹکرائیے! بلکہ اپنے پیش رووں کے انجام سے سبق حاصل کیجئے! ’’جیو اور جینے دو‘‘ کے فلسفے پر عمل کیجئے! اور اپنے دِل و دِماغ سے یہ خمار نکال دیجئے کہ آپ دِین، دِینی مدارس یا علماء کو ختم کردیں گے! اس لئے کہ یہ دِین اللہ کا ہے اور اللہ تعالیٰ کو اپنے دِین کی حفاظت کرنا آتی ہے اور وہ ان کی حفاظت کرنا بھی جانتا ہے، جو اس دِین کے محافظ ہیں۔ چونکہ یہ دِین قیامت تک رہے گا، اس لئے اِن شاء اللہ یہ مدارس اور مدارس کے طلبہ اور علماء بھی قیامت تک رہیں گے۔ آپ خواہ مخواہ اس پر اپنی صلاحیتیں ضائع نہ کیجئے، اسی میں ملک وقوم اور آپ کا مفاد ہے۔ **واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل!**

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

(ماہنامہ ’’بینات‘‘ کراچی محرّم ۱۴۲۷ھ - فروری ۲۰۰۶ء)